ومـــا تـــوفيـــقـــی الاّ بـــالـــلـــه

قرآن بنام روایات
عوام کی عدالت میں

انتساب

تمام مومنین کے نام

فہرست مضامین

باسمہ تعالیٰ

(١)

عرض حال

اس کتاب کا نام **"قرآن بنام روایات عوام کی عدالت میں"** ہے۔اس کے عنوان سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ قرآن نے ایک دعویٰ روایات پر کیا ہے، یا روایات نے قرآن پر۔تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ دعویٰ ہے، مگر یہ دعویٰ کرنے کی ہمت کیوں ہے؟ جبکہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور روایات کو محمد ﷺ سے منسوب کیا جاتا ہے۔اللہ کے کلام اور رسولؐ کے اعمال میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔رسول اس فرض کو انجام دیتا ہے جو اللہ نے اس پر فرض کیا ہے۔اس لیے نہ تو اللہ ہی رسول پر دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ ہی رسول، اللہ پر دعویٰ کر سکتا ہے۔

تو پھر یہ دعویٰ کیوں؟

یہ اس لئے کہ آج ہمارے سامنے قرآن اور روایات میں بہت کچھ تضاد نظر آ رہا ہے۔ان میں باہم

تصادم بھی ہے۔جب تصادم ہے تو ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔کیا کالا ہے؟ اس کو یہ کتاب بتائے گی۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس کتاب کو بغور پڑھیں۔اگر درست ہو، تو تسلیم کریں، اور اگر کہیں جھول نظر آئے تو اصلاح کرنے کی مہربانی کریں۔اور مجھے بھی راہ درست پر لائیں۔شکریہ۔

سکندر احمد کمال

نگلہ پٹواری، بدولی روڈ، علیگڑھ

(٢)

مقدمہ

اس کتاب کا نام "قرآن بنام روایات عوام کی عدالت میں" ہے۔قرآن نے ایک دعویٰ روایات پر کیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ روایات نے قرآن کو مجبور بنا کر رکھ دیا ہے۔یعنی آج ہر مسئلہ کو پہلے روایات میں دیکھا جاتا ہے، اور پھر اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔لیکن قرآن اس نظریہ کی مخالفت کرتا ہے، مگر قرآن کی مخالفت کو مانا نہیں جاتا، اس کی وجہ کیا ہے، وہ ذیل میں درج ہے کہ کس طرح روایات پر عمل شروع ہوا۔کس کس نے اس کی تائید کی۔

ہر عالم حتیٰ کہ ایک عام آدمی بھی جب اسلام کی بات کرتا ہے تو اس کی زبان سے ایک اصطلاح سننے کو ملتی ہے، وہ یہ کہ "قرآن وسنت"۔

لیکن آج تک یہ طے نہ ہو سکا کہ قرآن کیا ہے، اور سنت کیا ہے؟ ہر مسلک والا اپنے عقیدے کے مطابق ان کی وضاحت کرتا ہے، جو اختلافی ہوتی ہیں۔جن کا قرآن اور طریقہ رسول سے (جو قرآن پر تھا) کا ثبوت نہیں ملتا۔یہ اختلافی طریقہ کیوں شروع ہوا؟ اس پر غور کرنا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ محمد ﷺ نے مسئلہ خلافت یا نیابت کے بارے میں عوامی طور پر کوئی ہدایت نہیں

چھوڑی۔کیا یہ درست ہے؟ تو پھر خبر احاد خواہ وہ تیس برسوں والی خلافت ہو، بارہ خلفاء کا معاملہ ہو یا شیعہ عقیدے کے مطابق غدیر خم اور حدیث کساء کا واقعہ ہو، عام عوامی معلومات کے مقابلہ میں ان اخبار احاد کو مستند قرار نہیں دیا جا سکتا۔واقعہ یہ ہے کہ بارہ خلفاء کی حدیث، کتب احادیث میں نقل ہو جانے کے بعد علمائے اہل سنت کے لئے سخت مشکل کا باعث بنی رہی، اسے اعتبار بخشنے کا مطلب یہ ہوا کہ بنو امیہ کے ان خلفاء کو بھی تقدس حاصل ہو جاتا ہے جن کے بارے میں منہج نبوت سے انحراف کا خیال عام ہے۔

حقیقت میں تاریخ کے بارے میں اس طرح کی پیش گوئی صرف سیاسی حالات کی پیداوار نہیں، بلکہ اس کے پیچھے اہل کتاب کے ان علماء کا بھی دخل ہے جو اپنے سابقہ مذہبی عقیدے کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ان کا سابق علم اور عقیدہ کہیں تو اسلام کی تفہیم میں روکنے والا نظر آتا ہے اور کہیں اس سے متصادم۔بارہ خلفاء کی گنتی کو اہل یہود کے بارہ قبیلوں کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔جس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔اہل تشیع نے بارہ خلفاء کی تاویل میں ائمہ معصومین کا عقیدہ ایجاد کر ڈالا۔مگر قرآن میں اس عقیدے کی تائید نظر نہیں آتی۔اس طرح کی بہت پیش گوئیاں محمد ﷺ سے منسوب کی گئیں ہیں، ان کا بھی حقیقت سے کوئی لینا دینا نہیں، مگر ان پیش گوئیوں اور روایات سے ہر فرقہ نے اپنے لئے جواز فراہم کر لیا جو آج ہمارے سامنے ہے جس سے امت کا شیرازہ بکھر گیا۔

قرآن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ حجۃ من بعد الرسل ہے۔نبی کی غیر موجودگی میں صرف اس کا وجود ہی امت کو منہج نبوت پر قائم رکھنے کے لئے کافی ہے۔ہر چیز اور ہر مسئلہ کا اس میں کافی سامان موجود ہے۔یعنی رسول کے انتقال کے بعد یہ قرآن ہی رسول کا قائم مقام ہے۔مگر اس کو تسلیم نہیں کیا جاتا اور اس سے اپنی بگڑی حالت کو نہیں بنایا جاتا، بلکہ اس کے خلاف اپنی بگڑی بنانے والے ایک نبی (حضرت عیسیٰؑ) یا امام مہدی کے انتظار میں بیٹھے ہیں، اور مشلہ معہ میں درج روایات کے سہارے جینے پر خوش، جو ہر لمحہ تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔مگر جو کچھ ہمارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، اس کا تعلق محمد ﷺ سے دور کا بھی نہیں ہے۔

اسلامی نظریات پر یہودی اثرات تین طرح سے حاوی ہوئے

(١) یہودی علماء کی ایک قسم تو ان پر مشتمل تھی، جن کی نمائندگی عبداللہ بن سلام کر رہے تھے، اور جس کا اظہار فرضی ام المومنین حضرت صفیہ کی ان تعبیرات سے ہوتا تھا جو ایک یہودی عالم کی بیٹی کی حیثیت سے دین اسلام کے

بارے میں پیش کر رہی تھیں۔

(٢)۔یہودی علماء کی ایک دوسری نسل ان لوگوں پر مشتمل تھی جن کے نمائندہ ناموں میں کعب الاحبار اور وہب بن منبہ جیسے لوگوں کے نام آتے ہیں۔بظاہر یہ اسلام لے آئے تھے، مگر ربانی وحی کو سمجھنے میں ان کی سابقہ معلومات برابر مداخلت کرتی تھیں، گویا یہ منافقانہ طریقہ سے اسلام کی بیخ کنی کر رہے تھے، جس کے اثرات کافی دنوں بعد ظاہر ہوئے، اور پوری طرح سے آشکارا ہیں کہ آج قرآن کا اسلام صرف قرآن میں ہے، عملی زندگی میں ان جیسے لوگوں کا اسلام ہی رائج ہے۔

کعب الاحبار اور وہب بن منبہ کے بارے میں تاریخ شاہد ہے کہ ان کو کوڑوں کی سزا دی گئی تھی مگر تب بھی ان کی روایات کو اعتبار بخشا جا رہا ہے، جس کی شہادت ہر شعبہ میں نظر آتی ہے۔قرآن کی فہم رکھنے والے جانتے ہیں، مگر ان کی نشان دہی پر کوئی غور نہیں کرتا۔الٹا ان کو ہی الزام تراشی اور زدوکوب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ابتدا میں بھی ان روایات اور ماخذ کے سلسلے میں مسلمان علماء نے خاص وسیع القلبی کا رویہ اختیار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی اور عیسائی ماخذ سے بہت سی تفصیلات ہمارے تراجم، تفسیر، تشریح، تعبیر، فقہ، تاریخ اور روایات کی کتابوں میں در آئیں۔اس طریقے نے خاص طور پر قرآن مجید کی تشریح و تعبیر کو متاثر کیا۔آگے چل کر ان علوم کے سلسلے میں ایک تنقیدی رویہ پیدا ہوا۔لیکن ابتداء میں معلومات اور تفسیر قرآنی کا جو انداز اور اسکے احکام برآمد کرنے کا طریقہ رائج ہو گیا تھا اس کی تلافی ہنوز نہ ہو سکی۔نتیجہ یہ ہوا کہ وحی کے گرد جس طرح اہل یہود نے تلمود کا حصار کھینچا تھا، تقریباً اسی طرح ہم مسلمانوں نے بھی اسے تاریخ، روایات اور فقہ کا قیدی بنا دیا۔قرآن پر دوسرے ماخذ کے حصار کا نتیجہ اس طرح سے سامنے آیا جس طرح طلاق کا مسئلہ ہے۔احناف کے نزدیک ایک بار تین طلاق معاشرتی زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہیں تو اہل حدیث کے نزدیک ان کی حیثیت صرف ایک طلاق کی ہے۔حتیٰ کہ فرض نمازوں کی ادائیگی میں بھی ائمہ کی فقہ نے سخت اختلافات پیدا کر دیے ہیں۔امام ابو حنیفہ کے نزدیک فرض کی صرف پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے، لیکن امام شافعی کے نزدیک تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔۔اس کے برعکس امام مالک پہلی تین رکعتوں میں قرأت فرض قرار دیتے ہیں۔جبکہ حسن بصری کے نزدیک صرف پہلی ایک رکعت میں قرأت فرض ہے۔یہ تو رہا اختلاف۔مگر قرآن کی سورۃ بنی اسرائیل (١٧) کی آیت ١١٠ میں ہے کہ اپنی نماز درمیانی آواز سے پڑھو۔مگر آج نماز سری اور جہری ہیں یا جیسے نماز کی رکعت ہیں، جو مختلف ہیں، یعنی دو، تین اور چار۔

مشلہ معہ کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کا رویہ بھی ملاحظہ ہو۔لیکن جب بعد میں خبر احاد کی روایتوں میں اختلاف کی صورت حال پیدا ہوگئی تو حضرت عمرؓ نے سخت موقف اختیار کیا۔اور جو لوگ اقوال رسولؐ کے جمع کرنے میں جوش وخروش کا اظہار کر رہے تھے ان کو حضرت عمرؓ نے متنبہ کیا کہ لوگو! ایسا نہ ہو کہ تم دین اسلام میں ایک نئے مثناۃ کی بنیاد ڈال دو۔کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اقوال رسولؐ پر مشتمل کوئی پانچ سو احادیث کا ایک تحریری مجموعہ تیار کرلیا تھا۔لیکن جس کام کی اجازت محمدﷺ نے نہ دی تھی اس کے انجام دینے کی وہ ہمت نہ کر پائے اور ان کو جلا دیا۔

محمدﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے قرآن کے علاوہ اور کچھ نہ لکھنا اور اگر کسی نے لکھ لیا ہے تو اس کو مٹا دینا (مسلم)۔

اس کے باوجود ہمارے یہاں اقوال رسولؐ کے نام پر بڑے بڑے ذخیرے موجود ہیں جن میں رسول مقبول اور اسلام کی شکل اور حقیقت کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مختلف تاریخی اور تہذیبی وجوہات کی بنا پر کس طرح اہل یہود کی طرح ہمارے یہاں بھی انسانی تعبیرات کے حصار نے ایسی صورت حال پیدا کردی کہ جمہور امت کا رویہ وحی ربانی سے روشنی حاصل کرنے کے بجائے تاریخ وروایات اور متقدمین کے فہم کا تابع ہو کر رہ گیا۔راست اکتساب ایک خطرناک خیال اور مذموم بدعت بن کر رہ گئی۔سلف کی تعبیرات حرف آخر ٹھہریں۔اور زندہ لوگوں کے لئے وحی ربانی سے اپنے دل و دماغ کو روشن کرنا ناممکن ہوگیا۔ اور دوسروں کے خیالات اور عقیدے اسلام کے نام پر ہماری تہذیبی اور تاریخی سرزمین میں کچھ اس طرح اُگ آئے کہ ان پر اجنبی ورثے کا گمان بھی نہ ہوا۔اور یہودی سازش کے تحت دیکھتے دیکھتے وحی کی چمک دمک ضخیم مجلات، پیچیدہ اصول فقہ، غیر ضروری کلامی بحثوں اور رجال کی تحقیق وتفصیل میں چھپ گئی اور زوال زدہ قوم اس زوال کا ادراک بھی نہ کرپائی اور غیر اسلامی تہذیب اور مذہب پر فخر کرتی رہی اور اب بھی یہی صورت حال ہے، جس کو علامہ اقبال نے اس طرح فرمایا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اگر اجتہاد کرنا ہے تو یہ اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب وحی کی روشنی میں کیا جائے اور ہم اپنی تہذیبی اور فکری سرمائے پر تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالنے کی جرأت رکھتے ہوں۔اور یہ اجتہاد نازل شدہ قانون

میں نہیں ہوگا، اس پر جوں کا توں عمل ہوگا۔یہ ان معاملات میں ہوگا جن کو اللہ نے نازل نہیں کیا، جو زمانے کے تغیرات سے بدلتے رہیں گے اور وہ بھی اتفاق رائے سے شوریٰ میں غور وفکر ہوگا۔ورنہ اگر ائمہ کے تفقہ کو معتبر قرار دیا گیا تو وحی کے گرد (مثاق) حصار سے بچنا مشکل ہوجائے گا اور ہمارے سرمائے میں جو یہودیت داخل ہوگئی ہے اس سے بچنے پر ہم قادر نہ ہوسکیں گے، جس طرح یہودی اور عیسائی قادر نہ ہوسکے۔مگر ہمارا مسئلہ ان سے آسان ہے۔کیونکہ ہمارے پاس وحی ربانی موجود ہے، اگر اس کو ہم تسلیم کرلیں۔وحی کی صحت کے باوجود مسئلہ یہ ہے کہ وحی ربانی، تفاسیر کی ضخیم کتابوں میں قید ہے اور مفسرین نے جس طرح تاویلات کا حصار کھڑا کر دیا ہے اس کو عبور کرنا کوئی آسان کام نہیں۔اگر ہم اس کو عبور کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو یہ کامیابی ایک دھماکہ پیدا کردیگی اور مبشرات کی ایک ایسی دنیا آباد کرے گی اور ایسی روشنی ہوگی، جو کسی ظلمت کدہ میں وحی کے ذریعہ ہوا کرتی ہے اور آج ہمارے پاس قرآن کی شکل میں وحی موجود ہے۔اس لئے اس دھماکہ خیز امکان کی نفی بھی نہیں کی جاسکتی۔یہ سب کچھ امکان ہوتے ہوئے مفسرین ومحدثین نے وحی کو مشکوک کرنے کے لئے ہر طرح کی کوشش کی ہے۔جیسے انہوں نے کہا:-

ابن ابی حاتم نے عقیل کے حوالے سے زہری سے روایت کی ہے کہ وحی وہ کلام ہے جو اللہ کسی نبی کی طرف بھیجتا اور اس کے دل میں ثبت کردیتا ہے۔پھر وہ نبی اسی وحی کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور اسے لکھ دیتا ہے۔اسی کو کلام اللہ کہتے ہیں۔(الاتقان اردو ج ۱، ص ۱۱۷)

کسی نے کہا کہ جبرائیل محض معنوں کو نازل کرتے تھے اور رسول اللہ ان معانی کو معلوم کرنے کے بعد انہیں عربی زبان کی عبارت میں ادا فرما دیتے تھے (ایضاً، ص ۱۱۴)

اس طرح کے اقوال سے قرآن کے الفاظ کے سلسلے میں شبہ پیدا ہوا کہ آیا الفاظ قرآنی رسول اللہ کی زبان دانی کے مظہر ہیں یا معانی کی طرح ان الفاظ کو بھی منزل من اللہ سمجھنا چاہئے۔افسوس صد افسوس کہ ابدی صحیفے کو مفسرین نے ایک سماجی دستاویز کی طرح سمجھنے کی کوشش کی۔قرآن کی زیادہ تر آیات کا شان نزول تراش لیا گیا، قرآن کو تاریخی حیثیت عطا کرنے کی یہ دھن اتنی تیز ہوئی کہ شاید ہی کوئی آیت ہو جس کے نزول کا سبب بیان نہ کیا گیا ہو۔جبکہ بعض آیات تو صحابہ کرام کے استفسارات کا جواب قرار پائیں اور ایسا لگا کہ یہ شان نزول رسول اللہﷺ کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کی فہم کی برتری کا دعویٰ کرنے لگا۔مثال کے طور پر منافق کی نماز جنازہ پڑھانے کے بارے میں اور شیعہ حضرات نے تو پورا قرآن اہل بیت کے بارے میں ہی نازل ہونا لکھا ہے

۔اس طرح یہ عقیدہ رسالت کے اس قرآنی تصور سے براہ راست متصادم ہے، جس کی شہادت قرآن کے الفاظ میں ملتی ہے "ماضلّ صاحبکم وماغویٰ" سورۃ نجم آیت ۲۰۔

اس طرح کی تحریروں سے مخالفین اسلام نے کافی دھوم مچا رکھی ہے اور قدم قدم پر اسلام اور محمدﷺ کو بدنام کرنے کی مہم جاری ہے۔پہلی صدی کے آخر تک قرآن کے متن میں یا اس کی قرأت میں کسی التباس کی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔پہلی بار شہاب زہری (جس پر کافی اعتراضات لکھے ملتے ہیں) کی زبانی متن میں صحابہ کرام کا اختلاف اور سبع قرآت یا سبع احرف کی روایات اور موجودہ قرآن کے مصحف عثمانی ہونے کا پتا چلتا ہے اور بات یہاں تک پہنچ گئی کہ شہاب زہری کی تحریر سے یہ سلسلہ کذب وافترا اور شبہات کی داستان اتنی کثرت اور تواتر کے ساتھ ہمارے دینی اور علمی ورثے میں نقل ہوتی ہے کہ اب یہ سب کچھ مصدقہ اور مستند معلومات کا حصہ بن گیا ہے۔طبری سے لے کر موجودہ عہد کی تفسیریں ان اخبار احاد کو صحاح ستہ کے حوالے سے نقل کرتی اور انہیں ثقہ معلومات کا حصہ جانتی ہیں اور اس طرح سے حقیقت بن کر قوم کے سامنے آگئی ہیں کہ ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہیں اور نہ ہی کسی میں یہ ہمت ہے کہ ان کے بارے میں کچھ کہہ دے۔اور ایک حقیقی کتاب جو اللہ نے نازل کی جس میں کوئی شبہ نہیں، اس کے بارے میں مفسرین نے ایسی بے سروپا روایتوں پر یقین کرلیا، جس سے قرآن کی حیثیت مشتبہ ہوگئی۔آیات کا اختلاف، بعض آیات کا کھو جانا، بعض آیات کا تلاش بسیار کے بعد ملنا اور تمام تر کوشش کے باوجود بھی بہت آیات کا مصحف عثمانی میں نقل ہونے سے رہ جانا اور اختلاف قرآت میں نبیﷺ سے یہ منسوب کرنا کہ ہر ایک کی قرآت کو درست بتایا۔

یہ قصے ہیں جس سے مفسرین نے اپنے تفسیری حواشی مزین کر رکھے ہیں۔شہاب زہری کی ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ قرآن بہت اترا تھا، لیکن اس کے جاننے والے جو اس کے حافظ تھے، یمامہ جنگ میں مارے گئے (وکم یعلم و بعد ھم وکم یکتب) کنزالعمال، جلد ۱، ص ۲۸۲۔یعنی قرآن کے وہ اجزاء جو صرف ان کو یاد تھے انکی موت کی وجہ سے مصحف میں محفوظ نہ ہوسکے۔

حضرت عائشہؓ کے حوالے سے ابن ماجہ میں ہے کہ آیت رجم اور رضاعت کبیر والی آیات جو صحیفے میں تھی اسے رسول اللہﷺ کی وفات کے موقع پر جب لوگ حادثے میں مشغول تھے تو بکری کھا گئی۔اس لئے یہ دو آیات قرآن میں داخل نہ ہوسکیں (سنن ابن ماجہ باب رضاع الکبیر) رجم والی آیت کے بارے میں بخاری میں بھی درج ہے کہ قرآن میں درج ہونے سے رہ گئی۔جس روایت کو حضرت عمرؓ سے منسوب کیا گیا ہے

اور بعد میں اس آیت کو منسوخ بتایا گیا ہے مگر حکم باقی رکھا ہے۔

مثال کے طور پر صحیح مسلم میں درج ہے کہ قرآن میں اترا تھا کہ دس گھونٹ دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔پھر وہ منسوخ ہوگئی اور اس کی جگہ پانچ گھونٹ والی آیت یعنی (خمس وصنعات معلومات یحرمن) نازل ہوگئی جو آج بھی پڑھی جاتی ہے۔لیکن کافی تلاش کے بعد یہ مفروضہ آیت قرآن میں نہیں ملتی۔ اس روایت کو نسائی نے بھی نقل کیا ہے۔(روایت عائشہ مسلم کتاب الرضاو کذافی النسائی)

قرآن کی حیثیت کو مشتبہ بنانے میں اصل کردار طبری اور شہاب زہری نے ادا کیا ہے اور اس طرح سجایا ہے کے بعد میں آنے والے مفسرین ومترجمین کو شبہ بھی نہیں ہو پایا کے یہ غلط ہوسکتا ہے۔اس کے لکھے کو سب نے اعتبار بخش دیا اور ان کو ہی اپنی تفسیروں میں نقل کردیا۔محدثین بھی ان سے متاثر نظر آتے ہیں اور بعد کو اگر کسی مفسر نے طبری کے جال سے نکلنے کی کوشش کی تب بھی وہ اس کے طلسم کو توڑنے میں کامیاب نہ ہوسکا اور گھوم پھر کر اسی کے ذہن کا غلام بنتا نظر آتا ہے۔جیسے حافظ ابن حجر العسقلانی کا یہ قول کہ عہد رسول میں قرآن غیر مدون تھا، آیات منتشر تھیں، سورتوں کی ترتیب قائم نہ تھی۔یہ سب کام بعد میں صحابہ کرام نے انجام دیا اور یہ خیال تنہا ابن حجر کا ہی نہیں ہے، بلکہ اکثر اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔جبکہ قرآن محمدﷺ کی زندگی میں لکھا گیا اور جمع ہوا، اور کتابی شکل میں آکر عالم اسلام کے ہر حصہ میں اس کے نسخے پہنچے، تب ہی تو دین مکمل ہوا۔

لیکن یہ بھی لکھا ہوا ملتا ہے کہ حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، عبداللہ بن عباسؓ اور محمد بن نعمان بن بشیر سے الگ الگ مصاحف منسوب کردئے گئے۔حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود کے بارے میں کثرت اور تواتر کے ساتھ یہ بتایا گیا کہ ان حضرات نے مصحف عثمانی کے وجود میں آنے کے بعد بھی اپنا مصحف برقرار رکھا اور اپنے شاگردوں کو انہی کے مطابق پڑھنے کی تلقین کرتے رہے۔ان روایات کے مطابق جو قرآن ہمارے سامنے آتا ہے کیا یہ قرآن ہماری رہنمائی اسی طرح کرسکتا ہے، جس طرح سے اصل قرآن نے عہد صحابہ میں کی تھی؟

گویا درپردہ ان روایات کے حصار میں ایک گم شدہ قرآت کے فرضی خیال نے ہمارے فکری اور نظری ڈھانچے میں اپنی جگہ بنالی۔شیعوں کے یہاں مصحف علیؓ نسلاً بعد نسل امام غائب کے پاس جاکر گم ہو گیا۔تاہم اہل سنت والجماعت اصولی طور پر کسی گم شدہ مصحف پر ایمان نہیں رکھتے لیکن عملی میدان میں روایتوں سے یہی نظریہ بنتا ہے کہ اصل قرآن اور اس قرآن میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔کہا گیا ہے کہ مصحف عثمانی چونکہ

نقطوں اور اعراب سے بے نیاز تھا اس لئے قرآن کی قرآت میں کثرت سے اختلاف اور غلطیاں در آئی تھیں۔ لہٰذا ابن زیاد (متوفی ۶۷ھ) کے حکم سے کوئی دو ہزار غلطیاں درست کی گئیں۔اس کے بعد حجاج بن یوسف نے کرم فرمائی کی جس نے متن قرآن میں کم از کم گیارہ واضح غلطیوں کی اصلاح کی۔اور یہ بھی لکھا ملتا ہے کہ حجاج بن یوسف کے کہنے پر نصر بن عامر نے اعراب اور نقطے لگائے۔ان روایتوں کے بقول انسانی عقل کی مداخلت کا سلسلہ یہیں بند نہیں ہوا بلکہ رہی سہی کسر پوری کرنے کے لئے ابوالاسود الدولی کا کردار سامنے لایا گیا۔اس کے علاوہ یحییٰ بن یعمر (م ۱۲۹ھ) اور نصر بن عاصم اللیثی (م ۸۹ھ) کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

ابن زیاد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک فارسی الاصل شخص کے ذمہ یہ کام سونپا کہ وہ قرآن میں ایسی جگہوں پر الف لکھ دے جہاں سے کوئی لفظ حذف کیا گیا ہے۔چنانچہ بقول ابن ابی داود اس طرح کی دو ہزار غلطیاں درست کردی گئیں (ابن ابی داود کتاب المصاحب)۔

نوٹ:- اس جانکاری کا ماخذ کیا ہے کہ اس جگہ کوئی لفظ حذف کیا گیا ہے؟

سبعہ احرف کے حوالے سے تفسیر ادب جو مختلف اور متضاد نوع کی بحثیں ہمارے دینی سرمائے کا معتبر حصہ بن چکی ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے بآسانی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ روایات دراصل وحی کی ترمیم و تنسیخ پر منتج ہیں ان تاویلات کو قبول کر لینے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے قرآن کو برضا و رغبت بازیچہ اطفال کا مقام دے دیا ہے (نعوذ)، جو نہیں ہونا چاہئے۔اور ہم نے تسلیم کرلیا ہے کہ قرآن کی بعض آیات جن سے پہلے کبھی رہنمائی حاصل کی جاتی تھی اب بحکم ربی منسوخ کردی گئی ہیں۔سورہ بقرہ کی آیت ۱۰۶ سے ناسخ و منسوخ کی دلیل لی گئی۔اس کو اصل پس منظر سے ہٹا کر پڑھنے کی کوشش کی گئی ہے۔اور مفسرین نے اس حد تک نسخ پر زور دیا گویا پورے کا پورا قرآن ہی خود اپنی بعض آیات سے منسوخ ہو جائیگا۔بعض نے اس افراط و تفریط پر بندھ باندھنے کی کوشش کی مگر وہ بھی منسوخ آیات کی تعداد کو پانچ سو سے کم نہ کر سکے اور اب بات پانچ پر رکی تھی (شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر عربی)، لیکن وہ بھی قائم نہ رہ سکی اور بات صفر پر آگئی، صفر تک پہنچانے والے عالم عبید اللہ سندھی ہیں۔دیکھئے کتنی عجیب بات ہے جس قرآن کو اللہ نے اپنے کامل علم کے ساتھ نازل کیا اور کہا کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔اس میں بھی مفسرین نے یہ تماشہ کیا گویا اللہ کے علم کو بھی ناقص بنا دیا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی، اپنی جگہ پر ہر آیت جس حالت میں نازل ہوئی تھی، بر قرار ہے، اور برقرار رہے گی۔

حیرت ہوتی ہے کہ وحی کے سلسلے میں مفسرین اتنی بڑی جرأت کیسے کر بیٹھے کہ ایک ایسی کتاب سے متعلق جسے رہتی دنیا تک کے لئے انسانی زندگی کا منشور بنایا گیا ہے اس کے بارے میں انہوں نے کیسے تصور کر لیا کہ اس کی بعض آیات اب قابل عمل نہیں رہ گئی ہیں۔اور انہوں نے ان مفروضہ آیتوں کی تلاش میں طویل مباحث کا ایک دفتر تیار کر ڈالا۔کہیں نسخ بتایا، کہیں بھلانا بتایا اور کہیں اٹھالیا جانا لکھا۔گویا قرآن کو شک کے حصار میں قید کر دیا۔اور آیات کی ناسخ بھی بتائی گئیں اور حضرت عائشہؓ کے حوالے سے یہ خبر عام کی گئی کہ عہد رسولؐ میں سورہ احزاب تقریباً دوسو آیات پر مشتمل تھی، جو سورۃ (بقرہ) کے برابر تھی۔مصحف عثمانی کی تدوین کے وقت صرف موجودہ حصہ ہی دستیاب ہو سکا (الاتقان ج ۲ ص ۶۴ اور نسائی)۔اور اس قسم کے واقعات بھی سامنے آرہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر صبح میں کوئی وحی آتی اور وہ دوسری صبح تک محفوظ نہیں رہتی۔اور یہ کہ (وما ننسخ من آیۃ) اس پس منظر میں نازل ہوئی تھی (ایضاً)۔

آخری وحی کے سلسلے میں یہ خیال لانا بھی جائز نہیں کہ اس کا کوئی حصہ اب نا قابل عمل اور منسوخ ہے۔اس قسم کی بحثوں سے وحی کے حق ہونے کے سلسلے میں ایمان جاتا رہتا ہے۔قرآن آخری وحی کی حیثیت سے آخری وقت تک کے لئے ضابطہ ہدایت ہے، اس میں ان احکام کا وضاحت کے ساتھ بیان موجود ہے جس کی بنیاد پر مسلم معاشرہ ترتیب دیا جاتا ہے۔امت مسلمہ کے پاس یہی وہ کتاب ہدایت ہے، جو قیامت تک نبیؐ کی عدم موجودگی میں اس کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔اور جس کی حیثیت حجۃ من بعد الرسل کی ہے۔اس اہم دستاویز کے سلسلے میں یہ خیال بھی پیدا ہونا کہ اس کا کوئی حصہ ساقط ہو گیا، دراصل وحی کے سلسلے میں ایک ایسی جسارت ہے جس کا اہل ایمان تصور بھی نہیں کر سکتے۔امت مسلمہ کے زوال کی ایک وجہ ناسخ و منسوخ کو اہمیت حاصل ہو جانا بھی ہے۔

اہل یہود کا مذہبی اور تہذیبی جاہ و حشمت مفسرین کے دل و دماغ پر اس طرح حاوی رہا کہ منہدم ہیکل سلیمانی کو قبلہ تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا اور سورہ بقرہ کی آیت (سیقول السفہا) کے اردگرد روایات اور قصص کا حصار کھڑا کر دیا۔جبکہ تاریخی اور قرآنی اعتبار سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہجرت کے بعد ڈیڑھ سال تک مسلمان بیت المقدس کی طرف کو رخ کر کے نماز پڑھتے رہے اور پھر کعبہ تبدیل ہوا کہ اب مکہ والے کعبہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھیں، قرآن میں کوئی آیت نہیں ہے اور نہ ہی اس وقت مسجد اقصیٰ موجود تھی۔اور یہ بات بھی قابل اعتراض ہے کہ اللہ نے حکم دیا کہ نماز بیت المقدس کی طرف منھ کر کے پڑھو اور

محمد ﷺ اس حکم کو تبدیل کرانے کے لئے بضد ہوں۔فکر اسلامی میں وحی ربانی کو سمجھنے کے لئے دونوں قسم کی وحی جلی اور خفی سے واقفیت ضروری تھی اور کہا گیا کہ وحی خفی کے بغیر وحی جلی یعنی قرآن کی تفہیم ناممکن ہے۔بقول امام اوزاعی "قرآن مجید اس سے زیادہ حدیثوں کا محتاج ہے جتنا کہ حدیثیں قرآن کی نہیں" (اسلم جیراجپوری، علم حدیث مطبوعہ امرتسر ص ۱۰)۔

امام یحییٰ بن کثیر نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے نہ کہ قرآن حدیث پر (ایضاً)۔اس خیال کی توثیق کے لئے بعض حدیثیں بھی لائی گئیں جس میں کہا گیا کہ "ان الحدیث لا یفارق القرآن"۔اور یہ کہ حدیث کے بغیر قرآن کی تفہیم امر صعب ہے۔

حکمت کو اکثر نے وحی خفی مانا ہے جو وحی جلی سے باہر تسلیم کی ہے پھر اسی حکمت کے حوالے سے سنت کا تعین اور پھر ماخذ سنت کی حیثیت سے وحی خفی کی تلاش کا خیال ایک ایسا فکری التباس تھا جس نے آنے والے دنوں میں بڑی حد تک وحی جلی کو تاریخ کے تابع کر دیا، یا تاریخ کے لئے فہم وحی جلی میں مداخلت کا نظری جواز فراہم کر دیا۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حکمت قرآن سے باہر نہیں بلکہ قرآن کے اندر ہی ہے، جو اس میں پوشیدہ ہے یعنی بین السطور سے جو ظاہر ہوتا ہے اس کی حکمت عملی وہی وحی خفی ہے یعنی اس میں کیا پوشیدہ ہے۔اور یہ قرآن ہی حکمت ہے جو اس کے باہر حکمت تلاش کرتا ہے اس کو راہ نہیں ملے گی۔

قرآن سے باہر حکمت کی تلاش نے اہل ایمان کے لئے یہ مشکل پیدا کر دی ہے کہ وہ سنت کی تلاش کے لئے کس ماخذ کو معتبر جانیں، وحی جلی سے رجوع کریں یا تاریخ سے۔ان دونوں ماخذ میں اسوہ رسول کا یکساں کردار نہیں ملتا اور مل بھی نہیں سکتا۔ورنہ وحی جلی کی تاریخ پر کیا فوقیت رہ جائے گی قرآن مجید جس شخص کے اسوہ کو قابل اتباع بتاتا ہے وہ قرآنی بیان کے مطابق ایک ایسا رسول ہے جس کا بیان کردار حق سے عبارت ہے (وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ سورۃ نجم، آیت ۳،۴) اور اللہ اس کی سچائی پر خود گواہی دیتا ہے "ما ضل صاحبکم وما غویٰ"۔وہ کوئی رجل مسحور نہیں۔وہ اس کا پابند ہے جو اس پر قرآن نازل کیا گیا ہے۔اس کے خلاف کوئی عمل نہیں کر سکتا اور نہ کوئی قول ہی اس کے خلاف فرما سکتا ہے اگر ایسا ہوتا تو اللہ اسکی شہ رگ کاٹ دیتا۔اس لئے ایسے شخص کے اسوہ سے بڑھ کر مومنین کے لئے اور کونسا ماڈل لائق اتباع ہو سکتا ہے؟ اس لئے قرآن ہی سنت ہے اور سنت ہی قرآن ہے۔اور قرآن ہی حکمت و حدیث ہے۔

لیکن اس کے برعکس ماخذ سنت کے تاریخی بیان میں ہم ایک ایسے رسول کا تذکرہ پاتے ہیں جو وما

ینطق عن الھویٰ کی پابندی نہیں کرتا، شیاطین کے زیر اثر اس کی زبان سے "تلک الغرانیق العلا ان شفاعتھن لترتجی" جیسے شرکیہ الفاظ کا صدور ہو جاتا ہے۔قرآن تو کہتا ہے کہ وہ رجل مسحور نہیں، لیکن سنت کے تاریخی مجموعوں کا اصرار ہے کہ رسول اللہ پر جادو کا اثر ہوا تھا، جس سے نکلنے میں چھ ماہ سے ایک سال کا عرصہ لگ گیا۔قرآن تو اتباع رسول کو مومنین کے لئے مثالی نمونہ بتاتا ہے، جبکہ روایتیں کہتی ہیں کہ رسول اللہ نے مختلف مواقع پر اپنے اصرار سے وحی میں ترمیم و تنسیخ کرائی ہے۔جیسے قبلے کی تبدیلی، پچاس وقت کی نمازوں کو پانچ وقت میں تبدیل کرانا، اور ایک حرف پر اترے ہوئے قرآن کو بالاصرار سات احراف تک لے آنا وغیرہ۔

قرآن جس رسول کی نرم خوئی اور خوش اخلاقی یعنی اسوہ کو مثالی بتاتا ہے۔اس رسول کے بارے میں اقوال و آثار کا دفتر یعنی وحی خفی یہ باور کراتا ہے کہ وہ اپنی عائلی زندگی میں بری طرح ناکام تھا اور اگر احادیث کے راویوں کو سچ جانئے تو ان روایتوں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ نبی کی ازواج آپ کو پریشان کرتی تھیں۔اور ایک موقع پر ایک ازواج سے غلطی ہوئی بتاتے ہیں اور آپ ناراض سب بیویوں سے ہوتے ہیں جب کہ یہ انصاف کا تقاضہ نہیں ہے اس ناراضگی میں آپ نے سب بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔یہ کس مثالی اسوہ کا اظہار ہے اس طرح ایسے اسوہ کو مستند ماخذ قرار دینے سے نہ صرف یہ کہ اسوہ رسول راویوں کے کذب و افتراء کی زد میں آگیا بلکہ سنت کے نام سے اقوال و آثار کا ایک ایسا دفتر تیار ہو گیا جسے تقدیسی تاریخ یا اسوہ رسول قرار دینا تو کجا محض تاریخ مان لینا بھی تکلف بیجا ہے۔

صحاح میں ایسی روایتوں کی کمی نہیں ہے جو معروف تاریخی معلومات سے راست متصادم ہیں۔مثلاً بخاری میں یہ حدیث کہ فتنہ عثمان کے بعد کوئی بدری صحابی باقی نہ رہا، یا اس قبیل کی دوسری احادیث کہ رسول اللہ ﷺ ان پڑھ تھے، یا رسول ﷺ نے اپنے اوپر کچھ حرام کر لیا، یا نابینا پر ناراض ہوئے۔بعد میں یہ خیال راسخ ہوتا گیا کہ اقوال و آثار یعنی مثلہ معہ کے مجموعوں میں خود نبی کلام کر رہا ہے۔امام ترمذی جو اپنی سنن کو معمول بہ قرار دیتے ہیں، ان کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ جس گھر میں ترمذی ہو، جانو وہاں خدا کا نبی کلام کر رہا ہے" من کان فی بیتہ (ترمذی) فکانما فی بیتہ نبی یتکلم" (بحوالہ صحیفہ اہل حدیث ۸۷/ حوالہ مذکورہ)۔

قرآن وحی جلی کا فرمان ہے کہ غیب صرف اللہ جانتا ہے، شفاعت کوئی نہیں کر سکے گا، زانی کی سزا سو کوڑے ہیں، سورت تحریم کے حکم کے مطابق جو ۵ھ میں نازل ہو چکا، اس کے بعد نبیؐ نہ تو اس وقت جو بیویاں

ہیں ان کو طلاق دے سکتے ہیں اور نہ نکاح کر سکتے ہیں، جنگی قیدیوں کو آزاد کیا جائے گا، حرام حلال درج قرآن چلے گا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن وحی خفی نے ان احکام کے خلاف کام کرتے ہوئے نبی کو ظاہر کیا ہے۔ جب کہ نبیؐ سو فیصد قرآن کی اتباع کرنے والے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہمیشہ قرآن کی اتباع کی۔ یہ جو قرآن کے خلاف کام لکھے ہیں، وہ نبی کی کردار کشی ہے۔ اور نبی کو یہ بھی کہتے لکھا ہے، جو یہ کہے گا کہ جو قرآن میں حرام حلال درج ہے اس کو مانو۔ لیکن نبیؐ ایسے آدمی کو غلط بتاتے ہیں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔

لیکن قوم قرآن کے خلاف ہر چیز کو حقیقت مان کر عمل کر رہی ہے۔ اگر کوئی ان سے کہتا ہے کہ بھائی سنت کی پیروی قرآن کی تائید کے بعد کرو، کیونکہ کافی احادیث اللہ کے کلام سے میل نہیں کھار ہیں یا قرآن کے خلاف جارہی ہیں، تو اس کو تنگ کیا جاتا ہے۔

سنت کیا ہے ابھی تک علماء اس پر متفق نہیں ہیں۔ بس اپنے اپنے عقیدے کے مطابق ہر عالم و فرقہ کی سنت جدا ہے۔ جبکہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔ سنت کوئی ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ ہے قرآن پر عمل۔ قرآن کا حکم ہے کہ ضرورت مند قرابتدار کے لئے وصیت کرنا ضروری ہے۔ جس کی تائید متعدد آیات کرتی ہیں، مگر وحی خفی نے ان آیات کے حکم کو منسوخ کر رکھا ہے۔ علماء کرام ابھی تک کلالہ کے مسئلہ میں بھی متفق نظر نہیں آتے۔

قرآن نے محرم کے لئے شکار کی ممانعت کی ہے، مگر ان اقوال و آثار کے دفتروں نے مختلف واقع کے بیان سے اس حکم میں گنجائش پیدا کر لی بلکہ ان ذخیروں میں جس طرح محرم کو شکار کرنے والوں کی معاونت کرتے ہوئے دکھایا ہے، اس میں بڑی حد تک علماء یہود کے طریقہ کار کی جھلک نظر آتی ہے۔ کلالہ کا مسئلہ بتائے بغیر نبی ﷺ رخصت ہو گئے۔ جس کو حضرت عمرؓ اس طرح فرماتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ مجھ کو تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو یہ بات مجھ کو دنیا و مافیھا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت، کلالہ اور ربا (شبلی نعمانی الفاروق، اعظم گڑھ ۱۳۳۱ھ ص ۲۱۵-۲۱۴) گویا دین ادھورا رہا۔ (نعوذ)

تاریخ نے صرف فہم وحی کو مجروح نہیں کیا بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ سنت کے جس حوالے سے اسے اہمیت ملی تھی، خود اس حوالے کی ناقد بلکہ ناسخ ہو گئی۔ متصادم روایتوں سے پیدا ہونے والے قرآنی احکام میں اختلافی زاویہ نظر کا جب وحی خفی کے لئے سلجھانا ممکن نہ رہا تو وحی پر تاریخ یعنی مثلہ معہ کے بجائے الرجال کی حکمرانی کی راہ ہموار ہو گئی۔ ایک حدیث دوسری حدیث کی ناسخ قرار پائی، جس کے نتیجہ میں مختلف فقہی مسائل

پیدا ہو گئے۔ ایسی حالت میں وحی کی درست پیروی کا موقع نہ رہا۔ فقہاء اور محدثین کو حقیقی حیثیت حاصل ہو گئی۔

اس خیال کی سچائی کے لئے آیات تیمم کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ جس کے واضح احکامات قرآن میں درج ہیں، جن میں کوئی مغالطہ نہیں، مگر آراء الرجال نے ان میں بھی تضاد پیدا کر دیا ہے۔ ان آیات میں صاف بتایا جا رہا ہے کہ جنبی کے لئے پانی نہ ملے یا پانی سے نقصان ہونے پر تیمم سے طہارت کا حکم موجود ہے۔ گویا جس طرح مخصوص حالتوں میں تیمم، وضو کا بدل ہو جاتا ہے، اسی طرح غسل کا بھی قائم مقام ہے۔ اور تیمم کا طریقہ بھی بتایا ہے، جس کو محمد ﷺ نے کھول کر بتایا اور کر کے بتایا۔ لیکن حضرت عمارؓ سے مروی روایت ہے، جس میں ہے کہ ایک بار جب وہ سفر میں جنبی ہو گئے، پانی نہ ملنے پر تیمم کے لئے دھول میں لوٹ لگائی۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ سے اس عمل کی توثیق چاہی تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے لئے ہاتھ اور چہرے کا مسح ہی کافی تھا۔

یہ روایت آیت تیمم کی تشریح کرتی معلوم ہوتی ہے، لیکن اس وقت فہم قرآنی میں سخت مشکل پیدا کر دیتی ہے جب اس روایت کے اگلے حصے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت عمارؓ کا یہ بیان جو انہوں نے اپنے عمل کی نبوی توثیق کے حوالے سے پیش کیا تھا، حضرت عمرؓ کے لئے قابل قبول نہ ہو سکا۔ عمارؓ نے جس روایت کو تیمم کے شارح کی حیثیت سے پیش کیا تھا، اپنے اگلے بیانات سے خود اس کی تفہیم کا راستہ روک دیا۔ مسلم میں عبدالرحمان بن ابزی کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے نہ صرف یہ کہ عمارؓ کی اس تفہیم کو ماننے سے انکار کر دیا، بلکہ خود عمارؓ نے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ کہیں تو میں یہ روایت بیان نہ کروں۔ "ا حدث بـه احدا ولم يذكر" ملاحظہ ہو- باب تیمم، کتاب الحیض، صحیح مسلم۔

بعض روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے نزدیک جنبی کے لئے تیمم کی کوئی گنجائش نہ تھی، خواہ پانی ایک ماہ تک دستیاب نہ ہو۔ بعض روایتوں میں ابن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری کی باہمی گفتگو کا بھی ذکر ہے جس میں ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ عمارؓ کا قول حضرت عمرؓ کے لئے قابل قبول نہ تھا؟ کیا ابن مسعودؓ و عمرؓ نے قرآن نہیں پڑھا تھا؟ انہوں نے یقیناً پڑھا اور سمجھا تھا اور محمد ﷺ نے بھی اپنے قول اور عمل سے توضیح و تشریح کر دی تھی تو پھر اس کے بارے میں ایسا کیوں لکھا ہے؟ یہ اس وحی خفی اور آراء الرجال کی مہربانی ہے جس نے وحی ربانی کو مجبور بنا کر رکھ دیا ہے اور قوم کے لئے اس کی تفہیم میں مشکل پیش آرہی ہے۔

اسی طرح یہ بھی اسی ماخذ میں مذکور ملتا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو لوگ حاضر ہوئے۔ ایک نے حالت جنابت میں پانی نہ ملنے پر اپنی نماز نہ پڑھنے کا ذکر کیا اور دوسرے نے

حالت جنابت میں تیمم کے بعد نماز پڑھنے کا واقعہ بیان کیا۔ نسائی کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے عمل کی یکساں توثیق کی۔ ایسے ہی حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ کے قرآن پڑھنے کی توثیق فرمائی، جبکہ دونوں کا پڑھنا مختلف تھا۔ غور کیا جائے تو اس طرح کے فرضی واقعات سے اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں کبار صحابہ کے اختلاف کی کہانیاں ہمارے شعور کا حصہ بنتی ہیں۔ بلکہ آیت قرآنی کے سلسلے میں تاریخ کے پیدا کردہ التباسات کو ہمیشہ کے لئے سند مل جاتی ہے۔ بلکہ فہم قرآنی کے سلسلے میں آپ کا مفروضہ رویہ وحی کے حتمی اور یقینی فہم میں حارج ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ (مسلم)

ایسے ہی جب حضرت عمرؓ اور عمارؓ کے فرضی اختلاف کے بارے میں شاہ ولی اللہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ عمرؓ اور عمارؓ قرآن کی دو آیتوں کے یعنی مائدہ اور نساء کی آیتوں کی تاویل میں مختلف ہو گئے ہیں تو آپؐ نے ان دونوں کو اسی مسلک پر چھوڑ دیا۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں "فـصـوب كـلا الـتـاويـلـيـن وتـر ك كل مؤو ل على تاويله (اذا لة الخفاء) "(ج ۲ ص ۸۹) یہاں تک کہ عبادت کے طریقوں میں جو مسلمانوں کا روزمرہ کا معمول ہے اور جسے ایک نسل نے دوسری نسل سے لیا ہے۔ اس کی ادائیگی میں بھی اختلاف پیدا ہو گئے۔ نماز جیسی متواتر عبادت ہے جسے مسلمان دن میں پانچ بار ادا کرتے ہیں اس میں بھی زبردست اختلافات ہیں اور قرآن سے متصادم ہیں، جب ایسی متواتر اور مروجہ سنت کے سلسلے میں اس قدر اختلاف پیدا ہو جائے کہ اذان سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کا کوئی رکن بھی اختلاف کی زد سے نہ بچ سکے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سنت قولی کے تفوق نے، جو دراصل تاریخ اور تاریخی بیان کے برتری سے عبارت ہے، سنت متواترہ یا اسوہ مکشوفہ کو کس حد تک متاثر کیا ہوگا یہاں تک کہ نماز کی رکعت بھی قرآن کے خلاف ہیں۔

مذہبی فکر جب وحی سے دور تاریخ کے آشیانے میں پناہ لیتی ہے تو پھر ان میں اختلافات کا پیدا ہونا اور سچ کے مختلف پہلو کا اگ آنا ایک فطری عمل ہے۔ اس فکری تشنج اور نظری پراگندگی سے اس وقت تک نجات نہیں مل سکتی، جب تک ہم تاریخ سے رہائی حاصل نہ کر لیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ سنت اور تاریخ کی اس جنگ میں جو فکری بحران پیدا ہوا ہے وہ اگر اب تک حصار کے قفل پر ضرب لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تو اس کی وجہ قدماء کی تفقہ اور اور ان کی شرع فہمی پر ہمارا غیر معمولی انحصار ہے۔ سب حق پر ہیں یا تمام ہی روایتیں کسی نہ کسی درجہ میں سنت کا اظہار ہیں؟ یہ مصالحاتی فکر ایک بحرانی عہد میں وقتی حل تو ہو سکتا ہے، البتہ یہ کہنا کہ تاریخ

اور سنت کا یہ فہم ایک فی الواقع حقیقت ہے اور یہ کہ تاریخ اور تفقہ کے تمام اختلافات بیک وقت یکساں مستند ہیں۔ اور ایسا اس لئے کہ ہمارے قدیم علماء خواہ وہ ابوالحسن اشعری ہوں یا قاضی ابو بکر باقلانی؟ ابو یوسف ہوں یا محمد بن حسن یا قاضی شریح سب کے سب اسی خیال کے حامل ہیں، نہ صرف یہ کہ ہماری فکر میں وحی کی ثانوی حیثیت کو برقرار رکھے گی بلکہ ہم اپنی تمام تر جد وجہد کے باوجود تاریخ اور اس کے پروردہ روایتی مسلم فکر میں محصور ہو کر رہ جائیں گے۔

شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "عقدالجید" میں مجتہدین کے اختلاف فکری کو یکساں معتبر قرار دیا ہے کہ تمام ہی مجتہدین بیک وقت حق پر ہیں اور اپنے اس خیال کی تائید میں مختلف متقدمین کے نام گنائے ہیں۔ جو بقول ان کے اسی خیال کے حامل تھے۔ عقدالجید میں شاہ صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ جمہور متکلمین بھی اسی زمرے میں آئیں گے خواہ وہ اشاعرہ میں سے ہوں یا معتزلہ میں سے۔ ملاحظہ کیجیے عقدالجید میں ص ۱۰۶ تا ۱۰۸ حوالہ مذکور۔ شاہ صاحب نے شیعہ فرقہ کو اس زمرے میں شامل کیوں نہیں کیا؟

قوم کو جس التباس فکری میں تاریخ اور متقدمین کی آراء نے مبتلا کر دیا ہے اس کا علاج ان ماخذوں سے ہونا ممکن نہیں ہے، بالخصوص ایک ایسی صورت حال میں جب وحی ربانی پر ایسی حدیثوں کا پہرہ سخت ہو، جن کا وجود ہی نقد تاریخ کا راستہ روکنے سے عبارت ہو۔ جیسے مثلہ معہ کی روایت ہے، جس نے ہر طرح کے غور و فکر اور متقدمین کا راستہ روک دیا ہے۔ اگر اس التباس فکری سے قوم نجات پانا چاہتی ہے تو ضروری ہے کہ قرآن سے علاج کرایا جائے۔

قرآن سے باہر وجود سنت کا جواز ثابت کرنے کے لئے حضرت عمرؓ سے ایسی روایتیں بھی منسوب کر دیں کہ "سيكـون مـن بـعـد كـم قـوم يـكـذبـون بـا لرجم و بالدجال و با لشفاعة و بعذاب القبر وبقوم يخرجون من النار بعد ما امتحشوا"۔

قانون رجم ہو یا ظہور دجال کی باتیں، تصور شفاعت ہو یا عذاب قبر یا دوزخ سے باہر آ کر جنت میں جانا، حقیقت یہ ہے کہ ان کے تذکروں سے قرآن کے صفحات خالی ہیں۔ اس طرح کے بیانات سے نہ صرف یہ کہ قرآن سے باہر اسوہ دین کی موجودگی یا ماخذ وحی مثلہ معہ کے موقف کو تقویت ملی بلکہ متاخرین کے لئے تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے دیکھنے اور روایات کا اصول تاریخ کی روشنی میں محاکمہ کرنے کا خیال بھی جاتا رہا۔

حقیقی سنت کو پانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسے مفروضہ روایات سے آزاد کردیں۔ جب تک کہ سنت کو تاریخ سے پوری طرح آزاد نہ کرایا جائے گا، اسوہ رسولؐ کا اپنے تمام تر ابعاد کے ساتھ دریافت کیا جانا ممکن نہں۔ اسوہ اور سنت ہے قرآن میں درج اللہ کا فرمان۔ متقدمین نے کیا کیا لکھا ہے تھوڑا دیکھ لیں:-

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اہل خیر کی زبانوں سے بلا ارادہ بھی جھوٹ نکلتا ہے اور یہ کہ انکی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں، مگر ان کے دل پاک ہیں۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اقوال و آثار کے دفتروں میں ہمارا انحصار ان کے دل سے زیادہ ان کی زبانوں پر ہے اس لئے اصل سنت رسولؐ یا اسوہ کو حاصل کرنے کے لئے ان نیک دل بزرگوں کے ان بیانات کو قید کرنا پڑے گا جن کے اقوال سے اسوہ میں بگاڑ آ گیا ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ جو احادیث یعنی وحی غیر متلو کا ذخیرہ آج ہمارے سامنے ہے، ان کو نہ ماننے والوں کو بعض علماء ضال و مضل، بدعتی بلکہ کافر تک قرار دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو ماخذ وحی غیر متلو تو کجا تعبیری اور تشریحی حیثیت بھی اپنے عہد میں مسلم نہ ہوسکی تھی۔ خوارج فضائل اہل بیت والی روایتوں کا انکار کرتے ہیں اور انہیں گروہی عصبیت کا پروردہ بتاتے ہیں تو دوسری طرف شیعان علی احادیث مناقب سے کھلم کھلا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے آگے چل کر معتزلہ فکر نے مذہبی فکر میں دخل دیا تو احادیث صفات کے انکار سے تعبیری فکر میں ہلچل مچ گئی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر مکتبہ فکر اپنی پسند کی روایتوں کو درست کہتا ہے اور دوسروں کی پسند کو غلط اور آج بھی یہی ہو رہا ہے کہ ہر مسلک کے پاس اپنی اپنی روایتیں ہیں اور انہی سے فرقے بن گئے۔ جب یہ اقوال و آثار تحریر میں نہیں آئے تھے، اس وقت مسلمان سنت کی تلاش کن کتابوں سے کرتے تھے؟ جب محمد ﷺ نے خود قرآن کے علاوہ اور اقوال کو لکھنے سے منع کر دیا تھا اور کہا تھا "اگر کسی نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھ لیا ہے تو اس کو مٹا دو"۔ اس لئے خلفاء راشدین اہل علم کو لکھنے اور بیان کرنے سے روکتے تھے۔ خود ابو بکرؓ نے جو لکھا تھا اسے جلا دیا حضرت عمرؓ تلاش کر کے ان کو جلوا دیا کرتے تھے۔ روایات کو لکھنے کو مثناۃ کی ترتیب جیسے خطرے سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اور یہ بھی غور کیجئے کہ علماء محدثین کی اکثریت اور بالخصوص صحاح ستہ کے تمام ہی مصنفین عجمی الاصل ہیں۔ انہوں نے قرآن کے بالمقابل روایات کی بنیاد پر امت کے ہاتھوں میں ایسی کتابیں دے دیں، جن کے زیر اثر امت رفتہ رفتہ قرآن سے دور ہوتی گئی اور قرآن کی تفہیم ان کتابوں کی مرہون منت ہوگئی۔ دوسری صدی کی ابتداء میں ابن شہاب زہری جیسی قد آور شخصیت جس کو اس فن کے موسس کی حیثیت حاصل ہے، اور

جن کے تذکروں سے احادیث کا کوئی دفتر خالی نہیں کا تعلق بھی مدنی ماحول سے نہیں۔ اور کہا یہ بھی جاتا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ بعض لوگوں نے روایتوں سے پیدا ہونے والے اختلاف کو وسعت پر محمول کیا۔ سفیان سوری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اختلاف تعبیر کے لئے لفظ اختلاف کے استعمال میں تکلف کرتے تھے (مناظر احسن گیلانی مقدمہ تدوین فقہ لاہور ۱۹۷۶ ص ۲۱۷۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت بتایا ہے۔

بعض علماء سے ایسے قول بھی منسوب کئے گئے ہیں کہ اگر صحابہ کرام آپس میں اختلاف نہیں کرتے تو انہیں اس کا شدید قلق ہوتا کہ اختلاف کی وجہ سے آج امت کو عمل کی وسعت اور مختلف سنتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا موقع ملا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز سے یہ منسوب کیا گیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر صحابہ کرام اختلاف نہ کرتے تو مجھے یہ امر اچھا نہ لگتا کہ ان کے اختلاف سے ہمارے لئے رخصت پیدا ہوگئی۔ ابن عباسؓ کے حوالے سے ایک روایت بھی بیان کی ہے کہ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے (حبیب الرحمن کاندھلوی، مذہبی داستانیں اور انکی حقیقت ج ۲ ص ۲۲۹۔

ہمارے یہاں ایک ماخذ اور سامنے آیا یعنی "حدیث قدسی"۔ جو قرآن سے باہر ایک ایسے قرآن کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا کرتا ہے جو روایات اور قرآن کے درمیان کی چیز ہے۔ اقوال رسولؐ سے آگے بڑھ کر تاریخ کے صفحات میں اقوال الٰہی کی دریافت کی کوششوں نے سنت ہی نہیں بلکہ وحی کے سلسلے میں بھی سخت قسم کی الجھنوں کو جنم دیا ہے۔ جب تاریخ کی اہمیت یہ ہو جائے کہ وہ ایام رسولؐ سے کہیں آگے بڑھ کر وحی ربانی کو برآمد کر سکے تو پھر اس کی بنیاد پر دین کا علیحدہ آزاد تصور پیدا ہونا عین فطری ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بایزید بسطامی نے زندگی بھر صرف اس لئے خربوزہ کھانے سے احتراز کیا کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ رسول اللہ ﷺ نے خربوزہ کس طرح کھایا تھا۔ سنت کا یہ تصور جو ایام رسولؐ کی باریک بینی کے علاوہ ایک طرح کی ظاہر پرستی لئے ہوئے ہے، یقیناً اپنی پیاس صرف تاریخی ماخذ سے ہی بجھا سکے گا، قرآن سے نہیں۔

خربوزہ کھانا تو کجا اب ہمارے لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ ہم نماز جیسے متواتر عمل کے سلسلے میں یقین کے ساتھ یہ کہہ سکیں کہ رسول ﷺ نے آخری نماز کس طرح پڑھی تھی۔ (اقامت میں تکبیریں ایک تھیں یا دو، آمین جہراً تھی یا آہستہ، مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی یا نہیں، رفع یدین موقوف کر دیا گیا تھا یا باقی رکھا گیا تھا، دوران قیام ہاتھ باندھتے تھے یا کھلے، اور نماز درمیانی آواز سے پڑھی تھی یا سری، الحمد کے ساتھ قرآن

چاروں رکعتوں میں پڑھا تھا یا تین میں یا دو میں یا ایک میں، اور سلام ایک طرف پھیرا گیا تھا یا دونوں طرف۔

لہٰذا جن لوگوں کا تصور سنت کی تلاش رسولؐ یا ظواہر پرستی سے عبارت ہو انہیں جان لینا چاہئے کہ اقوال و آثار کے یہ تمام مجموعے سنت کی بازیافت میں ان کی مدد نہیں کر سکتے۔ البتہ جو لوگ فرضی سنت کے بجائے اسوہ رسولؐ کی پیروی کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہوں تو انکی مدد کے لئے زخم پر مرہم رکھنے کے لئے اسوہ رسولؐ کا لازوال ماخذ قرآن مجید اپنی اصل آب و تاب کے ساتھ اب بھی موجود ہے۔ جو رسولؐ شخصی کا قائم مقام ہے۔ وحی ربانی کے مقابلے میں جب فقہی موشگافیوں نے اپنا شکنجا مضبوط کر لیا اور اختلافات کا ایک جنگل اگ آیا تو مسلمانوں نے اپنے فکری اور روحانی زوال پر بند باندھنے کے لئے اپنی ہی پیدا کردہ غلط فہمیوں پر روک لگانے کی کوشش کی اور جب انہیں یہ محسوس ہونے لگا کہ وحی کے گرد استنباطی فقہ کے جنگل نے وحی پر حجابات وارد کرنے شروع کر دئے ہیں تو اس صورت حال کے ازالے کے لئے مزید فقہی تاویلات کا دروازہ بند کئے جانے کا اعلان کر دیا۔

اس عمل سے اتنا تو ضرور ہوا کہ نئے پہلوانوں کا اس اکھاڑے میں آنے سے کسی حد تک راستہ بند ہوگیا۔ البتہ پرانے پہلوانوں یعنی پرانی فقہ کو اس عمل نے دائمی اعتبار و استناد عطا کر دیا۔ اور جس راستہ سے ہمارے فکر و نظر میں زوال در آیا تھا اسی راستہ میں تلافی زوال کی کوشش کی جانے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عہد زوال طویل تر ہوگیا۔ جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے ہم نے بھی اسی میں اپنی عافیت سمجھی۔ جیسے ایک شتر مرغ شکاری کے تعاقب سے تھک کر ریت میں اپنا منھ چھپا لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں محفوظ ہوگیا مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا، مگر یہ اس کی بھول ہے۔ اس کو شکاری دیکھ رہا ہوتا ہے اور اسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ وہی حال آج اس مسلم قوم کا ہے یہ شکاری کے جال میں پھس گئی اور نکلنا نصیب نہیں ہو رہا۔ جیسے ایک جنگ مہا بھارت میں ابھمنیو، چکرویوہ میں پھنس کر مارا گیا تھا، اس کو داخل ہونا آتا تھا، نکلنا نہیں۔

اس نے وحی سے رہنمائی حاصل کرنے کی راہ میں ایسی ناقابل عبور چٹانیں کھڑی کر دیں، جن کو توڑنے کے لئے بڑے بڑے مجتہدین اٹھے، بڑی بڑی بغاوتیں عمل میں آئیں، لیکن یہ تمام مجتہد غلط فہمیوں کی چٹانوں سے اپنا سر ٹکرا کر رہ گئے۔ اور اگر ان غلط فہمیوں کی چٹانوں کو نہ توڑا تو ایسے ہی انجام سامنے آتے رہیں گے۔ اس لئے سب سے پہلے ان چٹانوں کو پاش پاش کرنا ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم اپنے سامنے ائمہ کو نہ رکھتے ہوئے قرآن کو اپنا امام بنالیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ جو دین احبار و رہبان کے بنائے ہوئے مذہب کے خاتمے کے لئے آیا تھا اور جس کی دعوت بندوں اور اللہ کے درمیان بلا واسطہ تھی، اس دین کے ماننے والوں نے قرآن کا دامن چھوڑ کر انسان کے بنائے ہوئے قانون کے حصار میں اپنے آپ کو قید کر لیا۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ سابق میں بالغ نظر پیدا نہ ہوئے ہوں، جن کو کتاب و سنت کا شعور ہو اور جو حقیقت دین کا ادراک رکھتے ہوں۔ ضرور ہوئے۔ لیکن وہ بھی فقہ کے حوالے سے ان ہی فقہی خیموں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ مثال کے طور پر شاہ ولی اللہ اپنی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں شیخ عزالدین عبدالسلام کے اس موقف کے پرجوش حامی نظر آتے ہیں کہ مسالک اربعہ کی بے سوچے سمجھے پیروی جہل اور باطل کا راستہ ہے (شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ البالغہ، راجعہ السید السابق مطبوعہ مصر، ج ۱ ص ۳۲۷)

ہمیں اپنے سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ ہمارے درمیان قرآن کی موجودگی کے باوجود آخر کس چیز نے ہمیں انسانوں کی تصنیفات اور ان کے اقوال کو اپنا عقیدہ اور عمل بنائے رکھنے پر مجبور کیا ہے؟ اس مشکل سوال کا جواب تلاش کیا گیا، یعنی رسول کو شارح کے بجائے شارع کے منصب پر فائز بتایا گیا۔ شارع علیہ السلام کی اصطلاح مذہبی ادب میں اتنی عام ہوگئی کہ بہت کم ذہنوں میں یہ خیال باقی رہا کہ رسولؐ خود احکام الٰہی کی اتباع کا پابند ہے۔ اس کی حیثیت شریعت کی تشریح و توضیح کرنے والے کی ہے، شریعت بنانے والے کی نہیں۔ اور وہ تشریح و توضیح اپنے عمل سے پیش کرتے تھے، جس کو سنت کہا جاتا ہے۔ لیکن آج سنت بھی اس کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔

شارع کی اس نئی حیثیت کو تسلیم کرنے کے بعد علماء کو مذہبی پیشوائی کے ایک ایسے مقام پر فائز کر دیا کہ نہ صرف غیر منصوص امور میں تشریع و تعبیر کا مکمل اختیار مل گیا، بلکہ خود قرآن مجید بھی انکی جولانی فکر کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ مسلم فکر میں مذہبی پیشوائی کے اس نئے ادارے نے بہت جلد ایک ایسی صورت حال کو جنم دیا کہ علماء کے اجتہادی فیصلوں نے بنیادی حیثیت اختیار کر لی۔ جس سے قرآن و سنت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی۔

فقہائے حنفیہ کے ایک امام ابوالحسن عبیداللہ الکرخی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "ہر وہ آیت جو اس طریقے کی مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں، وہ یا تو مؤول ہے یا منسوخ، اور اسی طرح وہ حدیث جو اس قسم کی ہو، وہ بھی مؤول ہے یا منسوخ (بحوالہ تاریخ فقہ اسلامی، ص ۴۲۱)۔ قرآن نے اطیعوا الرسول کو اطیعوا اللہ

کا توسیعہ بتایا تھا۔دین کی فقہی تعبیر نے اسے وسعت دے کر اس دائرہ کار میں علماء کے طبقہ کو بھی شامل کر لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم معاشرے پر دین کی گرفت ڈھیلی اور فقہ کی گرفت سخت تر ہوتی گئی۔مختلف فقہ کے پیروکار اس حد تک پہنچ گئے کہ بقول ابن بطوطہ دمشق کی ایک ہی مسجد میں تیرہ تیرہ اماموں کی اقتداء میں نمازوں کی ادائیگی ہوتی تھی۔البتہ ائمہ اربعہ کے تصور کو باضابطہ سند اس وقت ملی جب سلطان فرح بن برقوق نے نویں صدی ھجری کے ابتداء میں حرم کعبہ کے اندر چار مسالک کے علیحدہ علیحدہ مصلے قائم کر دئے۔ان علیحدہ مصلوں کے قیام نے گویا ان چار مسالک کو دین اسلام میں ایک دائمی حیثیت عطا کر دی۔اور بعد کو اجتہادی دروازہ بند کر دیا۔اب کوئی نیا فقیہ اپنی رائے پیش نہیں کر سکے گا، بھلے ہی اس کی رائے قرآن کے مطابق ہو۔نیا فقہ پیش کرنے کی ضرورت ہی کہاں باقی رہی ہے؟ پہلے ہی بزرگوں نے سارا کام پورا کر دیا،اور جو نقصان ہونا تھا،ہو گیا۔اب افسوس کیا کرنا،کھیت تو چڑیا چگ گئی۔

ایسی صورت حال میں اگر کسی دانشور نے فقیہ کی پیدا کردہ غلط رایوں سے پریشان ہو کر احتجاج بھی کرنا چاہا تو اسے صرف یہ کہنے پر صبر کرنا پڑا کہ امت کے اتحادِ فکری کے لئے یہ مناسب نہیں کہ فروعی مسائل پر اختلافی بحثوں کو جاری رکھا جائے۔بعض بالغ نظر علماء نے فقہی مسائل میں معتدل رویہ اختیار کرنے کی ترغیب میں رسالے لکھے اور بعض نے ان چار فقہ میں ایک طرح کی ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش بھی کی۔مگر یہ سب راہیں غلط ہیں۔اصل راہ قرآن کی ہے۔مگر اس پر آنے کو تیار نہیں ہیں۔

ائمہ اربعہ کے دین کے نام پر عین دین کے اندر اختلافات کی جو دائمی بنا پڑ گئی تھی اس کے ازالے کے لئے ہر عہد میں اہل فکر مسلمانوں نے اپنے طور پر کوشش کی۔لیکن تمام کوششیں چونکہ ائمہ اربعہ کو ایک مسلمہ عقیدہ مان کر بروئے کار لائی گئی تھیں،اس لئے ان کوششوں کے نتائج خاطر خواہ برآمد نہ ہوئے۔اپنی کوششوں میں وہ لوگ اس لئے کامیاب نہ ہو سکے کہ وہ اپنا علاج اسی اختلافی فکر کے ذریعہ کرنا چاہتے تھے جو ناممکن ہے۔

اختلافات سنت کی مختلف تعبیرات سے پیدا ہوئے جب کہ سنت مختلف نہیں ہو سکتی۔وہ ایک ہے۔ اور وہ ہے قرآن۔

اختلاف کا ایک اہم سبب اجماع ہے۔لیکن کیا قرآن کے خلاف اجماع ہو سکتا ہے؟ تاہم آج جو اجماع ہمارے سامنے آتا ہے وہ تقریباً قرآن کے خلاف ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امت کسی بھی مسئلہ میں متفق نہیں ہے۔جو اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے" لا تجمع امتی علی الضلالة "امت ضلالت پر

متفق نہیں ہو سکتی۔یہی آج ہو رہا ہے اگر امت ہر مسئلہ میں متفق ہوتی تو اجماع ہوتا لیکن متفق نہیں ہے۔اس لئے اجماع نہیں ہے۔اس کو اجماع نہیں کہا جا سکتا کہ چند عالم ایک بات پر متفق ہوں اور اسی مسئلہ پر چند مختلف ہوں۔لیکن آج ایسا ہی ہو رہا ہے اور اس اختلافی اجماع کو ہی اصل دین بتایا جا رہا ہے جو بالکل قرآن کے خلاف ہے۔

اجماع کو دلیل شرع کے طور پر مان لینے سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ امت میں مختلف ادوار میں جس غلط فکر کو داخلہ مل گیا اور جن اجنبی افکار کے بارے میں مانوسیت کا احساس پیدا ہو چلا تھا،ان کے بارے میں تحقیقی نقطۂ نظر پیدا نہ ہو سکا اور تاویل کا رویہ اختیار کیا گیا۔مثال کے طور پر فہم قرآن کے سلسلے میں وہ تمام التباسات،جو روایتوں کے ذریعہ مفسرین کے قرآنی حاشیوں میں جگہ پا گئے تھے،اس کے بوجھ سے امت ہنوز نجات حاصل نہ کر سکی۔بلکہ ہر آنے والا دن اس مفروضہ اجماع کو اعتبار بخشتا جاتا ہے۔اور اس طرح اجماع کی ہیبت اور پکڑ ہمارے تقلیدی ذہن پر گہری ہوتی جاتی ہے۔فقہاء کو بھی اس بات کا احساس غالباً ضرور ہے کہ ان کی یہ فقہ قرآن کے فکری چوکھٹے سے میل نہیں کھاتی۔لیکن صدیوں پر مشتمل اجماع امت کا خوف انہیں ازسرنو غور فکر کرنے سے روکے رکھتا ہے۔مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ زانی محصن کے لئے رجم کی سزا پر علماء امت کا اجماع ہو چکا ہے۔اس اجماع کے سلسلے میں جو قرآنی دلیل پیش کی جاتی ہے وہ انتہائی لغو اور قرآن کو ساقط الاعتبار قرار دینے والی ہے۔لیکن فقہاء کا اصرار ہے کہ قرآن شک کے حصار میں آتا ہے تو آئے،لیکن اس اجماع پر ازسرنو کوئی تحقیقی اور تنقیدی گفتگو نہیں ہو سکتی۔اسی طرح وصیت کے بارے میں قرآن کے خلاف اجماع ہے۔ایسا ہی اجماع کلالہ کے بارے میں ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے یہاں قیاس بھی ایک اہم چیز ہے لیکن اس میں بھی اختلافات ہیں۔بعض اس کو نہیں مانتے اور بعض مانتے ہیں۔تاہم نہ ماننے والے بھی کسی حد تک اس سے متاثر نظر آتے ہیں۔فقہاء اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے قیاس کی تائید قرآن سے نہ سہی،سنت میں ضرور موجود ہے۔اجماع جو ایک ذیلی دلیل شرعی کے طور پر متعارف ہوا تھا،اسے بھی قیاس کی بنیاد پر تسلیم کر لیا گیا۔اس کے بارے میں مثال پیش ہے۔

محمد ﷺ سے ایک روایت منسوب کی گئی ہے جس کے مطابق آپؐ نے سونے کے بدلے سونے، چاندی کے بدلے چاندی،کھجور کے بدلے کھجور اور جو کے بدلے جو کی خرید و فروخت میں زیادہ ادائیگی سے منع کیا ہے۔جو اس روایت کے مطابق سود سے تعبیر کیا جائے گا۔شافعی مسلک نے اس روایت میں دو علتوں کو

دریافت کیا۔

اولاً:-اشیائے خورد کا ہونا۔

ثانیاً:-ایسی چیز کا ہونا جسے ناپا یا تولا جا سکے۔

اور ان دونوں علتوں کی بنیاد پر شوافع نے یہ قیاس کیا کہ کھانے کی چیزوں میں غیر مساوی لین دین نہیں ہو سکتا۔ایسا کرنا ربو (سود) کی تعریف میں آئے گا (شیرازی،شرح اللمع،ج ۲،ص ۸۰۴،۶)بخاری میں اس موضوع کی احادیث درج ہیں (صحیح بخاری،مکتبہ رحمانیہ لاہور،ج ۱،ص ص ۸۵۸-۸۵۹ حدیث نمبر ۱۳۵۰-۱۳۵۴،اردو ترجمہ)۔

۱- ہم سے ابوالولید نے بیان کیا،کہا ہم سے لیث نے،انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے مالک بن اوس سے،انہوں نے حضرت عمرؓ سے سنا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے،آپؐ نے فرمایا! گیہوں، گیہوں کے بدلے بیچنا سود ہے،مگر ہاتھوں ہاتھ۔اور جو کو جو کے بدلے بیچنا سود ہے مگر ہاتھوں ہاتھ۔اور کھجور، کھجور کے بدلے بیچنا سود ہے مگر ہاتھوں ہاتھ۔

۲- ہم سے اسماعیل نے بیان کیا،کہا ہم سے امام مالک نے،انہوں نے نافع سے،انہوں نے عبداللہ بن عمر سے کہ آنحضرت ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر کی کھجور،خشک کھجور کے بدلے ناپ کر اس طرح بیچی جائے،جس طرح بیل پر لگے ہوئے انگور کو منقیٰ کے بدلے بیچنا۔

۳- ہم سے ابوالنعمان نے بیان کیا،کہا ہم سے حماد بن زید نے،انہوں نے ایوب سختیانی سے،انہوں نے نافع سے،انہوں نے ابن عمر سے کہ آنحضرت ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا۔ابن عمر نے کہا کہ مزابنہ یہ ہے کہ کوئی شخص درخت کا میوہ سوکھے میوے کے بدلے ناپ یا تول کر بیچے اور خریدار سے کہے کہ اگر درخت کا میوہ اس سوکھے میوے سے زیادہ نکلے تو وہ اس کا ہے اور کم نکلے تو پھر وہ دے گا۔ابن عمر نے کہا کہ مجھ سے زید بن ثابت نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے عرایا کی اجازت دی اندازہ کر کے۔

۴- ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا،کہا ہم کو امام مالک نے خبر دی انہوں نے ابن شہاب سے کہ مالک بن انس نے سو اشرفیاں بھنانا چاہیں،انکو طلحہ بن عبیداللہ نے بلا بھیجا۔مالک کہتے ہیں کہ ہمارے اور طلحہ کے درمیان تکرار ہو گئی۔آخر وہ راضی ہو گئے اور اشرفیاں ہاتھ میں لے کر پھرانے لگے،پھر انہوں نے کہا تمامہ سے میرے خزانچی کو آنے دو اور حضرت عمرؓ یہ بات سن رہے تھے،انہوں نے مجھ سے کہا کہ خدا کی قسم طلحہ

سے جدا نہ ہونا،جب تک روپیہ نہ لے لینا،کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سونے کا سونا یا چاندی کے بدل بیچنا منع ہے مگر ہاتھوں ہاتھ۔اور جو کا جو کے بدل بیچنا سود ہے مگر ہاتھوں ہاتھ،اور کھجور کا کھجور کے بدل بیچنا سود ہے،مگر ہاتھوں ہاتھ۔

روایات مذکورہ میں علت کی دریافت سے قطع نظر فقہاء نے یہ غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ ایک جنس کے بدلے اسی جنس کا مساوی تبادلہ آخر کیسی تجارت ہے؟اور یہ کہ کسی ایسے لایعنی کام سے تاجر یا خریدار میں سے کون فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ حقیقت میں اس روایت کی نوعیت اور اس کے نقصان پر غور کرنے کے بجائے ہم نے اپنے قیاس کی بنیاد پر مزید ناقابل فہم قسم کے مسائل کھڑے کر لئے۔گویا قیاس، جو عقل اور اجتہاد سے عبارت تھا،روایات کی اندھی گلیوں میں اس کی راہ گم ہو گئی۔کچھ ایسی ہی صورت حال اجماع کو قیاس کی بنیاد بنانے کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔اس سے بھی اسلام کو بہت نقصان پہنچا ہے۔اسی قیاس کے ذریعہ ابن سینا اور فارابی جیسے اہل دانش نے شراب نوشی کے لئے باقاعدہ جواز تلاش کر لیا کہ بقول ان حضرات کے ان کے لئے شراب نوشی،لہو ولعب کے بجائے تسکین قلب اور رنج والم سے نجات کا ذریعہ تھی۔

اسلام ہر طرح کے اوہام اور خرافات کو ختم کرنے آیا تھا،جو کہ قرآن بتا رہا ہے۔مگر افسوس کہ فقہاء کرام مقامی خرافات کے زیر اثر،اس قسم کے خیالات کی حمایت کرنے لگے کہ حصول صحت کے لئے پیشاب اور خون کا پینا یا مردار کا کھانا جائز ہے،بشرطیکہ حکیم حاذق ایسا کہے (درمختار،ج ۴،ص ۲۲۴ شرح وقایہ ص ۴۰۶)۔

فقہ کو آراء الرجال بنا دینے کی ایک دلچسپ مثال حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جس پر احناف اور شوافع کی کتابوں میں بڑی تفصیلی بحثیں موجود ہیں۔مسلک شافعی زنا کے نتیجے میں حرمت کو موثر قرار نہیں دیتا۔ اس کے خیال کے مطابق اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کیا ہو تو بیٹے کا نکاح اس عورت سے شرعی اعتبار سے جائز ہو گا۔فقہ شافعی نے تو اس مسئلہ کو اتنا وسعت دی ہے کہ کوئی شخص خود اپنے زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والی لڑکی سے بھی نکاح کر سکتا ہے (کیا بات ہے)۔جبکہ قرآن ایسے نکاح کو منع کرتا ہے۔

ہمارے یہاں اتنے مختلف فقہ کیوں وجود میں آئے اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ اول فقیہ کی رائے کو دوسرے فقیہ نے درست تسلیم نہیں کیا اور اپنی رائے پیش کر دی۔اس کی رائے نے بھی ایک مسلک کو جنم دیا۔ ان دونوں کے مسلک کو تیسرے نے معتبر نہ جانا اور اپنی رائے کے مطابق فقہ مدون کر دیا۔اسی طرح آگے والے نے وغیرہ وغیرہ۔اس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سابقہ فقہی نظائر اور طریقۂ تعبیر کی طرف سے ایک تشنگی کا

احساس ہر نئے فقیہ کوایک نئے طریقہ کار پراکساتا رہا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ شرع کوفقہ کی سطح پراتارلانے میں ہمارے فقہاء عظام روزاول سے ایک طرح کی بےاطمینانی کے شکار رہے ہیں یا انکے دل اطمینان سے خالی رہے ہیں یا ان میں خلوص کی کمی تھی یا قرآن کی آیات کی روشنی میں شوریٰ میں مشورہ کرنے کی طلب نہ تھی ہتو شاید ایسا کہنا بیجا نہ ہوگا۔ اگر سب فقیہ شوریٰ میں کسی بات کو طے کرتے تو یہ اختلاف نہ ہوتے اور شوریٰ میں بھی اس مسئلہ پرمشورہ ہوتا، جس کا نزول قرآن میں نہ ہوا ہو۔

ایسے ہی تراجم کا مسئلہ ہے۔ ہرمترجم دوسرے مترجم کے ترجمہ کوغلط مان رہا ہے۔ تب ہی تو اس نے اپنا نیا ترجمہ پیش کیا۔ اور امت کی کمر پرتراجم کا اتنا وزن لاد دیا، جس کو وہ اٹھانے کی ہمت نہ کرپارہی ہے۔ جب کہ سابق میں جتنے تراجم کئے گئے ہیں وہ سب طبری اور ابن کثیر سے ماخوذ ہیں، ان میں کوئی خاص فرق نہیں، صرف الفاظ کا فرق ہے۔ جب ایسا ہےتو نئے ترجمہ کی ضرورت نہ تھی۔ اگر پہلے کے ترجمہ میں کچھ کمی تھی تو اس کمی کو درست کیا جاتا اور اس کی جگہ ایک نیا ایڈیشن آتا، اور پہلے کو میدان سے الگ کردیا جاتا۔ مگر یہ بات بھی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر پیر یا امام نے اپنے مریدوں کو اپنے نام سے منسوب کئے گئے ترجمہ کو پڑھنے کی اجازت دی۔ اس لئے ان تراجم اور عقیدوں کی بھرمار ہوگئی۔ کچھ یہی حادثہ محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ بھی پیش آیا، جو خالص اسلام کی طرف واپسی کی اپنی تمام تر خواہش کے باوجود، اس کے علاوہ اور کچھ نہ کرسکے کہ تقدیس تاریخ کے اسیروں کا ایک نیا گروہ تیار کردیں۔ نظام وقت کے حکم سے چار فقہ کو قانونی حیثیت دینے کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے علاوہ دوسرے مکاتب فکر پردہ عدم میں جا چھپے۔ رہے حنبلی، جنہوں نے آگے چل کر خود کو سلفی کہلانا پسند کیا، تو ان کے لئے بھی خالص وحی کی طرف واپسی ایک نعرہ شوق سے زیادہ اہمیت حاصل نہ کرسکی۔

اسی طرح بہت سے دانش ورمیدان میں آئے۔ اس نعرے کے ساتھ کہ پرانہ فقہ اب ساتھ نہیں دے رہا، اس کی جگہ دوسرا قانون ہونا چاہئے۔ مگر وہ بھی اس کے علاوہ کچھ نہ کرسکے کہ پرانے بتوں کو ہٹا کر نئے بتوں کی تشکیل کی۔ شاہ ولی اللہ فقہ کے خلاف اپنی سخت تنقید کے باوجود اہل ایمان کو انہی میں سے کسی ایک سے وابستگی کی دعوت دیتے ہیں اور یہ بھی بتاتے رہے کہ چار فقہ کا قیام دراصل ایک الٰہی فیصلہ ہے، جس سے مفر نہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ دانشوروں نے اصول فقہ کے سلسلے میں ایسے بنیادی سوالات کی نشاندہی کرلی

تھی کہ اگر ان پر غیر جانب دارانہ غوروفکر کی شروعات ہو جاتی، تو یقیناً جامد مسلم فکر کوایک نئی زندگی مل سکتی تھی۔ اقبال پہلے مسلم مفکر نہیں تھے جنہوں نے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے فقہی اختیارات واستحقاق کو اپنے حیطہ ادراک میں لانے کی کوشش کی ہو۔ ہاں وہ ان معنوں میں پہلے شخص ضرور ہیں جنہوں نے فقہ عمرؓ سے متعلق بعض خطرناک اور پریشان کن سوالات کو اپنے اجتہاد کی بنیاد بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ جب قرآن ایک مکمل کتاب ہے اور وہ اپنے اندر کامل رہنمائی کا سامان رکھتی ہےتو ہم پر لازم ہے کہ ہم غیر قرآنی فقہ کا جائزہ خالص قرآنی نقطہ نظر سے لیں۔ البتہ اس کے لئے کیا مناسب طریقہ کار اختیار کیا جانا چاہئے اس مسئلہ کو اقبال نے سنجیدہ غوروفکر کے لئے منتخب کیا۔

انہوں نے یہ سوال بھی اٹھایا کہ کیا اجماع کے ذریعہ نص قرآنی کو کالعدم یا معطل قرار دیا جاسکتا ہے؟ جیسا کہ بعض حنفی علماء اور چند معتزلیوں کا ماننا ہے۔ مثال کے طور پر کیا یہ ممکن ہے کہ موجودہ پس منظر میں احکام وصیت میں تبدیلی لائی جائے۔ یا یہ کہ قرآنی مدت رضاعت جو دوسال بیان ہوئی ہے، اس میں کمی بیشی کی جاسکے۔ ان کا یہ سوال اٹھانا کہ فقہاء جب بعض قرآنی آیات کی تخصیص یا تعمیم کا حکم برآمد کرتے ہیں اور اس کے لئے اجماع سے دلیل لاتے ہیں، تو ایسا کرنے کا استحقاق انہیں کن بنیادوں پر ہوتا ہے؟ یہ حق صرف صحابہ کرامؓ کے لئے خاص ہے یا عام فقہاء کو بھی یہ اختیار حاصل ہوگا؟ کیا صحابہ کرام کو یہ حق اللہ نے دیدیا تھا کہ تم ایسا کرسکتے ہو اور کو یہ حکم نہیں ہے؟ اور کیا آیات قرآنی میں بھی خاص وعام ہے؟ تو اس سے ثابت یہ ہورہا ہے کہ کفو کا مسئلہ بھی تو خاص وعام ہے اس پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ دیکھو ہمارے فقہاء کہاں چکر لگا رہے ہیں؟ اقبال نے اس مسئلہ پر بھی غور کی ضرورت محسوس کی کہ اگر کسی صحابی کا عمل نص قرآنی سے راست متصادم ہو تو کیا یہ سمجھا جانا حق بہ جانب ہے کہ قرآن کی مذکورہ آیت منسوخ ہوگئی ہے؟ جس کا علم اس صحابی مذکور کو تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے استفسارات کے جواب میں جو کچھ کہا، خواہ یہ وحی قرآنی پرمبنی ہو جواب قرآن میں ہمارے لئے محفوظ ہے۔ یا ایسی باتیں جو آپؐ نے اپنی فہم وبصیرت کی بنیاد پر کہی ہوں، کیا یہ دونوں ہمارے لئے یکساں حکم کا درجہ رکھتی ہیں؟ ایسی صورت میں اقبال یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہم وحی اور حدیث کے درمیان کس طرح خط امتیاز قائم کرسکیں گے؟ نفسیاتی اعتبار سے وحی غیر متلو کی تعریف کیا ہوگی؟ کیا عہد رسول ﷺ میں وحی متلو وغیر متلو کی یہ تقسیم موجود تھی یا یہ بعد کی پیداوار ہے؟

رسول ﷺ بیک وقت نبوت اور امامت کے حامل تھے۔ نبی کی حیثیت سے انہیں راست وحی آتی تھی، البتہ امام کی حیثیت سے بسا اوقات وہ اپنے اجتہاد اور بصیرت سے فیصلے کیا کرتے تھے۔ آپ کی شخصیت میں امامت کا پہلو بھی کیا وحی کی طرح ماخذ ہدایت سمجھا جائے گا؟ منصب امامت پر صرف ایک شخص کو ہی فائز کیا جاسکتا ہے۔ یا افراد کا ایک گروپ بھی مشترکہ طور پر اس ذمہ داری کو انجام دے سکتا ہے۔ کیا مسلمانوں کے امیر کو یہ اختیار ہے کہ وہ حدود قرآنی مثلاً چور کے لئے قطع ید کی سزا کو وقتی طور پر معطل کردے؟ اگر ایسا ہوسکتا ہےتو اس کی قرآنی بنیاد کیا ہے؟ اقبال نے اپنے محور سوالات میں یہ مسئلہ بھی رکھا کہ حضرت عمرؓ کا طلاق ثلاثہ کے سلسلے میں اقدام کس حد تک مناسب تھا؟ اور اس کی شرعی بنیاد کیا تھی؟ بالفاظ دیگر اقبال یہ بھی پوچھنا چاہتے تھے کہ کیا موجودہ اسلامی ریاست کا دستور اپنے خلیفہ کو اس طرح کے وسیع اختیارات دے سکتا ہے؟ حنفی فقہ میں ثبوت نسب کے لئے بچے کی پیدائش کی مدت دوسال تک روا رکھی گئی ہے۔ اس خیال کی شرعی بنیاد کیا ہے؟ اور یہ سوال کہ کیا اسلامی ریاست کے امیر کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ عارضی طور پر بعض فرائض کو معطل کردے؟ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ اقتدار سنبھالنے سے پہلے متعہ کا رواج تھا۔ تو کیا موجودہ دور کے امیر کو یہ اختیار دیا جاسکتا ہے کہ وہ اس قسم کے بہت سے مسائل جو آج مسلم معاشرے کو درپیش ہیں، کے بارے میں وہ اپنی صوابدید سے کوئی قطعی فیصلہ لے سکے؟ اور کیا ہم ایسے مسائل کی ایک فہرست بنا سکتے ہیں، جن کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہو کہ ان امور پر امیر کو اپنی صوابدید سے فیصلہ لینے کا حق حاصل ہے؟

مروجہ فقہی گروہ بندیوں پر سوالیہ نشان لگاتے ہوئے اقبال نے یہ بھی پوچھا کہ مالکی، حنفی اور شیعوں کے درمیان نماز جیسی (متواتر) عبارت میں آخر اس قدر اختلاف فقہی کا سبب کیا ہے؟ (جاوید اقبال زندہ روڈ لاہور، ۱۹۸۴ج ۳ص، ص ۳۴۸-۳۴۹)۔

ان سوالات میں وہ حرارت موجود ہے کہ اگر اس کو سنجیدہ حلقوں میں غوروفکر کا موضوع بنایا جاتا تو اچھے نتائج سامنے آسکتے تھے۔ لیکن سوال تو بہت آدمی کھڑے کر کے ایک زلزلہ پیدا کردیتے ہیں لیکن ان کو کیسے حل کیا جائے اس مقام پر جانے کو تیار نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ بھی رائج کتب فقہ سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔

ایسے سوالات کا حل صرف اور صرف قرآن کے اندر موجود ہے بشرطیکہ قرآن کو دیکھا جائے۔ مگر قرآن پر مفروضہ سنت، روایات، تاریخ، اجماع اور قیاس کا حصار قائم کردیا ہے۔ جس کو توڑے بغیر کام بننے والا نہیں ہے۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پر اَڑنا ☆ منزل یہی کٹھن ہےقوموں کی زندگی میں

علماء کرام بھی اس التباس فکری سے محفوظ نہ رہ سکے کہ مغز قرآن تو دراصل متشابہات میں پوشیدہ ہے۔ محکمات کی حیثیت چھلکے سے زیادہ نہیں۔ مجدد الف ثانی متشابہات کو مغز قرآن قرار دیتے ہیں (مکتوب ۲۷۶ج اص ۳۵۷مطبوعہ نول کشور)۔

اس طرح قرآن مجید تو امت کے پاس باقی رہا۔ لیکن یہ ایک ایسا قرآن ہے جس کے بارے میں یہ خیال عام ہے کہ یہ محض خالی الفاظ کا ڈھانچہ ہے۔ متصوفین نے معانی کشید کرلئے ہیں، اور بقول جلال الدین رومی ہڈیاں کتوں کے لئے چھوڑدی گئی ہیں، ملاحظہ ہوں رومی کے اشعار۔

قرآن ایک ضابطہ حیات ہے، جوانسانوں کوہدایت دیتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے، جو کہ قرآن کا دعویٰ بھی ہے۔ مگر قرآن کے حوالے سے حصول ہدایت کے بجائے حصول ثواب کے تصور نے راسخ العقیدہ مسلم فکر میں ایک مستقل جگہ بنالی۔ بے تحاشہ تلاوت کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ اہل ایمان اپنے لئے ثواب اکٹھا کرنے لگے، بلکہ مردہ روحوں کو بھی ان کا ثواب بخشا جانے لگا۔ مُردوں سے رابطہ کا سلسلہ دراصل اہل تصوف نے کھولا تھا، اور یہ انہی کے دماغ کی پیداوار تھی۔ جب مردوں کو ثواب پہنچایا جانا ممکن ہوگیا ہتو پھر اس خیال نے آگے بڑھ کر فاتحہ خوانی کی راہ ہموار کردی۔ مردہ روحوں کو لذیذ مرغن غذاؤں کا تحفہ بشکل فاتحہ بھیجا جانے لگا۔ بلکہ ایک بزرگ اہل دِل نے تو اپنی وصیت میں مرغ وبریانی اور کباب کے فاتحہ کے بھیجنے کی فرمائش کردی۔ ملاحظہ ہو مولانا احمد رضا خان بریلوی کی وصیت کا مجموعہ وصایا شریف (مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)۔

مگر کسی نے یہ پوچھنے کی زحمت نہ کی کہ جب مردے کو ثواب پہنچایا جاسکتا ہےتو عذاب کیوں نہیں؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ثواب کی طرح اپنے گناہوں کا تحفہ بھی اپنے دشمن کی روح کو ارسال کرسکے؟ علماء ظاہر نے لفظ "الوالامر" سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کو "الوالامر" کے مقام پر فائز کرلیا ہو، اور دینی زندگی کی رہنمائی کا منصب اپنے ہاتھوں میں منتقل کرلیا ہو اور اپنی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لئے "العلماء ،ورثۃالانبیاء" جیسی روایتیں وضع کرلی ہوں ہتو بھلا متصوفین اس صورت حال سے کیونکر فائدہ نہ اٹھاتے، جب کہ وہ اس بات کے دعویدار ہوں کہ دین کی اصل روح انہی کے پاس ہے۔ تو متصوفین نے علماء ظاہر سے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے نہ صرف یہ کہ خود کو "الوالامر" کے منصب پر فائز کیا، بلکہ باطنی خلافت کے حوالے سے روحانی زندگی کے طالبین کے لئے بیعت کا ایک نظام بھی ترتیب دے ڈالا۔ اب اُخروی زندگانی

میں نجات کا دارومدار متصوفین کے ہاتھوں میں تھا، جنہوں نے اپنے خودساختہ منصب کو برحق ٹھہرانے کے لئے ''الشیخ فی قومه کالنبی فی امته '' کی حدیث وضع کرڈالی (کشف المحجوب لاہور ۱۳۹۸ھ ص ۴۲۶، واحیاءالعلوم مصر ۱۳۵۲ھ ج ۱، ص ۴۷)۔

شیخ کو منصب نبوت پر فائز کردینے سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ اب مومنین کے لئے رشدوہدایت کا مرکز شیخ کی ذات ہے، جسے اپنے وقت کے نبی کا مقام حاصل ہے۔ چنانچہ امام غزالی نے برملا یہ بات کہی کہ ''المرید یحتاج الی شیخ فمن لم یکن له شیخ یهدیه قادة الشیطان الیٰ طرقه لا محاله '' یعنی جس کی رہنمائی کے لئے کوئی شیخ نہ ہو وہ لامحالہ شیطان کے راستے پر جائے گا (احیاءالعلوم حوالہ مذکور، ج ۳، ص ۶۵)۔

ساتویں صدی ہجری میں شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف کے نام سے اہل ایمان کے لئے دینی زندگی کا ایک نیا منشور مرتب کرڈالا، جس میں صوفیانہ زندگی جینے کے آداب بتائے گئے اور کہا گیا کہ خرقہ پہنانے اور سبقت لینے میں شیخ کی حیثیت دراصل رسول اللہ ﷺ کے نائب کی ہے۔ اس کا ہاتھ رسولؐ کے ہاتھ کی نیابت کرتا ہے۔

خلافت باطنی کو دینی فکر میں اعتبار مل جانے سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ امام المسلمین کی مرکزی اور کلیدی حیثیت پس پشت چلی گئی۔ امت کی وحدت اور شیرازہ بندی کے تمام امکانات ختم ہو گئے۔ خلیفہ، صوفیہ میں اپنے کشف اور الہام کی بدولت جسے بھی سودا سمایا، اس نے اپنی خلافت باطنی کا دعویٰ کردیا۔ جلد ہی امت پر ہر طرف تصوف کا ایک سیلاب سا آ گیا۔ ابتداء میں تو اس بات کی کوشش رہی کہ یہ تمام ہی طریق اپنے سلسلے کو اعتبار بخشنے کے لئے ماضی کی ہستیوں سے اپنا سلسلہ بتائیں۔ اس مقصد کے لئے پانچویں صدی میں حضرت علیؓ کو شاہ ولایت کے منصب پر فائز کیا گیا۔ باطنی خلافت کے دعویداروں نے اپنا اور اپنے شیوخ کا سلسلہ حضرت علیؓ سے ملانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ ایک مشکل کام تھا اور خلافت کا یہ باطنی منصب اتنا پرکشش بن گیا تھا کہ بہت سے اہل تصوف نے اس طویل سلسلے کو بائی پاس کرتے ہوئے راست حضرت خضر (جو ایک فرضی کردار ہے) سے خرقہ خلافت کے حصول کا اعلان کردیا۔

عام مسلم ذہنوں میں شیوخ کے اعتبار کا یہ عالم ہوگیا کہ ان کی خانقاہوں میں ہجوم ہونے لگا کہ شیخ کی ایک نظر کرم ان کا بیڑا پار کردے گی اور ان شیوخ کے مرتبہ کو اتنی شہرت دی کہ اگر کوئی مرید دور سے بھی ان

کی زیارت کرکے چلا گیا تو اس کا بیڑا پار ہوگیا اور اللہ نے اس کو بخش دیا۔ نجات کے لئے شیخ کا عمل دخل اتنا وسیع ہوگیا کہ اہل ایمان کی بڑی اکثریت نے ان باطنی خلفاء کو اپنی غیر مشروط اطاعت سونپنے میں عافیت جانی۔ ایسی حالت سے فائدہ اٹھا کر نام نہاد باطنی خلفاء کے جبر کا یہ عالم ہوگیا کہ انہوں نے اپنے مریدوں سے جو کچھ چاہا کرایا۔ حتیٰ کہ وہ اسلام کے بنیادی عقیدے سے دست برداری پر بھی مصر ہو گئے۔

شبلی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے بیعت لینے کے لئے اپنے نام کا کلمہ پڑھنے کی شرط عائد کردی (امیر حسن سنجری فوادالفواد، لکھنؤ ۱۸۸۵ء، ص ۴۳۰)۔ اور یہی بات معین الدین چشتی کے بارے میں کہی جاتی ہے کہ انہوں نے ایک عقیدت مند سے حسن عقیدت کا امتحان لینے کی غرض سے ''لاالہ الااللہ چشتی رسول اللہ'' کہلوایا (فریدالدین گنج شکر، فوائداسالکین، دہلی ۱۳۱۰ھ، ص ۲۳)۔

ان باطنی خلفاء کو مسلمانوں کے دین وعقائد سے کھیل کھیلنے کا موقع اس لئے ہاتھ آ گیا تھا کہ امت کی اجتماعی زندگی انتشار کا شکار تھی۔ امیرالمسلمین کے منصب پر جو لوگ فائز تھے انہیں دین کا کوئی شعور نہ تھا جس سے وہ یہودیت کی بیخ کنی کا کام کرتے اور نہ ہی اتنی قوت تھی کہ وہ اسلام کے اس الحاقی تصور سے جسے رفتہ رفتہ عوامی مقبولیت ملتی جاتی تھی، راست لوہا لیتے۔ ان امیرالمسلمین نے خود ان باطنی خلفاء سے مصالحت کر لی تھی۔ حکمرانوں کے لئے خانقاہوں کی زیارت ان کی مقبولیت کا سبب بنتی اور صوفی شیخ کا ان زیارتوں سے مقام بلند اور مستحکم ہوتا۔ گویا دونوں قسم کے غیرمستحق خلفاء نے ایک دوسرے کے تعاون سے امت پر اپنے جبر کا سایا طویل تر کئے رکھا۔ علماء محدثین کے مابین ابتدائی صدیوں میں وحی کے سلسلے میں جو التباسات پیدا ہو چلے تھے، انہوں نے اگر ایک طرف اہل تشیع کو ''ماموِر من اللہ ائمہ'' کا تصور تخلیق کرنے میں مدد دی تو وہیں صوفیہ نے بھی اس گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ولیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری کردیا۔

شیعوں میں ائمہ مامور کا تصور ہو یا سنیوں میں ولی، قطب یا رجال الغیب کا جاری سلسلہ، واقعہ یہ ہے کہ یہ سب تصور وحی میں تبدیلی کے بعد ہی ممکن ہو سکے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ فکر اسلامی میں مختلف التباسات فکر وحی کے اس فرضی تصور سے غذا حاصل کرتے ہیں، جس میں مبشرات، الہام، القا اور کشف جیسی موہوم اور مبہم کیفیات کو وحی کے اضافی ماخذ کی حیثیت سے تسلیم کرنے پر زور ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر آنے والی آخری وحی کو اگر حتمی اور معین وثیقے کی حیثیت سے قبول کرلیا جائے اور اگر صرف اسی وثیقے کو آخری نبوت کا کامل اظہار سمجھا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ شیعہ فکر اپنے اصل محور پر لوٹ سکتی ہے بلکہ سنی دنیا میں

اسلام کا مقبول عام ایڈیشن، جسے اہل تصوف کے سلسلوں اور انکے حلقہ اثر نے شائع کیا ہوا ہے، چشم زدن میں اپنی معنویت کھودے گی۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں خود ان کے لئے بھی اب ختم نبوت کے اسرار وعواقب کا صحیح اندازہ کرنا کچھ آسان نہیں۔ ایسا اس لئے کہ شیعہ اور سنی دونوں فکر میں تصور وحی میں تبدیلی کی جڑیں بہت گہری ہیں۔

ابتدائی صدیوں میں وحی کے بدلتے تصورات نے جب ہماری کتابوں میں اپنی جگہ بنائی تو پھر ایسی امت کے لئے جو ان ایام کو سلف صالحین کے ذریعہ سے غیر شعوری طور ایک سنہری عہد سمجھتی تھی، اس کے لئے اس پر تنقید کرنا کچھ آسان نہ رہا۔ بالخصوص ایک ایسی صورت حال میں جب ابتدائی تین نسلوں کے مسلمانوں کو بلاتخصیص صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سمجھ لیا گیا ہو۔ حالانکہ یہی وہ عہد بھی ہے جو فکر، علمی اور سیاسی فتنوں کی آماجگاہ بھی ہے اور جہاں اہل ایمان کو مسلمانوں کے بھیس میں پائے جانے والے بے شمار مفتری، کذاب اور فتنہ گروں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ شروع کے زمانہ کو مقدس سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم اس زمانہ کے بگاڑ کو بھی تقدیس کا حامل سمجھنے لگے اور یہ بات ہمارے ذہنوں سے نکل گئی کہ ان ایام میں صالحین کے ساتھ ساتھ سلف طالعین کی بھی ایک قابل ذکر تعداد ہمارے درمیان موجود تھی، جن کی گمراہی کے اثر سے صالحین پوری طرح سے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔ آج بھی حال یہی ہے۔ ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ ہم صراط مستقیم سے دور ہو چکے ہیں۔ لیکن اس احساس کے باوجود بھی ہم کسی نئی ابتدا کی ہمت نہیں پاتے۔ اسی بگاڑ میں اپنا علاج چاہتے ہیں۔ شیعوں میں امامت کا تمام تر تصور اسی خیال سے غذا حاصل کرتا ہے کہ رسول کے غیب میں اہل ایمان کی ہدایت کے لئے اللہ نے ائمہ کا جو سلسلہ جاری کیا ہے دینی زندگی کا تمام تر انتظام اب انہی کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ ایسا ہی تصور سنی فکر میں اہل تسوف کی کرم فرمائیوں کے نتیجے میں پایا جاتا ہے، جن کے مطابق، بقول ابن عربی ''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جس نبوت کا خاتمہ ہوا، وہ اس کا محض تشریعی پہلو تھا نہ کہ اس کا مقام'' (الفتوحات مکیہ، ج ۲، ص ۳)۔

گویا نبوت کا تشریعی پہلو تو ختم ہوگیا، لیکن ایک ایسی نبوت کو باقی رکھا گیا جس میں تشریع نہیں ہے، اور جس کا وارث علماء کو بنایا گیا ہے، نبوت خواہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی، اس کا سلسلہ ائمہ معصومین کے ذریعہ جاری بتایا جائے۔ ان خیالات کی تمام تر بنیاد اس مشکوک روایت پر رکھی گئی ہے، جو معانی کی مختلف سطحوں پر شیعہ اور سنی دونوں فکر میں نفوذ کرگئی ہے اور اس سے محدث کا تصور پختہ ہوگیا ہے۔ جو نبیؐ کے غیاب میں زمین کا رشتہ

آسمان سے جوڑے رکھنے پر مامور سمجھا جائے۔ یہ ایسا خیال ہے جس نے شیعہ مسلم فکر میں اپنی جگہ پختہ کرلی ہے۔ اصول کافی میں ''وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی'' کے بعد ''ولا محدث'' کا اضافہ بھی بتایا گیا ہے (اصول کافی، ج ۱، ص ۱۷۶)۔

سنی ماخذ میں ولامحدث کے اس اضافے کو قرأت ابن عباس کا شاخسانہ بتایا گیا ہے۔ محدث کے سلسلہ میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اس کا الہام قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ ختم نبوت کا تصور اپنی جگہ، مشکل یہ ہے کہ سنی ماخذ میں منفی انداز سے اور شیعہ ماخذ میں تائیدی اور اثباتی انداز سے محدث کا جو تصور پایا جاتا ہے اس سے جب تک یہ دونوں فرقے کلی طور پر دست بردار نہیں ہوتے وحی کی حقیقی عظمت کا ادراک ان کے لئے ممکن نہیں۔ لیکن یہ کام آسان نہیں کہ اہل تصوف نے وحی کے الحاقی تصور کو اتنا مقبول عام بنا دیا ہے کہ اب بڑے سے بڑا دانشور بھی اہل دل کے الہام واکتشافات کو یکسر رد کرنے کی ہمت نہیں کرپاتا۔ خواہ ان الہامات کی زد وحی اور تصور وحی پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

اہل تصوف جب لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ خواب کی حالت میں وہی کچھ دیکھتے ہیں جو انبیاء بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں (قوت القلوب، حوالہ مذکور ص ۱۴۴) اور جب امام غزالی جیسا بھی اس خیال کا قائل ہو کہ صرف خواب ہی میں نہیں بلکہ اہل اللہ تو بیداری میں بھی غیب کا مشاہدہ کرلیتے ہیں (ابوحامدالغزالی، فیصل التفرقه بین الاسلام والزندقه، مصر ۱۳۹۱ھ، ص ۱۷۶)۔

اور جب ان جیسا آدمی ان التباسات فکری کا شکار ہو کہ انبیاء اور اولیاء کو عالم بیداری میں اور خواب میں جو خوبصورت شکلیں نظر آتی ہیں وہ مثل ملائکہ ہوتی ہیں۔ جن کے ذریعہ انبیاء اور اولیاء کو وحی اور الہام ہوتا ہے۔ تو فطری طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخری نبیؐ پر آنے والی وحی کو آخر کس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے؟ بعض کبار صوفیاء نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اہل دل پر نازل ہونے والی وحی بسا اوقات تحریری شکل میں بھی نازل ہوتی ہے (تذکرہ شیخ اکبر ابن عربی (مقدمہ) ترجمہ اردو فصوص الحکم مطبع مجتبائی لکھنؤ، ۱۹۰۹ء ص ۳۲)۔

البتہ حیرت ان سلیم الفکر علماء پر ہوتی ہے کہ متصوفین کے کشف والہامات نے آخر کس طرح ان ذہنوں سے وحی ربانی کی عظمت کو محو کردیا۔

لیکن متصوفین کا یہ اسرار رہا کہ ان کی یہ کتابیں منزل من اللہ ہیں۔ انہیں اکتسابی علوم کا نتیجہ نہیں سمجھنا

چاہئے مثلاً ابن عربی نے یہ دعویٰ کیا کہ ان پر فتوحات مکیہ یک بارگی القا کی گئی اور شاہ ولی اللہ نے اپنے روحانی مکاشفات پر مشتمل وثیقہ ہمعات کو منزل من اللہ القا بتایا۔ اپنے مکاشفاتی صحیفوں کے سلسلے میں شاہ صاحب نے بابانگ دہل دعویٰ کیا کہ ان کی کتب میں جو کچھ لکھا ہے اس کا تعلق عقل وفکر بحث واستدلال یا اکتسابی علوم سے نہیں۔ وہ کہتے ہیں "خدا ان سب چیزوں سے میرے ان الہامی کلمات کو محفوظ ومامون رکھے تا کہ یہ ایک دوسرے سے مل نہ سکیں اور اس طرح حق وباطل میں ملنے کا شبہ نہ ہو (ہمعمات اردو ترجمہ حوالہ مذکور ص ۵۹)۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر الہام کی دینی حیثیت مشتبہ ہو جائے تو تصوف کی عمارت چشم زدن میں منہدم ہو جائے۔ لیکن یہ آسان نہیں ہے اس لئے کہ یہاں ایک الہام دوسرے الہام کی تصدیق کرتا ہے۔ ایک خواب دوسرے خواب کو سند عطا کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سری سقطی نے جنید بغدادی سے کہا کہ تم نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے؟ پوچھا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ کہنے لگے کہ میں رات خدا بزرگ وبرتر سے خواب میں مشرف ہوا جہاں مجھے باری تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ میں نے اپنے حبیب محمد ﷺ کو جنید کے پاس بھیجا ہے کہ وہ اسے وعظ کہنے کا حکم دیں (علی عثمان جلابی معروف بہ داتا گنج بخش (ترجمہ) کشف المحجوب، لاہور ۱۹۹۳ ص ۹، ۲۵۸)۔

متصوفین کے یہاں ایسے خوابوں کا تذکرہ معمول کی بات ہے۔ اولیاء کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے راست دیدار الٰہی کے ذریعہ وظائف کا یہ خزانہ سمیٹا ہے، کہا جاتا ہے کہ حکیم ترمذی نے ہزار مرتبہ باری تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، ہر مرتبہ یہ عرض کیا کہ دنیا میں کونسی دعا کروں ہر مرتبہ انہیں ایک ہی مخصوص دعا بتائی گئی (سیرت الاولیاء، حوالہ مذکور ص ۶۶)۔

حکیم ترمذی جیسوں پر ہی موقوف نہیں، راسخ العقیدہ علماء ظاہر کے دامن بھی خوابوں کی کرشمہ سازیوں سے خالی نہیں۔ وہ بھی ایسی ہی خام خیالی کا شکار رہے کہ میرے ہاتھ میں جو قلم ہے وہ دراصل رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے۔ شاہ ولی اللہ کے مؤیدین اس خیال کی تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کا قلم مبارک ہے، جو گویا ان کی اسناد کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز کا کہنا ہے کہ سفر حجاز سے واپسی کے بعد والد ماجد کی نسبت باطنی اور علم وتقریر کی کیفیت کچھ اور ہی ہو گئی تھی اور یہ سب کچھ دراصل اس خواب کا نتیجہ تھا جو آپ نے حرمین میں دیکھا تھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مکان میں امام حسنؓ اور حسینؓ تشریف لائے ہیں، حسنؓ کے ہاتھ میں ایک قلم ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے، یہ قلم یہ کہتے

ہوئے شاہ صاحب کو عطا کرنا چاہا کہ یہ ہمارے جد امجد رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے، لیکن پھر یہ کہہ کر ہاتھ روک لیا کہ ذرا ٹھہرو کہ حسینؓ اسے درست کر دیں۔ حسینؓ نے اس قلم کو درست کر کے اسے شاہ صاحب کے حوالے کر دیا۔

اس خواب کی بنیاد پر شاہ صاحب کے بہت سے مرید اس بات کا پروپیگنڈا کرتے رہے ہیں۔ یہ اس قلم کا کرشمہ ہے کہ آپ کے اسلوب تحریر میں جوامع الکلم کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اس قسم کے خوابوں کے بیان سے شاید یہ تاثر دینا مقصود ہو کہ شاہ صاحب کی تحریریں ان کے عہد میں دراصل کار نبوی کا فریضہ انجام دے رہی ہیں (ملاحظہ ہو مختصر سوانح حیات شاہ ولی اللہ، از عبید اللہ سلبی بہ ترجمہ ہمعات بنام تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ حوالہ مذکور، ص ۴۴)۔

اس راہ کے مسافر صرف شاہ ولی اللہ صاحب ہی نہیں ہیں بلکہ اور بھی بہت ان کے ہم سفر ہیں۔ مثلاً:- اس قسم کی ایک دلچسپ مثال پروفیسر طاہر القادری کی ہے، جن کا مشن راست نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی میں جاری بتایا جاتا ہے۔ بقول طاہر القادری "مجھے رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی اور فرمایا کہ تم اللہ کے دین کی سربلندی، میری سنت کی خدمت اور میری امت کی نصرت کا کام کرو۔ میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں"۔ یہ بات ادارہ منہاج القرآن کے سرپرست اعلیٰ پروفیسر طاہر القادری نے قومی ڈائجسٹ کو دئے گئے انٹرویو میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نااہل اور ناتواں انسان ہوں اور خطاکار ہوں اور اس لائق نہیں کہ یہ کام کر سکوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم شروع کرو، اللہ تمہیں توفیق اور وسائل دے گا۔ منہاج القرآن کا ادارہ بناؤ۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ لاہور میں تمہارے ادارے میں آؤں گا۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے والد کو رسول اکرم ﷺ نے میری صورت میں بیٹے کی بشارت دی اور بارہ سال بعد رسول اللہ ﷺ نے میرے والد سے کہا کہ طاہر اب سن شعور کو پہنچ چکا ہے، اپنا وعدہ پورا کرو۔ (بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور، مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۸۶ء)۔

اس طرح کے بے شمار خواب ہیں جن سے ان لوگوں نے عوام کو اپنے دام میں پھنسا کر قرآن سے دور کر دیا اور آج تک قوم ان بھول بھولیوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ ولی کے تصور نے بھی قوم میں بہت بگاڑ پیدا کر دیا۔ دسیوں قسم کی نئی نئی نمازیں، روزے ایجاد کئے گئے۔ اور ایسے ایسے اذکار وجود میں آئے، جن کے زور پر ملاء اعلیٰ کی سیر صوفیوں اور ولیوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا۔ بہت سے روحانیوں نے معراج جیسی کیفیت

پر مشتمل عالم ارواح کا اپنا سفرنامہ بھی لکھ ڈالا۔

ان تمام چیزوں سے یہ احساس پیدا ہوتا رہا کہ روحانیوں کی یہ تمام جدوجہد دین اسلام کی توسیع واشاعت اور بندوں کو عبودیت کا فن سکھانے پر صرف ہو رہی ہے اس لئے مذہبیت یا روحانیت کے لبادے میں انحراف فکر وعمل کا اس سختی سے نوٹس نہ لیا جا سکا جیسا کہ اس سے پہلے دوسرے منحرفین کے ساتھ ہوتا رہا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک دوسرے کو حق سے بھٹکا ہوا بتاتے رہے۔ مگر یہ زبانی روک ٹوک کچھ زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی، البتہ اہل تصوف پر اعتراض کے باوجود ان کو غزالی کی غیر معمولی حمایت مل جانے سے ان کے اس دین میں گویا جان سی پڑ گئی۔

تصوف جسے عبدالقادر جیلانی اور ابن عربی کی زبردست کوششوں کے نتیجے میں ایک مقبول عام مذہب کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، بنیادی طور پر اسلام میں ایک اجنبی اور درآمد کردہ تصور حیات تھا اور اس نے اسلام کے درمیان پرورش پائی تھی۔ لہٰذا اس کو مسلم روحانی تہذیب کے اہم وثیقہ کی حیثیت حاصل تھی۔

گاہے بگاہے یہ یقین دلاتا تھا کہ ان بزرگوں نے جو دین پیش کیا ہے وہ دراصل اسلام کی ہی ایک بہتر تعبیر ہے۔ البتہ حقیقت میں صورت حال یکسر مختلف تھی۔ تصوف کے نام پر انہوں نے جو دین پیش کیا تھا اس میں قرآن کا دین یکسر بدل گیا تھا، بلکہ توحید کی جگہ پر شرک نے اپنا شکنجہ مضبوط کر لیا، اور تماشہ یہ کہ یہ سب مذہب اور روح عبودیت کے نام پر ہوتا رہا۔ قرآن مجید پر صوفیوں کا عائد کردہ حجاب کتنا دبیز اور ہمہ گیر تھا، اس کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ دین تصوف کے بنیادی عقائد اور ان کے تکوینی نظام کا بھی ادراک کر لیں۔

صوفیوں کے یہاں توحید باری تعالیٰ ایک ناقابل بیان خیال ہے۔ انسانی زبان وبیان میں یہ قوت نہیں کہ وہ ذات باری کی توحید کا حق ادا کر سکے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اللہ نے خود اپنی کتاب میں توحید بیان کر دی ہے۔ جتنی توحید کی تعریف کی انسانوں کو ضرورت تھی اور بس۔ تو انسان کو اس کی تلاش میں اندھیری وادیوں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ سورۃ اخلاص میں کیا بتایا ہے؟ اور اسی طرح کی دوسری آیات میں اللہ نے توحید کو بتایا ہے۔

پھر اس میں گمراہ کن بیان کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے؟ مگر صوفیوں کی دنیا کچھ اور تاثر دیتی ہے۔ مثلاً کسی نے شبلی سے پوچھا توحید کیا ہے؟ تو ان کا جواب تھا کہ اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں کہ جو شخص

توحید کو الفاظ میں بیان کرے وہ ملحد ہے، اور جو اس کی طرف اشارہ کر کے کہے تو وہ ثنوی یعنی دو خداؤں کا قائل ہے، اور جو خاموش رہے وہ اس سے بے خبر ہے، اور جو یہ سمجھے کہ وہ واصل ہو چکا اسے دراصل کچھ حاصل نہیں ہوا، اور جو اس طرف اشارہ کرے، وہ بت پرست ہے، اور جو اس کے متعلق گفتگو کرے، وہ غافل ہے، جو یہ سمجھے کہ وہ اس سے قریب ہے تو وہ درحقیقت اس سے دور ہے، اور جو یہ سمجھے کہ اس نے پا لیا تو دراصل اس نے اسے گمراہ کر دیا (کتاب اللمع۔ ص ۶۶)۔

گویا شبلی کے نزدیک بندے کے لئے توحید کا تصور ممکن نہیں کہ وہ جو کچھ توحید کے نام پر متصور کریگا وہ دراصل اس کی اپنی بنائی ہوئی چیز ہوگی اور باطل ہوگی حقیقت کچھ اور ہوگی۔ عقیدہ توحید کی گہری معنویت کی تلاش میں صوفیاء ان کلامی بحثوں کے اسیر ہو گئے، جنہوں نے بالآخر ذات باری تعالیٰ کی توحید کو وحدۃ الوجود کے پیچیدہ مباحث میں گم کر دیا۔ اس راہ کے مسافر بھی بہت ہیں جیسے حلاج علاء الدین سمنائی، ان کا عقیدہ وحدۃ الشہود کا ہے مزید رومی، بسطامی۔ ابن عربی وغیرہ ہیں۔

شاہ صاحب گو کہ وحدۃ الوجود کے قائل نہیں، لیکن دوسری اصطلاحوں میں تقریباً اسی تصور کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کثرت سے نوافل ادا کرتا ہے تو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ملائکہ کے توسط سے اس شخص کی روح میں داخل ہوتا ہے، اس طرح کا تمام تر قیام وانحصار اس نور پر ہو جاتا ہے، یعنی حق سبحانہ کا یہ نور اس شخص کی روح کے لئے قیوم بن جاتا ہے (ہمعات، اردو ترجمہ، حوالہ مذکور ص ۱۳۴)۔

وحدۃ الوجود کا یہ سارا قصہ قرآنی تصور سے توحید کی صریح نفی پر دلالت کرتا ہے۔ ایسی صورت میں بعض کبار علماء نے بظاہر تو ابن عربی وغیرہ سے اپنی دوری بنائے رکھی البتہ وہ ان کے ملحدانہ خیالات پر تنقید کی جرأت نہ کر سکے۔ مثال کے طور پر شاہ ولی اللہ جو وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے معروف ہیں، اپنی صوفیانہ تحریروں میں غالی وجودی نظر آتے ہیں۔ انفاس العارفین میں وہ اپنے چچا کے روحانی تجربے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے چچا اپنے اسماء وصفات کی طرف متوجہ ہوئے، تو انہیں ۹۹ ناموں سے بھی زیادہ نظر آئے۔ پھر جب انہوں نے مزید تجسس کیا تو اسماء وصفات کی کوئی شمار ہی نہ رہی۔ پھر ایک مقام وہ بھی آیا جب بقول شاہ صاحب، انہوں نے دیکھا کہ وہ کائنات کو پیدا کر رہے ہیں اور مار بھی رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ارباب ولایت کبریٰ پر ایسی حالتیں اکثر گزرتی ہیں (انفاس الآرفین، بحوالہ، تصوف کی

حقیقت،ص۱۳۵)۔

شاہ صاحب نے اپنے والد کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ایک جماعت جو ذات باری کے دیدار کے لئے جارہی تھی،اس میں وہ بھی شامل ہو گئے ۔جب نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے انہیں اپنا امام بنالیا۔نماز کے پوری ہونے کے بعد ان کے والد نے لوگوں سے پوچھا کہ اس قدر سعی وکاوش کس کی تلاش میں دکھارہے ہو؟ کہنے لگے کہ حق تعالیٰ کی طلب میں ۔شاہ صاحب کا بیان ہے کہ ان کے والد نے کہا کہ "میں وہی تو ہوں جس کی تلاش میں تم نکلے ہو" ۔والد کا بیان ہے کہ وہ ایک دم اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کرنے لگے (ایضاص۹۴)۔

اس قسم کے بیان سے اس بات کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ منحرف وجودی تصور توحید نے صلحاءو مفکرین کے دل ودماغ پر کسی حد تک کمندیں ڈال رکھی ہیں ۔محمدﷺ کے بارے میں بھی صوفیاء کے یہاں عجیب وغریب عقیدہ ملتا ہے ۔یعنی جب اللہ نے اپنے کو ظاہر کرنا چاہا تو اس کی پہلی شکل حقیقت محمدی کی شکل میں ظاہر ہوئی اور پھر مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہوئے آخر میں محمدﷺ کی شکل میں ظاہر ہو گئی۔قرآن کی اس آیت (لا نفرق بین احد من رسلہ) سے صوفیاء نے عقیدہ بنایا کہ آدمؑ سے محمدؐ تک اسی نور کی جلوہ نمائی ہوتی رہی ۔کہا گیا کہ سب سے پہلے ذات باری نے پہلا تنزل یا تجلی مقام محمدیہ میں کیا اور چونکہ مقام محمدیہ مبداءاوّل کے تنزل کی پہلی منزل ہے اس لئے رسول اللہؐ کے معراج کو خاص روحانی اتصال کا حامل بتایا گیا ۔قرآن میں مذکور قاب قوسین کے بیان کو صوفیاء نے احدیت اور واحدیت کا وہ مقام اتصال بتایا، جہاں ان دو قوسوں میں اتصال پیدا ہوتا ہے ۔کہا گیا کہ "یہ غایت ہے محمدﷺ کے معراج وشہود وجدان کی ،قبل فنا فی اللہ کے،تمیز کے دور ہوتے ہی قوسین بواسطہ سطوت تجلی ذات متحد ہو گئیں اور حصول فنا فی اللہ ہو گیا ۔(شاہ سید محمود سرّ دلبراں، کراچی ۱۴۰۵ھ،ص ۴۰-۳۴۹)۔

گویا متصوفین کے نزدیک حقیقت محمدیہ ذات باری کے تنزل کی پہلی منزل ہے۔پھر اسی ذات وراء الوراء نے حقیقت آدمؑ میں دوبارہ اجمال عطا کیا اور "اس مرتبہ جامعیت میں آکر وجود نے اپنی تنزلات کے غایت کو پالیا۔(ایضاً ۳۶۷)۔

حقیقت محمدیہ ﷺ ہی چونکہ روح کائنات ہے اور یہی وہ چیز ہے جو بقول صوفیاء آدمؑ میں پھونکی گئی۔اس لئے صوفیاء کے نزدیک انسان عالم صغیر ہے اور کائنات عالم کبیر۔گویا حقیقت محمدیہ ﷺ بنیاد ہے

انسانیہ کی ۔انہیں خیالات کے تحت صوفیاء نے یہاں تک کہا کہ:-

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

گویا اللہ اور محمدؐ ایک ہی ہیں اور جب محمدؐ اللہ ایک ہیں اور جس نور سے محمدؐ کو پیدا کیا وہی نور آدمؑ میں تھا،تو دوسرے الفاظ میں یہ کہا ہے کہ آدمؑ کی ہر اولاد اسی نور سے پیدا ہے اس لئے اولاد کی حقیقت بھی محمدﷺ جیسی ہے،اسی عقیدے کی بنیاد پر صوفیاء نے وقتاً فوقتاً تاریخ کے مختلف ادوار میں ربوبیت یا الوہیت کا جو دعویٰ کیا ہے،اسے حقیقت محمدیہﷺ کی روشنی میں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے ۔اس عقیدے کو پختہ کرنے کے لئے محمدﷺ سے قول بھی منسوب کئے ۔

کہا جاتا ہے ایک بار محمدﷺ نے جبرائیل سے یہ پوچھا کہ تم یہ پیغامات کہاں سے لاتے ہو،کیا تم نے کبھی خدا کو بنفس نفیس گفتگو کرتے ہوئے دیکھا ہے؟اس روایت کے مطابق جبرائیل نے کہا کہ خدا تو ہمیشہ پردے کے پیچھے سے بات کرتا ہے ۔میری کیا مجال کہ میں ذات باری پر نظر کرسکوں ۔محمدﷺ نے کہا کہ جاؤ! اُس پردے کو اٹھا کر دیکھو۔کہتے ہیں کہ محمدﷺ نے جب یہ بات کہی تھی اس وقت وہ اپنا امامہ باندھ رہے تھے، جبرائیل نے عرش بریں پر جب پردا اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہاں پردے کے پیچھے کوئی اور نہیں، بلکہ محمدؐ ہی امامہ کا بقیہ حصہ باندھ رہے ہیں ۔ (D.Pinto Piri Muridi Relationship,New Delhi 1995،ص ۸۷۔۸۶)۔

اس قبیل کے قصے بھی عام ہیں کہ معراج میں محمدﷺ نے جب ذات باری سے لقاء کے لئے پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ وہاں کوئی اور نہیں خود آپ کی ذات موجود ہے۔اس طرح لکھنے سے اللہ اور محمدﷺ کو صوفیا نے کیا مقام دیا ہے اس پر غور ضروری ہے۔

شاہ ولی اللہ تو اس خیال کے حامل ہیں کہ اہل اصطلاح ،جن کی ملکی قوت شدید تر ہے ان کے لئے بھی ممکن ہے کہ وہ علوم نبوت سے سرفراز ہوں،ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کو دیکھیں،عبادات کے اسرار کا انہیں علم ہو اور انہیں یہ بھی پتہ ہو کہ آنے والی زندگی میں کیا کچھ پیش آئے گا۔اور چونکہ شاہ صاحب بھی خود اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے انکے یہاں بھی عالم غیب کے اسرار سے واقفیت اور اس کا اظہار ایک معمول کی زندگی ہے(ہمعات (اردو ترجمہ) حوالہ مزکور،ص ۲۲۹)۔

ہمعات میں انبیاء کے معراج کی طرح شاہ صاحب نے عالم ارواح کے سفر کا جو حال لکھا ہے وہ ولایت سے بہت آگے کی چیز ہے۔ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے عالم ارواح میں اہل بیت کی روحوں کو دیکھا۔ جنہیں بقول ان کے حظیرۃ القدس میں بڑی منزلت حاصل ہے ۔بقول ان کے بعض بزرگوں کو نسبت احسان حاصل ہے تو بعض کو نسبت عشق ووجد اور بعض کو نسبت تجرد سے سرفراز کیا گیا ہے ۔بعض نسبت یادداشت، نسبت سکینہ یا نسبت اویسی پر مامور کئے گئے ہیں ۔رہے غوث اعظم تو ان کے بارے میں شاہ صاحب کا انکشاف ہے کہ انہیں نسبت اویسی حاصل ہے۔

صوفیاء نے ایسی ایسی نمازیں ایجاد کیں جن کے بارے میں صدر اول میں کوئی موہوم اشارہ بھی نہیں ملتا۔مثلاً البونی نے رسول اللہﷺ اور صحابہ کرام کی ارواح سے ملاقات کے لئے صلوٰۃ الارواح،مشکلوں سے نجات کے لئے صلوٰۃ الصلوت،ایمان پر ثابت قدمی کے لئے صلوٰۃ الایمان ، صلوٰۃ البروج،صلوٰۃ السعادت،صلوٰۃ العاشقین،صلوٰۃ القربت کے نام سے مختلف نمازیں تیار کر دیں ۔جن کو قوم پڑھ رہی ہے۔

(البونی ۳۰۔۴۲۹ ۔امیر خورد، سیرت الاولیا(اردو ترجمہ) حوالہ مزکور،ص ۵۸۳ ۔ایضاص ۵۸۷ سے ۵۹۰ اور ۵۹۲)۔

صوفیاء کے یہاں حج کے بجائے اکابر صوفیاء کی قبروں کا طواف یا ان کی زیارت اگر زیادہ اثر انگیز بتائی گئی تو اس کے پیچھے دراصل ارواح کے سلسلے میں وہی تصور کام کر رہا تھا جو ارواح کو بقول شاہ ولی اللہ چار پانچ سالوں کے بعد مخصوص تصورات کا حامل سمجھتا ہے ۔صوفیاء نے اپنے مریدوں کو حج کے بجائے زیارت قبور کی ترغیب دی اور کہا کہ مخصوص بزرگوں کی قبروں کا سات بار طواف 'حج' کے مقصد کو پورا کر دیتا ہے (عبدالرحمن جامی نفحات الانس ،کانپور (۱۸۹۳ء ص ص ۱۸۱-۱۸۲)۔

صوفیاء کو اسلامی رسوم وعبادت کی ضرورت اس لئے نہ ہوئی کہ بقول خواجہ معین الدین والحق ، حاجی جسم کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے، جب کہ عارف دل کے ساتھ عرش اور حجاب عظمت کے گرد طواف کرتا ہے (سیرت الاولیاء حوالہ مذکور ص ۱۲۷) ۔انہوں نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے یہاں تک دعویٰ کیا کہ پہلے ایک مدت تک میں خانہ کعبہ کا طواف کرتا تھا،لیکن اب میرے گرد خانہ کعبہ طواف کرتا ہے (ایضا)۔

ایسے بگڑے ماحول میں اس بات کی گنجائش کم ہی ہوتی ہے کہ کوئی شخص اپنے نفسیاتی خلل سے باہر

آکر مخالفین کے اعتراضات کا جائزہ لے سکے ۔اس کے برعکس روحانیت کا یہ خمار اور الہامات وانکشافات کے نفسیاتی وساوس اہل خیر کو بے جا فخر ومباداۃ میں مبتلا کر دیتے ہیں،اور وہ اپنے اکتشافات کے سامنے وحی ربانی کی بھی چنداں اہمیت نہیں سمجھتا۔کہا جاتا ہے کہ جب ایک شخص نے دوضربی لفظ اللہ اللہ پر یہ اعتراض وارد کیا کہ اس کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ،اور بعض نحویوں کے نزدیک یہ نحوی قوائد کی رو سے بھی درست نہیں،تو شیخ الحدیث ذکریا نے نہ صرف یہ کہ ذکر دوضربی کو نحوی قواعد کے بالکل موافق قرار دیا، بلکہ فرمایا کہ یہ ذکر اس ناپاک کے نزدیک "اوفق بالفاظ القرآن ہے" (ملاحظہ ہو مکتوبات تصوف سہارن پور، ج ا،ص ۷۷)۔

جو ماحول قرآن سے دوری کا مسلم معاشرے میں پیدا ہو گیا تھا اور کوئی قرآن کی بات سننے کو تیار نہ تھا،اس کو دیکھ کر اقبالؒ جیسا صاحب فکر بھی 'میرے مولا مجھے صاحب جنون کر' کی دعائیں مانگنے لگے۔عقل پر عشق کی فتح مسلم فکر میں ایک بنیادی تبدیلی کی نقیب تھی ۔جس نے مسلم ذہن تسخیر کائنات کے بجائے ترک علائق کی راہ پر لگا دیا۔لیکن فکری بحران کے اس دور میں جب مسلم فکر ایک وقتی احیاء کی طالب تھی، کسی دوسرے متبادل غیاب کی وجہ سے غزالی کے پیش کردہ اسلام کو قبول عام ملتا گیا۔ جب کہ غزالی کی کتابوں کو عالم اسلام میں جلایا گیا تھا۔غزالی جو عالم اسلام کو فکری بحران سے نجات دینے کے لئے سامنے آئے تھے اور جنہوں نے فلسفے کو شکست دینے میں غیر معمولی جرأت کا مظاہرہ کیا تھا،اور جن کی مخلصانہ تلاش حق سے یہ امید پیدا ہو چلی تھی کہ شاید اب مسلم فکر اپنے اصل ماخذ تک لوٹ جائے ،افسوس کہ وہ مسلم ذہن کو علمائے فقہ کے حجابات سے نکال کر اہل خیر کے التباسات فکری کے سپرد کر گئے ۔تب سے اب تک احیاء العلوم سے نکلنے کی تمام تر کوششیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا توسیعہ بن کر رہ گئی ہوں ۔

اب وحی ربانی پر صرف تاریخ کے حجابات کو ہی چاک کرنا نہیں ہے بلکہ روحانیوں کے الہامات واکتشافات کی حیثیت کو بے نقاب کرنا بھی ایک بڑا چیلنج ہے۔جس کے بغیر مسلم فکر کا اس ہزار سالہ بحران سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں ۔ وہ حجابات جن کا سلسلہ محدثین سے شروع ہوا اور اس میں مفسرین،مترجمین،اہل فقہ،اہل الرائے ،قیاس ،اجماع کے شیدائی صوفیاء،شامل ہوتے چلے گئے اور انہوں نے اسلام کو اس مقام پر لا کھڑا کیا،جس کو اگر قرآن میں تلاش کیا جائے تو شاید ہی ملے ۔اس لئے ان حجابات کو توڑنا بہت ضروری ہے۔

اس بنیادی کام کے بغیر احیاء کی تمام کوشش دین کو محض ضابطہ اخلاق میں محصور کرنے کے مترادف ہوگی اور یہی ہوا ۔نتیجہ یہ ہوا کہ وحی کے گرد جس طرح اہل یہود نے تلمود کا حصار کھینچا تھا،تقریباً اسی طرح ہم

مسلمانوں نے بھی اسے تاریخ اور فقہ کا قیدی بنا دیا۔ اب مرض کا علاج صرف قرآن ہے، اگر قرآن کو بغور دیکھا جائے تو سب مسائل حل ہو جائیں گے لیکن قرآن پر آنے کے لئے اس کے علاوہ سابق میں تیار کردہ ہر ماخذ کی حقیقت کو دیکھنا پڑے گا، کیا وہ قرآن پر قاضی تو نہیں ہے؟ یقیناً وہ قرآن پر قاضی ہوگا۔ اس لئے پہلے اس قاضی کو معطل کرنا پڑے گا، تب کہیں قرآن ہمارے ہاتھ آئے گا۔

سکندر احمد کمال

نگلہ پٹواری، بدولی روڈ، علیگڑھ

9319593020

(۳)

سنت کیا ہے؟

سبحان ربک ربی العزة عما یصفون . وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العلمین .

نوٹ: -اس مضمون اور پوری کتاب میں ترجمہ "منظّم مفہوم القرآن اردو ہندی" سے لیا گیا ہے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۱۳۹: -تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مومن ہو۔

مومن کب ہوتا ہے؟ ملاحظہ ہو: -

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۵۴: -تم اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو، اور اس کی حکم برداری کئے جاؤ۔ اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آ جائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۵۵: -اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اس سے قبل کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۵۵: -تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا، جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا، جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو، جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، مستحکم و پائیدار کرے گا، اور خوف

کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے گا، تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔ حکومت ملنے کے بعد کیا کرنا ہے؟ ملاحظہ ہو: -

سورۃ الحج (۲۲) آیت ۴۱: -یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں گے، تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ تمام کاموں کا اختیار اللہ کو ہے۔

اللہ نے حکومت کب دی؟ جب وہ نیک بنے۔ وہ پہلے نماز بھی پڑھتے تھے اور زکوٰۃ بھی دیتے تھے، تو پھر بعد میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ حکومت ملنے پر پورا نظام قرآن کے مطابق نافذ کریں گے۔ جب اقتدار مل جاتا ہے، تو انسان کا رخ بدل جاتا ہے اور وہ ظلم و زیادتی کرنے لگتا ہے۔ بہت کم انسان ثابت قدم رہتے ہیں۔ اس بارے میں قرآن سے کیا ظاہر ہو رہا ہے؟ ملاحظہ ہو: -

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۱۳: -تم سے پہلے کتنی امتیں گزر چکی ہیں۔ جب انہوں نے ظلم کی راہ اختیار کی تو ہم نے انہیں ہلاک کر ڈالا۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے۔ لیکن وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے۔ مجرموں کو ہم اس طرح ان کے جرائم کا بدلہ دیتے ہیں۔

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۱۴: -پھر ان کی ہلاکت کے بعد ہم نے تم کو ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔

سورۃ حٰم السجدہ (۴۱) آیت ۳۰: -جن لوگوں نے اقرار کیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے، پھر اپنے اقرار پر ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے نازل ہوں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

سورۃ حٰم السجدہ (۴۱) آیت ۳۱: -ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے مددگار تھے اور آخرت میں بھی۔ وہاں جس نعمت کا تمہارا جی چاہے گا وہ تمہارے لئے موجود ہوگی اور جو چیز تم طلب کرو گے وہ تمہارے لئے پیش کی جائے گی۔

مزید بات کرنے سے پہلے نبی کی سنت پر غور ضروری ہے۔ وہ کیا ہے؟ سنت کا مطلب ہے، عادت، طریقہ، اخلاق، اور عمل وغیرہ۔ تو نبی کی سنت کیا ہے؟ آیات پیش ہیں: -

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۳۱: -اے رسول کہہ دو! اگر تم اللہ سے یعنی اللہ کے قانون سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو (چونکہ میں قرآن کی پیروی کرتا ہوں اس لئے میری پیروی قرآن کی پیروی ہے) اس طرح

اللہ تم پر شفقت، رحمت نازل کرے گا اور تمہاری خطائیں معاف کر دے گا، کیونکہ اللہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۵۹: -مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو رسول کے ذریعہ، اور رسول کی اطاعت کرو (جیسا اللہ نے حکم دیا ہے)، اور جو تم میں صاحب امر ہوں ان کی بھی، اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف ہو جائے، تو اس کو واپس کر دو اللہ اور رسول کی طرف، اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہت اچھا ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے (کہ خانہ جنگی سے بچ جاؤ گے)۔ یہ ہے اچھا انجام۔

آیت میں حکم ہے کہ اگر کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف واپس کر دو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقدمہ اختلاف، عدالت میں لے جایا جاتا ہے، تو اللہ اور رسول کی عدالت کہاں پر ہے؟ جہاں اللہ اور رسول فیصلہ کرتے ہوں۔ اس لئے ہم کو تلاش کرنا پڑے گا کہ یہ عدالت کہاں ہے؟ اللہ کی عدالت تو ظاہر ہے کہ ہر آدمی کی زبان پر ہے کہ وہ قرآن ہے۔ تو رسول کی عدالت بھی ہوگی۔ اگر ہاں، تو یہ دو عدالتیں ہو گئیں، اور دو کا ماننے والا کیا ہے؟

ہر آدمی جانتا ہے۔ اس لئے اللہ اور رسول کی عدالتیں مختلف نہیں ہوں گی۔ تنازع کی صورت میں قرآن کی طرف رجوع کیا جائے گا، کیونکہ قرآن میں مسائل کا حل درج ہے۔ سوال باقی رہتا ہے رسول کی عدالت کہاں ہے؟ آیات پیش ہیں: -

سورۃ مومن (۴۰) آیت ۴۹: -اور جو لوگ آگ میں جل رہے ہوں گے وہ دوزخ کے داروغاؤں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے دعاء کرو کہ ایک روز تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے۔

سورۃ مومن (۴۰) آیت ۵۰: -وہ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کہ کیوں نہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ تم ہی دعاء کرو۔ اور کافروں کی دعا اس روز بے کار ہوگی۔

سورۃ حٰم السجدہ (۴۱) آیت ۲۰: -یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچ جائیں گے، تو ان کے کان اور آنکھیں اور چمڑے (یعنی ان کے دوسرے اعضاء) ان کے خلاف گواہی دیں گے ان کے اعمال کی، جو وہ کرتے تھے۔

سورۃ حٰم السجدہ () آیت ۲۱: -وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے گویائی دی، جس نے ہر شئے کو گویائی دی ہے۔ اور اسی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ (ایسے ہی قرآن بھی اللہ سے شکایت کرے گا کہ اللہ! قوم نے

مجھے مہجور بنا رکھا تھا۔

سورۃ فرقان (۲۵) آیت ۳۰: -اور رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار! بے شک قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

سورۃ حٰم السجدہ (۴۱) آیت ۲۲: -تم گناہ کرتے وقت جب چھپتے تھے، تو تمہیں یہ گمان نہ ہوتا تھا کہ (قیامت کے روز) تمہارے کان تمہاری آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گی۔ بلکہ تم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو خبر ہی نہ ہوگی۔

سورۃ الزخرف (۴۳) آیت ۴۵: -(اے محمد!) ہم نے تم سے پہلے جتنے بشر رسول بھیجے تھے (وہ تو زندہ نہیں ہیں) مگر ان کے ساتھ جو کتابیں ارسال کی تھیں، ان سے معلوم کر لو یعنی پڑھ کر دیکھ لو کیا ہم نے اپنے علاوہ کوئی اور رحمان مقرر کیا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ (۱۰:۹۴)

مندرجہ بالا آیت کا رائج الوقت ترجمہ یہ ہے کہ "اے محمد! تم سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے تھے، ان سب سے پوچھ کر دیکھو، کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا کچھ دوسرے معبود مقرر کئے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے۔ اگر اس ترجمہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو مندرجہ ذیل بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی: -

(۱) کیا محمد ﷺ سے پہلے سب نبی زندہ تھے، جو ان سے محمد ﷺ معلوم کرتے؟

(۲) کیا ہم نے رحمان کے سوا اور معبود مقرر کئے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے۔ گویا "ہم" نے ہمارے لئے ایک رحمٰن معبود مقرر کر دیا ہے کہ اس کی عبادت کریں اور کی نہیں تو "ہم" "خالق" ہوا، اور رحمٰن اس کی تخلیق، گویا ہم مخلوق کی عبادت کر رہے ہیں (نعوذ)۔

لیکن حقیقت یہ نہیں ہے حقیقت وہ ہے جو اوپر لکھی ہے، یعنی اللہ کی کتابیں، جو رسولوں کے ساتھ ارسال کی گئیں تھیں، وہ بھی رسول ہیں، جبھی تو ان سے معلوم کرنے کو کہا ہے۔ اسی طرح قرآن بھی رسول ہے۔ قرآن کو ارسال کیا گیا ہے، اور ارسال کیا ہوا رسول ہوتا ہے۔ جو کہ سورۃ فرقان کی آیت ۳۰ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ "رسول شکایت کرے گا"۔ تو کیا محمد بحیثیت رسول قیامت تک زندہ ہیں اور سب کے اعمال کو دیکھ کر شکایت کریں گے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ بلکہ محمد کا انتقال ہو چکا اور شکایت قرآن کرے گا۔ سورۃ مومن کی آیت ۵۰ اور سورۃ حٰم السجدہ کی آیات ۲۰-۲۱-۲۲ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کتابیں جو اللہ نے ارسال کی ہیں، وہ بھی رسول ہیں۔ کیوں کہ فرشتے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے؟ تو اس سوال سے

ظاہر ہو رہا ہے کہ ہر آدمی کے سامنے قیامت تک رسول ہو، مگر یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ آخری رسول محمدؐ ہیں، دین ان پر مکمل ہو گیا۔ اس لئے فرشتوں کے سوال کے مطابق، جو رسول کے بارے میں ہے، سے اللہ کی کتاب ہی رسول ثابت ہوتی ہے، جو ہر مسلمان کے گھر میں رکھی ہے، اور جو قیامت تک محفوظ رہے گی۔ مگر اس کو ہم نے مجبور بنا رکھا ہے۔ اگر ہم کتاب کی جگہ محمدؐ کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر ہر آدمی کے سامنے قیامت تک محمدؐ کو زندہ ماننا پڑے گا کہ محمدؐ ہر آدمی کے اعمال دیکھ کر شکایت کریں گے، مگر یہ ناممکن ہے۔ محمدؐ کا انتقال ہو گیا اب قرآن رسول ہے۔ قرآن کی آیت ملاحظہ ہو:-

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۳:- آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں، تو ان سے مت ڈرو۔ اور مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین غالب کامل کر دیا، اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

اس لئے محمد ﷺ کے بعد کوئی بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ اور فرشتوں کے سوال میں یہ ہے کہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آیا تھا؟ تو ثابت ہوا کہ اللہ کی کتابیں رسول ہیں۔ اور اب قیامت تک ہر انسان کے لئے محمد ﷺ بشر رسول پر نازل شدہ کتاب ''قرآن'' ہی رسول ہے۔ اور محمد ﷺ نے بھی اسی کتاب پر عمل کیا تھا، جو ان کی سنت ہے۔ اس لئے ہمارے لئے اس وقت دو رسول ہیں ایک محمد ﷺ ان کا تو انتقال ہو گیا، مگر ان کی سنت جو قرآن ہے وہ موجود ہے۔ اور محمد ﷺ نے اس پر عمل کیا، اور بتایا۔ تو ہم پر لازم ہے کہ محمد ﷺ کی سنت پر عمل کریں۔ اور وہ ہے ''قرآن''۔ ویسے ہمارے لئے ہر ارسال کیا ہوا رسول قابل احترام ہے۔ شروع سے آخر تک سب رسولوں پر ہمارا ایمان ہے۔

نبی کی پیروی، یعنی نبی کی سنت کی پیروی کیوں کریں؟ جس کی پیروی کے لئے اللہ نے متعدد آیات میں امت کو احکام دئے ہیں، اور یہ احکام ظاہر کرتے ہیں کہ نبی کی اتباع ہی میں دین و دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ نبی کا عمل ''قولی'' اور ''فعلی'' کیا تھا؟ جس کی اتباع کا حکم ہے۔ اتباع نہ کرنے کی صورت میں دین سے ہی خارج بتایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

سورۃ الاعراف (۷) آیت ۳:- لوگو! جو کتاب تمہارے لئے تمہارے رب کے یہاں سے نازل ہوئی ہے، اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو، مگر تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۱۵:- کہیں گے 'تم اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ'۔ کہہ دینا کہ مجھ کو اختیار

نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو اس حکم کا پابند ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے (ان اتبع الا ما یو حی الیّ) اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ مجھ پر عذاب کا بہت بڑا دن نہ آ جائے۔

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۹۴:- اگر لوگوں کو اس کتاب میں کوئی شک ہو جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے، تو وہ لوگ ان لوگوں سے دریافت کر لیں، جو ان کتابوں کو پڑھتے ہیں، جو تم سے پہلے نازل ہوئیں۔ اور یقین کرو کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ پہنچا ہے تو تمہارے ساتھی ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۴۱:- ہم نے انسانوں کی ہدایت کے لئے یہ کتاب سچائی کے ساتھ نازل کی ہے، تو جو کوئی ہدایت حاصل کرے گا، اس کا فائدہ اس کو ہوگا۔ اور جو کوئی (اس کتاب کو چھوڑ کر) گمراہ ہوگا تو اسکی گمراہی کا وبال اسی پر ہوگا۔ تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔

سورۃ الاحقاف (؟) آیت ۹:- کہہ دو کہ میں کوئی نیا رسول نہیں آیا، اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا؟ میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے، اور میرا کام تو کھلا ڈرانا ہے۔

سورۃ الانعام (۶) آیت ۵۰:- کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس حکم پر چلتا ہوں، جو مجھ پر اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ کہہ دو بھلا اندھا اور آنکھ والا برابر ہوتا ہے؟ تو پھر غور نہیں کرتے؟

سورۃ الاعراف (۷) آیت ۲۰۳:- اور جب تم ان کے پاس کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے کیوں نہیں بنالی۔ کہہ دو میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں، جو میرے رب کی طرف سے میرے پاس آتا ہے، یعنی قرآن۔ اور یہ قرآن تمہارے رب کی جانب سے دانش و بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے۔ اس قوم کے لئے جو مومن ہے۔

نبی کی سنت اور کیا ہے؟ وہ یہ کہ جو نازل ہوا اس کو پورا کا پورا پہنچا دینا۔

سورۃ یٰسین (۳۶) آیت ۱۷:- اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

یہ ہے نبی کا کام، اور یہ رہا محمد ﷺ کے لئے حکم۔ محمد ﷺ پر کیا نازل ہوا وہ بھی قرآن سے جانیں:-

سورۃ الانعام (۶) آیت ۱۹:- پوچھو! کونسی چیز بڑی یعنی اہم ہے، شہادت کے لحاظ سے؟ کہہ دو کہ اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان، اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے (ھٰذا القرآن)، تا کہ اس کے ذریعہ میں تمہیں اور جس شخص تک یہ پہنچ سکے آگاہ کر دوں۔ کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ کہہ دو کہ میں تو شہادت نہیں دیتا، کہہ دو کہ صرف وہی ایک معبود ہے، اور جن کو تم شریک بناتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔

سورۃ یوسف (۱۲) آیت ۳:- (اے رسول) اس قرآن کے ذریعہ جسے ہم نے نازل کیا ہے تمہیں ایک بہترین قصہ سناتے ہیں (ھٰذا القرآن)، حالانکہ اس سے پہلے تم اس قصہ سے بے خبر تھے۔

لوگ کن کو شریک بناتے تھے یا بناتے ہیں؟ ملاحظہ ہو:-

سورۃ شوریٰ (۴۲) آیت ۲۱:- کیا ان لوگوں کے لئے اللہ کے علاوہ ایسے شریک ہیں، جو ان لوگوں کے لئے دین کے ایسے قوانین بناتے ہیں، جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے؟ اگر فیصلے کا وقت پہلے سے طے نہ کر دیا گیا ہوتا تو ان کے درمیان (کبھی کا) فیصلہ کر دیا گیا ہوتا۔ ان ظالموں کو یقیناً دردناک عذاب ہوگا۔

آج ہم غور کریں کہ کیا مختلف فقہ جو ہمارے لئے بنائے گئے ہیں، جن پر پوری قوم عمل کر رہی ہے، اور جن میں بہت اختلاف ہے کیا اس کی اجازت اللہ نے دی ہے؟ اور کیا یہ سنت رسولؐ ہے؟

مشرک کون ہے، یہ بھی دیکھا جائے:-

سورۃ روم (۳۰) آیت ۳۱:- اسی اللہ کے دین کی طرف دل سے متوجہ ہو جاؤ اور اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور ان مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ،

سورۃ روم (۳۰) آیت ۳۲:- جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ الگ بنا لیا ہے اور فرقوں میں بٹ گئے ہیں، ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں مگن ہے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۱۰۳:- اور ایمان والو! اللہ کی کتاب کو سب مل کر مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اور آپس میں اختلاف کر کے فرقے فرقے نہ ہو جانا، اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر کی گئی، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پھر تم اللہ کی مہربانی کے ساتھ بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمہیں آگ (یعنی باہمی جنگ و عداوت دنیا میں اور اسی جرم کی سزا میں دوزخ) سے آخرت میں بچا لیا۔ اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان

کرتا ہے، تا کہ تم ہدایت پاتے رہو۔

قرآن کی خلاف ورزی کرنے پر اللہ کا کیا حکم ہے؟ دیکھا جائے:-

سورۃ الحاقہ (۶۹) آیت ۴۳:- یہ قول پروردگار عالم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔

سورۃ الحاقہ (۶۹) آیت ۴۴:- اگر یہ (رسول) ہمارے بارے میں اپنی طرف کوئی بات گھڑ کر لاتے،

سورۃ الحاقہ (۶۹) آیت ۴۵:- تو ہم ان کو اپنے داہنے ہاتھ یعنی پوری قوت سے پکڑتے،

سورۃ الحاقہ (۶۹) آیت ۴۶:- پھر ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے، سورۃ الحاقہ () آیت ۴۷:- پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس کام سے روکنے والا نہ ہوتا۔

قرآن میں اور کیا احکام ہیں؟ دیکھیں:-

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۱:- اے ایمان والو! جو اقرار تم نے کسی سے کیا ہے اسے پورا کرو۔

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۴۹:- اور جو حکم اللہ نے نازل کیا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا، کہ کسی حکم سے، جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہے، وہ کہیں تم کو بہکا نہ دیں۔ اگر وہ منافق نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ کا قانون چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے اور اکثر نافرمان ہیں۔

اسی سورۃ کی آیت ۴۴ میں کہا گیا ہے کہ جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے حکم کے مطابق عمل نہ کرے تو ایسے لوگ کافر ہیں۔ آیت ۴۵ میں ہے کہ ایسے لوگ ظالم ہیں، آیت ۴۷ میں ہے کہ ایسے لوگ فاسق ہیں۔

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۶۷:- اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ کافروں کو کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۱۳۵:- اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لئے سچی گواہی دو، خواہ تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر، تو اللہ اس کا خیر خواہ ہے۔ تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑنا۔ اگر تم جھوٹی شہادت دو گے یا شہادت سے بچنا چاہو گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

سورۃ النساء (۴) آیت ۱۰۵:- ہم نے یہ کتاب تم پر سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تا کہ تم اللہ کے نازل کئے

ہوئے فرمان کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔اور خیانت کرنے والے بے ایمانوں کی طرف سے بحث نہ کرنا۔

سورۃ مائدہ(۵) آیت ۸:-اے ایمان والو!اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔انصاف کیا کرو،کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے۔اور اللہ سے ڈرتے رہو،کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے۔

سورۃ الانعام(۶) آیت ۱۵۲:-اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریقے سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو،یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے،اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے،مگر اسکی طاقت کے مطابق۔اور جب کوئی بات کہوتو انصاف سے کہو،گو وہ رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

سورۃ النساء(۴) آیت ۹:-لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے،تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کچھ اندیشے ہوتے،پس چاہئے کہ وہ اللہ کا خوف کریں اور جچی تلی بات کہا کریں۔

سورۃ محمد(۴۷) آیت ۴:-تو جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہوتو گردنیں مارنا یعنی کاٹنا ہے(کیونکہ جنگ میں قتال ہوتا ہی ہے،دونوں فریق ایک دوسرے کو قتل کرتے ہی ہیں) یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو جائیں۔'فساد فی الارض' مخالفانہ کاروائی کرنے کی طاقت ختم ہو جائے،وہ ایسی حالت میں ہو جائیں کہ اپنے ہتھیار ڈال دیں تو ان کو گرفتار کرو۔امن ہونے کی حالت میں ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دو اور اگر کسی کے پاس رقم نہیں ہے تو رحم کر کے چھوڑ دو۔(تیسری بات دستور زمانہ کے ساتھ ہے۔اپنے قیدی اگر فریق ثانی کے پاس ہوں تو ان کے بدلے ان قیدیوں کو چھوڑ دو۔ہر حال میں قیدیوں کو آزاد کرنا ہے) اور اگر اللہ چاہتا تو آپ ہی بدلہ لیتا۔مگر یہ آپس میں جنگ اس لئے ہوتی ہے کہ ایک دوسرے سے جانچے جاؤ،کہ کون مومن ہے اور کون منافق۔اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے مارے جائیں گے اللہ ہرگز ان کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔

سورۃ الانبیاء(۲۱) آیت ۱۰۷:-اور (اے محمدؐ) ہم نے تمہیں تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے،

مذکورہ بالا آیات میں نمونہ کے طور پر کچھ احکام لکھے ہیں،تا ہم قرآن میں زندگی گزارنے کا مکمل ضابطہ حیات موجود ہے،یہاں پر درج کرنا ممکن نہیں،قرآن میں دیکھا جا سکتا ہے۔اللہ نے اس ضابطہ حیات

پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔جو ان احکامات کی پابندی نہ کرے گا وہ اللہ کا باغی ہے۔اس لئے محمدﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اس پر جوں کا توں عمل کیا۔اس پر عمل کرنے کا نتیجہ سامنے یہ آیا کہ بہت بڑے علاقے میں امن قائم ہو گیا۔اس علاقے میں جہاں پر انسانیت ظلم ہونے کی وجہ سے چیخ رہی تھی،کوئی پرسان حال نہ تھا،طاقتور کمزور کا استحصال کر رہا تھا۔تب اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور اپنا آخری نبیؐ قرآنی ضابطہ حیات کے ساتھ مبعوث کیا۔اس نبیؐ نے اس پر عمل کیا اور ساتھیوں نے بھی نبیؐ کی سنت پر عمل کیا،تو اس عمل سے دنیا میں امن قائم ہوا اور مطلع الفجر ہو گیا۔اور جب بھی اس سنت پر عمل کیا جائے گا وہی نتائج سامنے آئیں گے،جو اس وقت آئے تھے،اور اس سنت سے انحراف کرنے پر پھر اندھیرا ہو جائے گا۔

سنت کے بارے میں اور کیا ہے؟ وہ یہ کہ امت اختلاف نہ کرے متحد رہے۔ملاحظہ ہو:-

سورۃ آل عمران(۳) آیت ۱۰۳:-اور ایمان والو!اللہ کی کتاب کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو،اور آپس میں اختلاف کر کے فرقے فرقے نہ ہو جانا۔

اگر اختلاف کیا تو کیا ہوگا؟

سورۃ انفال(۸) آیت ۴۶:-اور اللہ اور رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو(ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا،اور صبر سے کام لو کہ اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔

نبیؐ کا طریقہ اور سنت:-

جب آپؐ مکہ میں تھے تو وہاں لوگ آپؐ کو بہت زدوکوب کرتے تھے،راستے میں کانٹے ڈالتے تھے مگر آپؐ غریبوں،بیواؤں،یتیموں اور بے سہارا لوگوں کے کام آتے تھے۔کبھی کسی کو بد عا نہیں دی۔آپؐ کو یہاں تک پریشان کیا کہ آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو ہجرت کرنی پڑی،مدینہ پہنچ گئے۔مگر مکہ والوں نے وہاں بھی چین سے نہیں رہنے دیا،اور حملہ کر دیا،جس کو جنگ بدر کہا گیا۔اس جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی ملی۔کافی مخالفوں کو گرفتار کیا،مگر نبیؐ کی رحمت نے ان کو قتل نہیں کیا،بلکہ فدیہ لے کر آزاد کیا۔رحم کے ساتھ آزاد کیا۔اور کچھ آدمیوں کا فدیہ مقرر کیا،کہ ہمارے آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔اس کے بعد اللہ نے طاقت دی تو مکہ بھی فتح ہو گیا۔اس وقت اگر محمدؐ چاہتے تو مخالفین سے پورا انتقام لے سکتے تھے۔لیکن ایسا نہیں کیا،بلکہ رحمۃ للعالمین نے سب کو معاف کر دیا،اور بڑی محبت سے پیش آئے۔یہ ہے سنت۔

جب نبیؐ زندہ تھے،تو آپؐ دو منصبوں پر فائز تھے،ایک نبیؐ اور دوسرے حاکم۔کیونکہ ایک حکومت

قائم ہو گئی تھی،ان کی زندگی میں کوئی دوسرا حاکم نہ تھا،آپؐ کے انتقال کے بعد نبوت تو ختم ہو گئی،اس لئے کوئی نبی نہیں ہوگا،مگر حکومت باقی رہے گی اور اس کا حاکم بھی ہوگا تو آپؐ کے انتقال کے بعد آپؐ کا جانشین حضرت ابو بکرؓ کو بنایا،جن کو آپؐ نے اپنی زندگی میں ہی شوریٰ میں طے کر دیا تھا۔لیکن وہ بھی تنہا امیر تھے۔دوسرے خلیفہ بھی اکیلے،تیسرے اور چوتھے بھی اکیلے رہے۔یہ سنت کچھ عرصے کے لئے اختلاف کے دائرے میں آ گئی۔لیکن پھر اپنی اصل حالت پر آ گئی اور بنی امیہ تک قائم رہی۔

رہا سوال فقہ اور مسلک کا تو فقہ اور مسلک بھی ایک تھا۔اس زمانہ میں نہ کوئی شیعہ تھا نہ سنی اور نہ ہی کوئی حنفی،مالکی،شافعی،اور حنبلی تھا۔ہر طرح سے ایک تھے اس راہ پر جس پر نبیؐ قائم کر گئے تھے،کسی نے اس سنت سے انحراف نہیں کیا۔یہ ہے سنت۔

اور اس سنت پر عمل کرنے سے ہی امن قائم ہو سکتا ہے۔لیکن آج اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے۔اور ہر فرقہ ایک دوسرے کو کافر بتا رہا ہے،قتل کر رہا ہے،جس کا نظارہ ہم روز کر رہے ہیں۔نبیؐ نے خالص اسلامی حکومت قائم کی تھی،اور یہی سنت ہے۔مگر آج تقریباً ۵۸ حکومتیں ہیں اور ہر ایک اپنے کو اسلامی جمہوریہ کہتا ہے۔مگر یہ سنت نہیں ہے اور نہ ہی اسلام۔کیا اسلام مختلف ہے؟ جو یہ مختلف حکومتیں اپنے کو اسلامی جمہوریہ کہتی ہیں؟ یہ آپس میں جنگ کرتی ہیں،ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔جبکہ قتل کرنے پر قرآن کہتا ہے کہ"عمداً کسی مسلمان کو جس مسلمان نے قتل کر دیا،وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا"۔نبیؐ نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان گھر سے ہتھیار لے کر ایک دوسرے سے لڑنے کو نکلیں تو دونوں جہنمی ہیں۔

آخری خطبہ میں بھی یہی فرمایا ہے،مگر آج ہر حکومت کے پاس عالموں کی بڑی تعداد موجود ہے،ہر نشیب و فراز کو جانتے ہیں۔اتنے پر بھی عالم طبقہ اپنے حاکم کو حق پر بتا رہا ہے،دوسرے کو باطل۔کیا اس طرح سے امن پیدا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔اگر امن قائم کرنا ہے تو ہر وہ طریقہ اپنانا ہے جو نبیؐ نے اپنایا تھا،اور وہ ہے قرآن کا طریقہ۔اور وہی سنت ہے۔

لیکن تفاسیر،احادیث اور اسلامی تاریخ میں اس کے خلاف لکھا ملتا ہے۔مثلاً نبیؐ نے جنگ کے دوران مردوں عورتوں کو قید کیا اور ان کو غلام کنیز بنایا اور بغیر نکاح کے ان لونڈیوں سے مباشرت کی،بچے پیدا ہوئے،ان کی خرید و فروخت کی(نعوذ)۔جبکہ قرآن بغیر نکاح کے مباشرت حرام بتاتا ہے،اس خرید و فروخت کو بھی منع کرتا ہے۔دوسری بات یتیم پوتے یا کسی بھی یتیم پر اللہ رحم کرنے کو کہتا ہے۔اس کا حق نہ کھایا جائے تو

نبیؐ نے اس پر عمل کیا۔لیکن آج ہمارے فقہ میں یتیم پوتے کو دادا کے ترکہ سے محروم،یعنی محجوب الارث کر دیا ہے،جب کہ اس یتیم پوتے کے انتقال پر اس کے ترکہ سے باپ کا چھٹا حصہ دادا کو ملنا طے ہے،تو ایسا ہی پوتے کے لئے کیوں نہیں؟ اقرب فالاقرب۔کیا حضورؐ یتیم کو اپنے حق سے محروم کر سکتے تھے؟

تیسری بات جنگی قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم ہے،اس لئے اس حکم کے ہوتے نبیؐ جنگی قیدیوں کو قتل نہیں کر سکتے تھے،اور نہ غلام لونڈی بنا سکتے تھے۔اور نہ ہی نبیؐ نے ایسا کیا۔لیکن کتب احادیث اور تاریخ بتاتی ہیں کہ نبیؐ نے ایسا کیا۔جبکہ یہ ممکن نہیں کہ نبیؐ ایسا کریں،نبیؐ تو ایک نمونہ ہیں،اور آپؐ کے اخلاق بہت بلند اور آپؐ سارے جہان کے لئے رحمت ہیں۔نبیؐ نے ہر میدان میں قرآن کے مطابق عمل کیا۔اس عمل سے ہی امن قائم ہوا اور جب تک یہ عمل رہا امن رہا۔لیکن بعد کے مفاد پرست مسلمانوں نے ہر میدان میں نبیؐ کی سنت کی دھجیاں اڑا دیں،او نبیؐ پر الزام عائد کر دیا کہ نبیؐ نے ایسا ہی کیا،اور یہ وحی خفی ہے،جو دین اور سنت ہے،لیکن یہ الزام ہے۔نبیؐ نے ایسا نہیں کیا۔بعد والوں نے نبیؐ پر ایسے ایسے الزام لگائیں ہیں،جن کو پڑھ کر گردن شرم سے جھک جاتی ہے،اور دنیا مذاق بناتی ہے،اور ہم غصہ کرتے ہیں،اور بدامنی ہوتی ہے،بہت آدمی پولس کی گولی کا شکار ہوتے ہیں،کرفیو لگتا ہے،انسان بھوکے پیاسے مرتے ہیں اور معصوم بچے پریشان ہوتے ہیں۔

اس لئے ہم کو نبیؐ کی حقیقی سنت پر عمل کرتے ہوئے،ہر انسان چاہے اس کا مذہب کچھ ہو،اس کی مدد کرنی ہے،اس کے ساتھ انصاف کرنا ہے،مسلم ہونے کا یہی مطلب ہے۔دوسری بات یہ کہ امن کو قائم رکھنے اور فسادی لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لئے طاقت کی بھی ضرورت ہے،کمزور آدمی کو طاقت ور انسان،جس کے پاس ایمان نہیں ہے،چین سے نہیں رہنے دیتا۔اس لئے دھارمک ایماندار آدمیوں کو امن قائم کرنے کے لئے طاقت کی ضرورت ہے،اور اس طاقت کو ایمانداری کے ساتھ استعمال کیا جائے گا۔اگر ایمانداری نہ کی،تو اللہ ان کو مٹا دے گا،کسی دوسرے کو لائے گا،یا ایک ظالم کو دوسرے ظالم سے ختم کرا دے گا۔یہ ہے امن قائم کرنے کا نسخہ،اور یہی سنت ہے۔

(۴)

کیا حوا آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہیں؟

ہمارے یہاں ایک پختہ عقیدہ یہ ہے کہ حوا کو آدم کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ کیا یہ حقیقت ہے؟ دیکھا جائے سورۃ نساء کا صحیح ترجمہ:-

سورۃ نساء (۴) آیت (۱): -لوگو! اپنے رب (کی نافرمانی) سے ڈرو جس نے تم کو اکیلی جان سے پیدا کیا اسی جنس سے (یعنی اسی جوہر مٹی سے) جس سے آدم کو پیدا کیا تھا اسی سے وہ جوڑا ساتھی (حوا) کو پیدا کیا اور (صرف) ان دونوں سے بہت مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اور اس اللہ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو، جس کے نام سے سوال کرتے ہو۔ اور قرابت داری کے معاملہ میں بدسلوکی سے پرہیز کرو۔ یاد رکھو اللہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

سورۃ نساء کی آیت ا کا جو ترجمہ اور تفسیر عالموں نے درج کی ہے اس کو پڑھا جائے:-

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے (محمد جونا گڑھی)۔

تقریباً سب عالموں کا یہی ترجمہ ہے ذیل میں تفسیر ملاحظہ ہو جس کو روایات سے لکھا گیا ہے:-

ایک جان سے مراد ابوالبشر حضرت آدمؑ ہیں اور خلق منها زوجها میں منها سے وہی جان یعنی آدمؑ مراد ہیں۔ یعنی آدمؑ سے ان کی زوج (بیوی) حضرت حوا کو پیدا کیا۔ حضرت حوا حضرت آدمؑ سے کس طرح پیدا ہوئیں، اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے قول مروی ہے کہ حضرت حوا مرد (یعنی آدمؑ) سے پیدا ہوئیں۔ یعنی ان کی بائیں پسلی سے۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے" ان المرائة خلقت من ضلع وان اعرج شئی فی الضلع اعلاه "(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، صحیح مسلم، کتاب الرضاع) کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ، اس کا بالائی حصہ ہے۔ اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کجی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یعنی علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہونے کی تائید کی ہے۔ قرآن کے الفاظ "خلق منها" سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت حوا کی تخلیق اسی نفس واحدہ سے ہوئی ہے جسے آدمؑ کہا جاتا ہے۔

اس ترجمہ اور تفسیر سے ظاہر ہوا کہ حوا کی پیدائش آدمؑ سے ہوئی اور دلیل میں "خلق منها" لفظ پیش کیا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ اس لفظ کے اندر ضمیر ہے ('ھا' مونث واحد ہے)۔ تو کیا آدمؑ مونث ہیں؟ آدمؑ تو مذکر ہیں۔ اگر آدمؑ سے پیدا ہوتیں تو ضمیر مذکر کے ساتھ لفظ ہوتا "خلق منه"۔ لیکن ضمیر مذکر نہ ہوتے ہوئے ضمیر مونث ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حوا آدمؑ سے پیدا نہیں ہے۔ پھر کس سے پیدا ہے؟ عربی میں زمین مٹی آسمان وغیرہ کو ضمیر مونث سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس لئے اس ضمیر نے حوا کی پیدائش آدمؑ سے نہ ہوتے ہوئے مٹی سے ثابت کر دیا۔ اور اسی مٹی سے، جس مٹی سے آدمؑ پیدا کئے تھے۔ چونکہ اللہ نے ہر چیز کو جوڑے سے پیدا کیا ہے، اس لئے آدمؑ وحوا کو بھی ایک ساتھ اسی جنس سے پیدا کیا ہے، جس سے آدمؑ کو پیدا کیا تھا۔

جوڑے کی دلیل بحوالہ قرآن پیش ہے:-

سورۃ روم (۳۰) آیت ۲۱:-"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے تمہاری ہی جیسی بیویاں (جوڑے ساتھی) بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔

سورۃ یٰسین (۳۶) آیت ۳۶:-پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے۔ خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (یعنی نوع انسانی) میں سے یا ان اشیاں میں سے جن کو وہ

جانتے تک نہیں"۔

اور کیا کہا اللہ نے؟

سورۃ بقرۃ (۲) آیت ۳۵:-"اور ہم نے کہا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی، دونوں باغ جنت میں رہو اور یہاں جو چاہو کھاؤ مگر اس شجر کے قریب نہ جانا، ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے"۔

دونوں کو ساتھ داخل کیا، لیکن روایات نے جو بتایا ہے وہ یہ کہ آدمؑ جنت میں اکیلے رہتے تھے اور اس اکیلے رہنے کی وجہ سے اداس رہتے تھے تو اللہ نے ان کی اداسی کو دور کرنے کے لئے ان کی پسلی سے ایک عورت بنا کر ان کے پاس چھوڑ دی، جس کا نام حوا رکھا۔ اس کو دیکھ کر آدمؑ خوش ہو گئے۔ اللہ کہتا ہے کہ آدمؑ اور حوا کو اسی جنس یعنی ست جوہر مٹی سے، ایک ساتھ بنایا اور دونوں کو ایک ساتھ جنت میں داخل کیا۔ لیکن علماء کا اسرار ہے کہ آدمؑ کو پہلے بنایا اور پھر جنت میں آدمؑ کی پسلی سے حوا کو بنایا۔ اب فیصلہ یہ کرنا ہے کہ سچا کون ہے؟ اللہ یا علماء، محدث یا راوی، یہی میرے مقدمے ہیں۔

نوٹ:-ضمیر "ھا" کی دلیل باب آدمؑ وحوا اور عیسیٰؑ کی پیدائش کے باب میں درج ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ پیدائش حوا سے متعلق روایات کے راوی ابن عباسؓ یا ان کے ہم عصر ہیں۔ آیت ایک میں جو ضمیر ہے وہ مونث ہے، جس کو ہر عربی کا طالب علم، جو شروع کے درجات میں ہوتا ہے، جانتا ہے۔ تو پھر ابن عباسؓ وغیرہ سے ایسی غلطی کیوں ہو گئی کہ ان کو علم نہ ہو سکا کہ ضمیر مونث ہے اور آدمؑ مذکر ہیں۔ پھر اس ضمیر کو آدمؑ سے کیسے منسوب کر دیا؟ اگر کر دیا تو وہ عربی نہیں جانتے تھے، لیکن یہ ممکن نہیں، وہ جانتے تھے۔ اس لئے وہ حوا کی پیدائش آدمؑ کی پسلی سے نہیں بتا سکتے تھے۔ انہوں نے اگر بتایا ہوتا تو ضمیر مونث کی مناسبت سے مٹی سے بتایا ہوگا، اس لئے مفسرین اور محدثین نے جھوٹ بولا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حوا کی پیدائش مٹی سے ہے، نہ کہ آدمؑ کی پسلی سے۔

(۵)

کیا یہودی ابراہیمؑ کی اولاد ہیں؟

سورۃ مریم (۱۹): آیت ۵۹: -وہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا، رسولوں پر آدم کی اولاد میں ان لوگوں کی نسل سے، جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ اور ابراہیم اور اسرائیل کی اولاد میں سے اور ان

لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا۔ وہ وہ لوگ ہیں جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی تھیں تو سجدے میں گر پڑتے تھے اور روتے تھے۔ یعنی جو آیات میں حکم ہوتا تھا اس کو مان لیتے تھے۔ اور عمل کرتے تھے (اور جو نیک ہیں وہ اب بھی قرآن کو سن کر اس پر ایمان لاتے ہیں)۔

سورۃ مریم کی آیت ۵۹ پڑھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ دونوں الگ الگ ہیں مگر ہمارے یہاں حضرت یعقوبؑ کو ہی اسرائیل لکھا گیا ہے اور یہی صحیح مانا گیا ہے اور یہودی بھی اسرائیل یعقوبؑ کو ہی مانتے ہیں اس لئے یہودیوں نے اپنے کو ابراہیمؑ کی ذریت میں مانا ہے۔ ان کے لکھے کو ہی مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے؟ اس پر غور کر لیا جائے۔

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۳۵:- کہتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ تم کہو! بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمؑ والے ہیں۔ اور ابراہیم خالص اللہ کے پرستار تھے اور مشرک نہ تھے۔

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۱۴۰:-کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ دو! کیا تم زیادہ جانتے ہو، یا اللہ؟ اللہ کے پاس شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۶۵:-اے اہل کتاب! تم ابراہیمؑ کی بابت کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات وانجیل تو ان کے بہت بعد نازل کی گئیں۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۶۷:-ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یکطرفہ (خالص مسلم) تھے وہ مشرک بھی نہ تھے۔

سورۃ مریم کی آیت ۵۸ کے علاوہ اسرائیل کا نام سورۃ آل عمران ۹۳ بھی آیا ہے۔ لیکن اس آیت میں اسرائیل کی جگہ عالموں نے یعقوبؑ لکھا ہے، گویا اللہ کی بھول کو عالموں نے درست کیا (نعوذ)۔ یعنی آیت میں یعقوبؑ نہیں ہے، اسرائیلؑ ہے، جسکو عالموں نے درست کر دیا، ایسی حالت میں اللہ کو عالموں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ میری غلطی کو درست کر دیا، اور انعام واکرام سے نوازنا چاہئے، مگر اسرائیلؑ کی جگہ پر یعقوبؑ لکھنا، ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

کیا اللہ اسرائیل کی جگہ یعقوبؑ نہیں بتا سکتا تھا؟ ضرور بتا سکتا تھا۔ مگر تب ہی تو، جب یعقوبؑ نام ہوتا۔ نام اسرائیل ہے۔ اس لئے اللہ نے اسرائیلؑ بتایا، جو قرآن کے عربی متن میں درج ہے۔ مگر عالموں نے

یہودیوں کی بات کو سچ مانتے ہوئے، یعقوبؑ لکھ دیا، جو غلط ہے۔

آیت بالا کے پڑھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسرائیل، یعقوبؑ نہیں ہیں۔ اگر یعقوبؑ ہی اسرائیل ہوتے، تو سورۃ مریم (۱۹) کی آیت ۵۸ میں اللہ اولاد ابراہیم و اسرائیل نہ فرماتا، کیونکہ یعقوبؑ تو اولاد ابراہیمؑ ہیں۔ جب یعقوبؑ اولاد ابراہیمؑ ہیں تو الگ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر اولاد ابراہیمؑ سے اسرائیل کو الگ کر کے بتانا یہ ثابت کرتا ہے کہ اسرائیل اور ابراہیمؑ دونوں الگ الگ ہیں اور اسرائیلؑ بھی کوئی نبی ہیں۔

قرآن میں یہودیوں کے لئے بنی اسرائیل کا لفظ آیا ہے۔ اگر یہودی یعقوبؑ کی اولاد ہوتے کہیں ایک جگہ تو ان کے لئے بنی یعقوبؑ آجاتا۔ کیا اللہ کے لئے بنی یعقوبؑ بتانا مشکل تھا؟ ہرگز نہیں! اللہ کی ہر بات سچی ہوتی ہے۔ اس لئے بنی اسرائیل لفظ سے خطاب کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہودی، یعقوبؑ کی اولاد نہیں بلکہ اسرائیل کی اولاد ہیں۔ اتنی صاف شہادت ہونے کے باوجود بھی ہم نے یہودیوں کو اولاد ابراہیمؑ یعنی اولاد یعقوبؑ کیوں تسلیم کر لیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے یہودیوں کی روایات کو آنکھ بند کر کے تسلیم کیا، جس کا نام حدیث (روایت) رکھا، اس وجہ سے ہی یعقوبؑ کو اسرائیل لکھا، جیسا کہ یہودیوں نے اپنے کو اولاد ابراہیمؑ تسلیم کرانے کے لئے یعقوبؑ کو اسرائیل لکھا جبکہ یعقوبؑ، اسرائیلؑ نہیں ہیں۔ اگر ہم حقیقت کو تسلیم کر لیں تو یہودی، ابراہیمؑ کی ذرّیت سے الگ ہو کر ذرّیت اسرائیلؑ ہو جاتے ہیں، جو حقیقت ہے۔ مگر عرصہ دراز سے یہودیوں کی روایات سے متاثر ہو کر ہم نے یعقوبؑ کو ہی اسرائیل مان لیا ہے اور اس غلط بات کو ماننے سے ہی یہودیوں کو اولاد ابراہیمؑ ہونے کی سند عطا کر دی ہے، جو غلط ہے۔

اس ایک عقیدے میں ہی ہم یہودیت سے متاثر نہیں بلکہ متعدد جگہ ایسا ہے اور قرآن کی تفاسیر میں تو بے شمار اثرات نظر آتے ہیں، جس اثر نے قرآن کو مہجور بنا دیا ہے۔ مثلاً:-

(۱) بیت المقدس میں نبیوں کو نماز پڑھانا۔ (حالانکہ اس طرح لکھنے سے نبیؐ کی معراج بیت المقدس تک ہی محدود ہو جاتی ہے، جبکہ محمد ﷺ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گئے اور یہ مسجد بیت المقدس میں نہیں، بلکہ سدرۃ المنتہیٰ پر ہے) ہمارے بزرگوں پر یہودیت کا اتنا اثر ہے کہ انہوں نے منہدم ہیکل سلیمانی کو مسجد اقصیٰ تسلیم کر کے نبیؐ کی معراج وہاں لکھ دی۔ یہاں بھی یہودیت غالب ہو گئی۔

(۲) نماز پچاس عطا کی گئیں، مگر حضرت موسیٰؑ کی فراست سے پانچ رہ گئیں۔

(۳) ہجرت کے بعد ۱۶ یا ۱۷ ماہ تک بیت المقدس کی طرف کو رخ کر کے نماز پڑھنا اور پھر نبیؐ کی ضد پر اللہ نے کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیدیا۔

اور بھی متعدد مثالیں ہیں، جو کہ قاری کی نظر سے پوشیدہ نہیں، مگر اس قاری کی نظر سے، جو قرآن کو قرآن سے سمجھے، روایات سے نہیں۔ یہودی اولاد ابراہیمؑ کیسے بنے؟ دلیل پیش ہے کہ تاریخ کیسے بدلتی ہے:-

باقی رہی قوم موسیٰؑ ... تو راجح احتمال کے مطابق ..... یہ بھاگے ہوئے لوگ تھے، ان کے ساتھ چرواہے، بادشاہوں (ہیکسوس) کی باقی ماندہ نسل کے بہت سے لوگ تھے۔ یہ تیرھوی صدی قبل مسیح کی بات ہے۔ یہ لوگ توحید خالص کے قائل و عامل تھے۔ جبکہ یہود کا دین اس سے مختلف ہے، کیونکہ وہ تو اپنے ایک خاص معبود "یہوہ" کی عبادت کے داعی ہیں اور اپنے آپ کو "اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم" سمجھتے ہیں۔ موسیٰؑ کی شریعت اور تعلیم "ہیروغلوفی" زبان میں لکھی گئی تھی۔ آج اس زبان کا کوئی پتہ نہیں۔ پھر ان "موسویوں" نے کنعان کی زبان اور ثقافت اپنائی، اور موسیٰؑ کی تعلیم اور شریعت کو چھوڑ دیا۔ انہیں لوگوں کو بعد میں "یہودی" کہا گیا۔

یہود کا لفظ یہوذا کی باقی ماندہ نسل پر بولا گیا، جن کو بخت نصر گرفتار کر کے ۵۸۶ ق۔م بابل لے گیا۔ ان کا یہ نام یہوذا کی تباہ شدہ حکومت کی مناسبت سے رکھا گیا۔ ان لوگوں نے قید ہونے سے پہلے آرامی لہجہ اختیار کر لیا تھا، اور ہمارے سامنے جو موجودہ تورات ہے، وہ انہوں نے بابل کی قید کے دوران میں اسی زبان میں لکھی اور مدون کی تھی۔ اور یہ حضرت موسیٰؑ سے آٹھ سو سال بعد کی بات ہے۔

اس لئے اس لہجہ کو "تورات کی آرامی زبان" کا نام دیا گیا۔ اس کے لئے انہوں نے قدیم آرامی خط استعمال کیا جسے خط ربع کہا جاتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ وہ شریعت نہیں تھی جو حضرت موسیٰؑ پر نازل کی گئی تھی، بلکہ اسے تورات موسیٰؑ کے مقابلے میں تورات یہود کہا جا سکتا ہے۔

ان یہودیوں نے جب تورات کو مدون کیا تو ان کے دو بنیادی مقصد تھے۔ پہلا مقصد تو یہ تھا کہ اپنی تاریخ کو بزرگی کا لبادہ پہنایا جائے اور اپنے آپ کو تمام انسانی نسلوں میں سے بہترین اور اعلیٰ نسل ثابت کیا جائے، جسے اللہ تعالیٰ نے بھی باقی قوموں کے بجائے منتخب فرمایا تھا۔ اسی لئے وہ اپنے آپ کو "شعب مختار" (اللہ کی پسندیدہ قوم) کہتے تھے۔ اس کے لئے ضروری تھا، کہ وہ اپنے آپ کو کسی قدیم مقدس شخصیت کی طرف منسوب کریں اور وہ شخصیت حضرت ابراہیمؑ تھے، جن کی شہرت ان دنوں چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔

لہٰذا یہودیوں نے بڑی مہارت کے ساتھ اپنی تاریخ اپنی خواہشات کے مطابق جوڑی اور اس کو دینی رنگ میں رنگ دیا۔ تاکہ اسے قابل قبول بنایا جا سکے۔ اس طرح انہوں نے اپنی تاریخ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے پوتے حضرت یعقوبؑ کے ساتھ جوڑ لی (یعقوبؑ پوتے نہیں، بیٹے ہیں)۔ اور قوم موسیٰؑ کے بجائے اپنا نام بنی اسرائیل رکھ لیا۔ حالانکہ وہ حضرت اسرائیلؑ سے تقریباً چھ سو سال بعد ظہور پذیر ہوئے (ماخوذ اطلس القرآن، مقامات، اقوام اور شخصیت کا تذکرہ جدید نقشوں اور جداول سے مزین قرآنی معلومات کا مستند ذخیرہ) تالیف دکتور شوقی ابو خلیل، ترجمہ شیخ الحدیث حافظ محمد امین ہتوضیح و اضافہ محسن فارانی، دارالسلام کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ ریاض، جدہ، شارجہ، لاہور۔ ص ۷۷)

بالا مضمون سے بھی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہودی کون ہیں، لیکن مضمون بالا میں یعقوب اسرائیل لکھا ہے، جو قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن میں یعقوب اور اسرائیل الگ الگ ہیں، لیکن یہودی روایات جو مسلمانوں کی کتابوں میں درآئی ہیں، ان سے یہ سب لکھا گیا ہے۔

(۶)

تقریباً پوری انسانیت کا رشتہ قرآن سے منقطع ہو گیا اور خاص طور سے مسلم قوم کا۔ کیوں؟

اس لئے کہ میں ایک ایسے ملک کا باشندہ ہوں جس میں مختلف مذاہب کے پیروکار آباد ہیں اور تقریباً اکثریت امن پسند ہے۔ گو کچھ کم تعداد میں شرارت پسند بھی ہیں، مگر ان کی شرارت سے کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ وقتی طور پر کچھ بدامنی ہو جاتی ہے مگر جلد ہی امن بحال ہو جاتا ہے۔ ملک کا نام بھارت ہے۔ اس ملک میں اکثریت ہندو بھائیوں کی ہے۔ ان کا بھی یہ ماننا ہے کہ اس دھرم کے پرچار کے لئے اوتار ہوئے۔ یعنی مہاپرش۔ اور یہ ماننا درست ہے کیوں کہ قرآن ہی ثابت کرتا ہے کہ ہر انسانی آبادی میں کتاب کے ساتھ ہادی مبعوث کئے۔ یہ بات الگ ہے کہ عرصہ دراز کے بعد ان ہادیوں کی تعلیم سے انحراف دیکھنے میں آجاتا ہے۔ اس ملک میں عیسائی بھی رہتے ہیں اور ان کا بھی یہی دعویٰ ہے۔ ان کا دعویٰ بھی حقیقت پر مبنی ہے۔ لیکن وہاں

بھی آج اصل دین سے دوری ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ مذاہب اور بھی کئی ہیں وجہ یہ ہے کہ ہادی کے انتقال کے بعد اس کے ماننے والوں میں کچھ ایسے مفاد پرست پیدا ہو جاتے ہیں جو بھولے بھالے انسانوں کو اپنے اشاروں پر نچانے لگتے ہیں، گویا وہ مداری ہیں اور عوام کو وہ بندر سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی سامنے آرہی ہے۔

کچھ انسانوں نے اپنے کو اللہ کا نمائندہ بنا کر عوام کو اصل دین سے دور کر دیا۔ اور دنیا میں ایک اختلافی راج قائم کر دیا، جس سے دنیا میں لادینی کی تاریک رات طاری ہو گئی، گناہ اتنے بڑھ گئے کہ انسانیت چیخنے لگی، اس چیخ کو مالک کائنات نے سنا اور انسانیت پر رحم کیا۔ اس لئے اس نے آج سے تقریباً ۱۴۴۸ سال پہلے عرب کی ریتیلی سرزمین میں اپنا آخری نبی قرآن کے ساتھ مبعوث کیا۔ اس کتاب کے ذریعہ نبیؐ نے دین کا اجالا پھیلا دیا۔ گویا فجر ہو گیا۔ اس کتاب میں ایک ضابطہ حیات ہے، جس پر ہر آدمی بغیر کسی قدغن کے عمل کر سکتا ہے، ہاں یہ ضروری ہے کہ جو آدمی اتنا علم نہیں رکھتا وہ علم والوں سے معلوم کر لے، قرآن کا حکم ہے کہ علم والوں سے معلوم کر لو۔ یہی نبیؐ نے فرمایا ہے۔

کافی دنوں تک اس دین کے ماننے والے اصل دین پر عمل کرتے رہے اور غالب رہے۔ ہر آدمی کو آزادی اس بات کی تھی کہ جو وہ جانتا ہے وہ دوسروں کو بتاتا تھا۔ یہی اللہ اور رسولؐ کا حکم ہے۔ ان کے اوپر یہ کوئی پابندی نہیں تھی کہ کوئی ان سے یہ معلوم کرلے کہ تو نے کس مدرسہ سے فراغت حاصل کی ہے؟ فراغت کی سند کہاں ہے؟ ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ اگر پابندی تھی تو صرف یہ کہ کہنے والا صحیح بات کہے۔ غلط بات کہنے پر اس کو روکا جاتا تھا۔ یہ دیکھا جاتا تھا کہ کہنے والا کیا کہہ رہا ہے؟ یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ کون کہہ رہا ہے؟ اس پر سند کس مدرسہ کی ہے؟ مگر بعد میں یہ دستور بدل گیا۔ مفاد پرستوں نے اپنے کو دین کا ٹھیکیدار بنا لیا اور عوام کا حق، جو اللہ نے ان کو دیا تھا، وہ ان سے غصب کر لیا۔ اس وجہ سے اصل دین کا دامن قوم کے ہاتھوں سے پھسل گیا اور آج جو ہمارے سامنے ہے وہ اصل دین ہو گیا۔ جب کہ رائج الوقت اسلام اور قرآن میں بہت تضاد نظر آتا ہے۔

ایسا کیوں ہوا؟

اس کی وجہ ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

سورت توبہ آیت ۳۱: - ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے، اور مریم کے

بیٹے مسیح کو بھی ۔حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

اس کی تفسیر حضرت عدیؓ بن حاتمؓ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبیﷺ سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے نبی کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انہوں نے ان کی عبادت کی؟

آپؐ نے فرمایا کہ" یہ بات تو ہے نا کہ ان کے علماء نے جس چیز کو حلال قرار دیدیا، اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کردیا، اس کو حرام سمجھا۔یہی ان کی عبادت کرنا ہے (صحیح ترمذی صفحہ ۲۴۷)۔

کیونکہ حرام ،حلال کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے ۔یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنا لیا۔اس آیت میں ان لوگوں کے لئے بڑی تنبیہ ہے، جنہوں نے اپنے اپنے پیشواؤں کو تحلیل و تحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے میں وہ نصوص قرآن کو بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے ۔آج یہی حال اس مسلم قوم کا ہے۔اس کے لئے نہ معلوم کتنے معبود آ گئے ہیں، جن کی یہ عبادت کر رہی ہے ۔یعنی ان کے بتائے ہوئے قانون کی پابندی کر رہی ہے۔

شروع زمانہ اسلام میں یہ امام کہاں تھے، جن کا فقہ ماننا ضروری تھا ؟ کون حنفی ؟ مالکی ؟ شافعی؟ حنبلی ؟اور جعفری تھا؟ سب ایک قانون قرآن کو ماننے والے مسلم تھے۔ نہ ہی گلی گلی مزارات کی عبادت ہو رہی تھی؟ بعد میں یہ امامی مذہب بنے، جن کی آج پیروی ہو رہی ہے۔

ایسا کیوں ہوا؟

ایسا اس لئے ہوا ہے کہ قوم کو قرآن سے دور کر دیا گیا۔ چند لوگوں کے ہاتھ میں دین کی قیادت آ گئی، انہوں نے اپنی من مانی کی اور اس من مانی کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں حکومت کرنے والوں کو اپنا اقتدار مستحکم کرنا تھا، اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ نظام وقت، وقت کے خود ساختہ اجارہ داروں سے گٹھ جوڑ کر لے، تب ہی اس کا اقتدار پائدار ہو سکتا تھا۔ سو اس نے ایسا کیا۔

اور ان اجارہ داروں کو بھی نظام وقت کی درکار تھی، جس سے کوئی ان کے خلاف زبان نہ کھول سکے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ایسا ہونے پر دین کی گاڑی غلط راہ پر گامزن ہو گئی۔اس غلط راستہ کو دیکھ کر ہر زمانے میں نیک

لوگوں نے آواز بلند کی، مگر ان کا انجام اچھا نہ ہوا۔ان اجارہ داروں نے نظام وقت سے مل کر ان کو ختم کرا دیا۔ یہ الزام لگا کر کہ یہ حضورﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے ۔نظام نے اس گستاخی کی سزا معلوم کی تو بتایا گیا کہ اس کی سزا قتل ہے۔تو اس کو نظام کے حکم سے قتل کر دیا گیا ۔اور بعد میں یہ حالت ہو گئی کہ کسی میں کچھ کہنے کی ہمت نہ رہی اور دین پر بولنے کے لئے کچھ ایسی شرائط عائد کر دی گئیں، جن کا پورا کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ لے دے کر چند آدمیوں کو اس مقام پر فائز کیا جاتا رہا جو ان جیسے ہی تھے، یعنی نظام وقت اور ان علماء کا غلام ہو۔ اس طرح قوم کو گمراہ کیا گیا ۔اس گمراہی کی حالت یہ ہے کہ آج قوم کا قرآن پر عمل کرنا تو دور کی بات ہے، قرآن میں درج بات سننے کے لئے بھی تیار نہیں ۔اگر کسی نے قرآن کی بات کہی تو اس کی خیر نہیں ۔اس پر کیا کیا لیبل چسپاں کئے جاتے ہیں جن کو سن کر وہ بھی خاموش ہو جاتا ہے ۔اور سب سے پہلے اس سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ تو کہاں سے کس مدرسہ سے فارغ ہے؟ اگر فراغت نہ ہوئی تو اس کو زبردستی روک دیا جاتا ہے کہ تجھے کوئی حق نہیں کہ دین کی بات کہے۔اور اگر اس نے اس پل صراط کو عبور کر لیا تو دوسرا پل صراط اس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے، یعنی اگر اس کی داڑھی اور کپڑے اس مولوی کے پیمانہ پر پورے نہیں اترتے تو فوراً کہا جاتا ہے کہ تو سنت کا پابند نہیں ہے، اس لئے تجھ کو دین کے بارے میں کچھ کہنے کا حق نہیں ۔بھلے ہی اس کی بات قرآن کے مطابق ہو ۔ایک تیسری بات یعنی ایک اور پل صراط ہے وہ یہ کہ تو کس مسلک کا ماننے والا ہے؟ اگر مسلک ان کے مطابق ہے تو ٹھیک ورنہ خیر نہیں ۔اور بھی بہت پابندیاں ہیں ۔اس پابندی کو دیکھ کر یا تو وہ دانش مند خاموش ہو جاتا ہے اور اپنی صلاحیت، جس سے قوم و ملت کو بہت فائدہ ہوتا، اپنے ساتھ قبر میں لے جاتا ہے یا غصہ میں دہریہ ہو جاتا ہے، جس سے قوم کو بہت نقصان ہوتا ہے۔

نوٹ :- میں ادب کے ساتھ ان علما حضرات سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں، جو درج بالا سوالات کر کے اس آدمی کو خاموش کر دیتے ہیں جو ان سوالوں کو پورا نہیں کر پاتا، بھلے ہی اس کی بات درست ہو، اور قرآن سے ماخوذ ہو۔ان عالموں کے اثر سے عوام بھی اس آدمی کے مخالف ہو جاتے ہیں، اور اس کو پریشان کیا جاتا ہے۔ میں نے اس کتاب میں متعدد سوالات کئے ہیں ۔ان امور میں جن کو فارغ علماء کرام نے لکھا ہے، جو حقیقت میں قرآن کے خلاف ہیں۔ کیا فراغت کا مقصد یہی ہے کہ قوم کو قرآن سے دور کر دیا جائے؟ جیسا کہ اس وقت سامنے ہے ۔یعنی زیادہ تر مسائل قرآن کے خلاف ہیں۔ جو اس کتاب "قرآن بنام روایات عوام کی عدالت میں" درج ہیں ۔ایک سوال یہاں بھی درج کر رہا ہوں جو بڑا مشہور ہے ۔کہا یہ گیا ہے، جس کو ابن عباسؓ کی

طرف منسوب کیا گیا ہے کہ قوم نے محمدؐ سے ۱۳ یا ۱۴ سوال کئے، جن کا جواب دیا گیا ۔ان میں سے صرف ایک سوال لکھ رہا ہوں، اس امید پر کہ قارئین کرام مطالعہ کر کے فیصلہ کریں کہ ان علماء کرام نے فارغ ہو کر قرآن کو کس طرح پیش کیا ہے؟ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ یا ان کے بعد کے عالموں نے کس مدرسہ سے فراغت کی سند حاصل کی تھی؟ اس زمانہ میں جو سامنے آرہا ہے وہ یہ ہے "قاسمی، ازہری، ندوی، صلاحی، فلاحی" وغیرہ وغیرہ۔ جب کہ ان مدرسوں کو قائم ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ۔ان مدرسوں سے بھی پہلے عالم تھے، جن کا سلسلہ صحابہ کرامؓ تک جاتا ہے، ان کے نام کے ساتھ ایسا کچھ لکھا نہیں ملتا۔ کیا وہ دین کی بات کہنے کے مجاز نہیں تھے؟ کیا ان سے کوئی اس طرح کی فراغت کا سوال کرتا تھا؟ کوئی ایسی تحریر تاریخ میں نہیں ملتی ۔صرف ان کے قول کو دیکھا جاتا تھا۔ پھر آج کیوں نہیں؟ ذیل میں سوال درج ہے، جس کا جواب درکار ہے۔

سورۃ بقرۃ (۲) آیت ۲۱۵ :- يَسْـَٔلُوْنَكَ .... بِهٖ عَلِيْمٌ

ترجمہ:- آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اور جو مال تم خرچ کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے۔(ترجمہ محمد جونا گڑھی اور تقریباً سبھی عالموں کا یہی ہے)

مذکورہ ترجمہ سے کیا ظاہر ہو رہا ہے؟ ایک تو یہ کہ کچھ آدمی سوال کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک ہستی اس سوال کو تیسرے آدمی سے بتا رہی ہے، اور اس کا جواب بھی ۔سوال بتانے والے نے جس کو سوال بتایا، وہ سن کر ہی بتایا۔ گویا بتانے سے پہلے ہی معلوم ہو گیا کہ سوالی کیا سوال کر رہے ہیں ۔سوال ختم ہوتے ہی وہ سوال ماضی کا ہو گیا، اور سوال کرنے والے بھی غائب ہیں، حاضر نہیں ۔لیکن آیت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ مستقبل میں ہوگا، اور اس سوال کا جواب دیتے وقت سوال کرنے والے حاضر ہوں گے، جو آیت کے الفاظ بتا رہے ہیں، "ما انفقتم" سے۔

ان باتوں پر غور کرنے کے بعد فارغ عالموں کا کیا ہوا ترجمہ محل نظر ہے، وجہ؟ اللہ نے محمدؐ کو نبوت کے مقام پر فائز کرنے سے پہلے ان کی اچھی طرح سے تربیت کی تھی ۔بغیر تربیت کے ہی نبوت نہیں دی تھی ۔جیسے کسی آدمی کو کسی ملازمت کے لئے رکھا جاتا ہے تو پہلے یہ دیکھ لیا جاتا ہے کہ وہ آدمی اس ملازمت کا اہل ہے بھی یا نہیں؟

ایسے ہی اللہ کا قانون ہے ۔ جب نبوت مل جاتی ہے تو وحی کے ذریعہ ہر طرح کی جانکاری فراہم کی جاتی ہے اور بہت سی جان کاری ان امور کے ہونے سے پہلے دیدی جاتی ہے جن کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا۔تا کہ سوال کئے جانے پر نبی کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ اگر وحی کے ذریعہ جانکاری نہ دی جائے تو نبی کیا بتائیں گے؟ اس لئے سوالوں کا جواب ضروری ہے ۔اس لئے نزول قرآن میں ہی بتا دیا کہ ایسے سوال ہوں گے۔ان کا جواب یہ ہے ۔جو آیت سے ظاہر ہو رہا ہے۔آیت کا صحیح ترجمہ ذیل میں درج ہے :-

سورۃ بقرۃ (۲) آیت ۲۱۵ :- اے رسول! لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ وہ کن کے لئے کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم جو مال خرچ کرو وہ والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔اور جو بھی تم خرچ کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے۔

آیت میں سوال کرنے والے حاضر نہیں ہیں، غائب ہیں ۔اللہ نے خبر دی کہ آپ سے وہ لوگ سوال کریں گے مستقبل میں ۔اور جب وہ سوال کریں گے تو وہ حاضر ہوں گے۔ جیسا کہ جواب سے ظاہر ہو رہا ہے کہ "تم جو مال خرچ کرو"۔ تو جواب کے وقت سوال کرنے والے حاضر ہیں۔ یہ ہے آیت کا اصل مفہوم۔

اب عالم اور عوام دونوں غور کریں کہ وہ کس مقام پر ہیں۔ کیا فراغت کا یہی تقاضہ ہے کہ قرآن کا ترجمہ اور تفسیر غلط کریں؟ اور اس غلط پر ہی عمل کریں؟ اور جو صحیح بتائے اس کو خاموش کرنے کی کوشش کریں، محض اس جرم میں کہ اس پر فراغت کی کوئی سند نہیں؟ چاہے اس کا علم کتنا بھی وسیع ہو؟

بھائیو! فراغت کو نہ دیکھتے ہوئے یہ دیکھو کہ کہنے والے نے کیا کہا ہے؟ صحیح یا غلط؟ **وما علینا الا البلاغ ہ**

تاہم کچھ اللہ کے نیک بندے ان پریشانیوں کا مقابلہ بھی کرتے ہیں اور کچھ نہ کچھ صحیح بات عوام کے کان میں پڑ جاتی ہے، مگر عمل نہیں کرنے دیا جاتا ۔مگر اس طرح سے ایک فائدہ ضرور ہوتا رہتا ہے کہ قوم کا ذہن بنتا رہتا ہے ۔لیکن ان مولویوں کا ایک دوسرا عمل بھی ہے ۔وہ یہ کہ ان کو اپنے اداروں کے لئے چندے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور چندہ وہی دے سکتا ہے جس کے پاس رقم ہوتی ہے اور یہ رقم زیادہ تر ان ہی لوگوں پر ہوتی ہے جو ان لوگوں کی نظر میں سنت کے خلاف ہوتے ہیں، مگر ان سے چندہ وصول کرتے ہیں ۔ وہاں ان کا وہ تقویٰ، وہ پیمانہ کہاں چلا جاتا ہے؟ ان کو ان گنہگاروں سے چندہ نہیں لینا چاہئے ۔مگر بڑے شوق سے لے رہے ہیں اور چندہ لیتے وقت ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں، جنت میں جانے کی دعاء کرتے ہیں ۔یہ ہے آج

معاملہ، جوٹھیک نہیں ہے۔مولوی مالدار ہونے کے بعد بھی راہ خدا میں خرچ کرنے کو تیار کم ہوتا ہے۔

اب میں اصل بات لکھتا ہوں جس سے میں دوچار رہوا۔اور کافی تکلیف ہوئی۔ میں نے ایک کتاب ''تلاش رسول'' لکھی۔ جو چھپ کر آ گئی۔اس کی ایک کاپی ایک عالم پروفیسر صاحب کی نظر کی۔کتاب ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر ۲۳ لائنیں ہیں اور فونٹ سائز بھی بڑا نہیں ہے،اس کتاب کو ان عالم صاحب نے تقریباً دس پندرہ منٹ میں پڑھ لیا اور کہا کہ اس کتاب میں کچھ بھی درست نہیں ہے، نہ تو طریق تحریر ہی درست ہے اور نہ ہی کتاب کے اندر جن مسائل کو لکھا گیا ہے وہ درست ہیں اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ نبی ﷺ پر الزام تراشی کی گئی ہے،اور قوم اس بارے میں بہت حساس ہے۔اس لئے ایسا لکھنا قوم کے جذبات کو بھڑکا سکتا ہے، گویا ایک ایسی دھمکی،جس سے سابق میں عالموں نے قوم کو بھڑکایا اور اپنے مدمقابل کو خاموش کر دیا۔موصوف نے یہ بھی کہا کہ پہلے عربی پڑھو اور پھر کچھ لکھو۔بغیر عربی زبان پڑھے قرآن کو نہیں سمجھا جا سکتا۔اگر بغیر عربی پڑھے لکھا تو سب کچھ غلط ہوگا اور اس کا انجام بھی خراب ہوگا۔یہ سن کر میں نے کہا حضرت سابق میں بہت سے مترجمین، مفسرین گزرے ہیں،انہوں نے عربی پڑھ کر ہی قرآن کا ترجمہ صحیح کیا ہے۔جو عربی متن میں ہے،وہی ان کے ترجمہ میں ہے۔پھر ان کا ترجمہ تفسیر پڑھ کر کچھ کہنے میں کیا پریشانی ہے؟ جو عربی عبارت ہے،وہی ترجمہ ہے۔جیسے سائنس کی کتابیں انگلش میں لکھی گئیں۔بعد میں دوسری زبان والوں نے ان کا ترجمہ اپنی زبان میں پڑھا،اور ان کو اس ترجمہ کو پڑھ کر ڈگری ملی۔اور وہی کام انہوں نے کیا جو انگلش والوں نے کیا۔یا جیسے ایک طب کی کتاب ''القانون'' عربی میں لکھی گئی بعد میں اس کا ترجمہ دوسری زبانوں میں ہوا۔دوسری زبان والوں نے اس سے وہی نتائج دئے جو عربی زبان والوں نے ثابت کئے۔پھر قرآن کا ترجمہ پڑھنے کے بعد پڑھنے والے پر کیوں پابندی لگاتے ہو کچھ لکھنا اور کہنے پر؟ کیا تراجم غلط ہیں؟اگر غلط ہیں تو پہلے ان تراجم، تفاسیر کو درست کرو۔درست کرنے سے پہلے کچھ بھی درست نہیں ہو سکتا۔پھر میں نے عرض کیا جناب اس کتاب میں جو آپ نے دس پندرہ منٹ میں پڑھ لی آپ کے نزدیک سب کچھ غلط ہے تو یہ بتا دیجئے کہ درست کیا ہے؟ سب نہیں تو دوچار باتیں تو بتائیے،جس سے مجھے اپنی غلطی کا پتہ چلے۔جواب میں حضرت نے کہا کہ میں فارغ البال نہیں ہوں، مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔یہ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ عالم صاحب نے ۸۴ صفحہ کی کتاب دس پندرہ منٹ میں پڑھ کر اس پر تبصرہ کر دیا تو بظاہر ان کا علم اور نظر بہت وسیع ہے،ایسی حالت میں جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کتاب میں سب غلط ہے تو یہ تب ہی معلوم ہوا، جب ان کو

صحیح چیز معلوم ہے۔معلوم ہونے پر تو ایک منٹ میں کافی باتیں بتا سکتے تھے۔جس سے میری اصلاح ہو جاتی۔ مگر نہیں بتا سکے اور خاموش ہو گئے۔

اس ملاقات میں موصوف کا جو طرز عمل سامنے آیا اس سے یہ بات میری عقل میں آئی کہ آج تک کسی بھی عالم نے قرآن کو صحیح طریقہ پر پیش نہیں کیا۔سب تراجم مشکوک ہیں۔اس خوف کی وجہ سے ان تراجم سے بات کرنے کو منع کیا جا رہا ہے۔اور طرفہ یہ کہ ترجمہ پڑھنے کو بھی منع کیا جاتا ہے۔ان سب پابندیوں سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ سابق میں عالموں سے بھول ہو گئی۔کیوں ہوئی؟ یہ تو وہی جانتے ہیں،مگر ہے حقیقت۔ جس کی چند مثالیں مختصراً ذیل میں درج کی جا رہی ہیں اور تفصیل تو اس کتاب ''قرآن بنام روایات عوام کی عدالت میں'' ملے گی،جس کا قارئین مطالعہ کریں گے۔

سب سے پہلے غور و فکر کر کے اس بات پر عمل ہونا تھا، جو اللہ کا اہم حکم ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ کے سامنے اگر کوئی ایسا مسئلہ آتا ہے،جس کے بارے میں وحی نازل نہیں ہوئی، یا وحی میں نازل تو ہوا مگر صاحب الرائے افراد سے اس بارے میں کچھ بات کرنی ہے کہ اس کو عمل میں لانے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے؟ تو اس بارے میں مشورہ کرو شوریٰ میں،اور یہی قیامت تک امت کے لئے اللہ کا حکم ہے اور یہی سنت رسولؐ ہے۔

اس حکم کے تحت قرآن کا ترجمہ یا فقہ شوریٰ کے اندر مشورہ سے ہونا چاہئے تھا، مگر نہیں ہوا۔اس لئے ایک ترجمہ ہونے کے بعد دوسرے عالم نے اس ترجمہ کو شک کی نظر سے دیکھا اور سابق عالم کو مکمل نہیں مانا،اور اسے تسلیم نہیں کیا،اور اپنا دوسرا ترجمہ پیش کر دیا۔اس اعتماد پر کہ یہ بالکل مکمل ہے۔مگر ان کے بعد والے نے ان کے ترجمہ کو بھی درست اور مکمل تسلیم نہ کیا۔اس لئے اس نے بھی انفرادی طور پر اپنا ترجمہ پیش کر دیا۔ اس طرح ہر آنے والے نے اپنے کو مکمل مانتے ہوئے سابقین پر شک کیا اور ترجموں کا ذخیرہ جمع ہوتا رہا، جو آج ہمارے سامنے ہے۔اور اتنی تعداد میں ہے کہ ان ترجمہ کرنے والوں اور ان ترجموں کی تعداد سے بھی غالبًا آدمی واقف نہ ہوگا۔ان ترجموں میں کہیں نہ کہیں اختلاف اور عربی متن سے دوری نظر آتی ہے۔جو اس بات کی دلیل ہے کہ ترجمہ پڑھنے سے عوام گمراہ ہو سکتے ہیں۔جس کا اظہار ببانگ دہل ہر عالم کرتا ہے کہ قرآن کو ترجمہ سے نہ پڑھنا چاہئے۔اور حقیقت بھی یہی سامنے آ رہی ہے کہ قرآن کا ترجمہ اکثر مقام پر متن اور قواعد کے مطابق نہیں کیا بلکہ روایات، شان نزول، اجماع، اسرائیلیات اور اپنے عقیدے کے مطابق کیا۔ جو اپنے اندر

بہت کچھ اختلاف رکھتے ہیں۔

ایسے ہی فقہ کا حال ہے۔ہر فقیہ کا فقہ اختلافی ہے،جس اختلاف کی وجہ سے ملت واحدہ میں بے شمار فرقے وجود میں آ گئے۔جس اختلاف کو اللہ شرک بتا رہا ہے۔مگر فقہا اور راویان اس کو درست بتا رہے ہیں یہ کہہ کر کہ اس اختلاف کی وجہ سے محمد ﷺ کی ہر ہر سنت پر عمل ہو رہا ہے اور یہاں تک لکھا ملتا ہے کہ اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو مجھے بڑا افسوس ہوتا کہ محمد ﷺ کے بہت سے اختلافی طریقوں پر عمل نہیں ہو پا رہا۔گویا فقہا اور راویان نے اپنے اختلاف کو درست ثابت کرنے کے لئے الزام محمد ﷺ پر لگا دیا کہ محمد ﷺ کی اختلافی سنت یا اختلاف امت، رحمت ہے، جب کہ اختلاف امت زحمت ہے۔ نبیؐ نے اختلاف کو صحیح کیا ہے (سورۃ بقرۃ آیت ۲۱۳) نہ کہ اختلاف کو درست بتایا، جیسا کہ تاریخ مذہب میں لکھا ملتا ہے۔ نبی کی طرف کو اختلاف کی نسبت کرنا نبی ﷺ کی کردار کشی ہے۔

تراجم کیوں محل نظر ہیں؟ اس کی کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں:-

(۱) سورۃ بقرہ (۲) آیت ۶:- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ٥

ترجمہ رائج الوقت:- بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے۔

اس آیت کا ترجمہ قواعد کے مطابق ہونا تھا، (یعنی ''ماضی'' کا لیکن مستقبل مضارع کا کر دیا، لفظ'' تنذرھم ''سے)۔لیکن اس لفظ سے پہلے حرف ''لم'' ہے اور ہر عربی داں جانتا ہے کہ جب مضارع پر حرف ''لم'' آتا ہے تو وہ ماضی ہو جاتا ہے۔اس قاعدے کے مطابق آیت کا ترجمہ ماضی کا ہونا تھا جو نہیں کیا گیا۔یعنی'' آپ نے ان کو ڈرایا یا نہ ڈرایا، وہ ایمان نہیں لا رہے''۔ یہ ہے صحیح ترجمہ، جو ماضی کا ہے۔رسولؐ نے اپنی پوری کوشش کی، لیکن وہ اس مقام پر کھڑے ہیں کہ ایمان نہیں لا رہے۔اس کوتاہی کو بھول نہیں کہا جا سکتا، بلکہ جان بوجھ کر شک پیدا کرنے کے لئے صرف نظر کہا جائے گا۔

(۲) سورۃ آل عمران (۳) آیت ۸۱:- وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ٥

ترجمہ رائج الوقت:- جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب جو حکمت ہے، دوں۔پھر

تمہارے پاس وہ رسول آئے، جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ بالا ترجمہ میں یہ لکھا ہے کہ اللہ نے سابق نبیوں سے عہد لیا کہ جب کوئی نبی اس تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے، جو تمہارے پاس ہے،تو اس پر ایمان لانا ہے۔تو کیا حضرت ابراہیمؑ کے آنے پر پہلے نبی زندہ تھے،یا حضرت موسیٰ،حضرت عیسیٰ کے سامنے زندہ تھے؟ جو ہر آنے والے پر سابقین ایمان لائیں؟ اگر ایسا ہے تو محمد ﷺ کے آنے پر بھی سب نبیوں کو زندہ ہونا تھا، جو ان پر ایمان لاتے۔کیا یہ ممکن ہے؟ ہرگز نہیں!

جدید نبی کے سامنے پہلا کوئی نبی زندہ نہیں ہوتا تھا۔پھر ایمان لانا کیسا؟ سابق نبی کے انتقال کے بعد ہی تو جدید نبی مبعوث کیا جاتا تھا، جو اس بگاڑ کو درست کرنے کے لئے، جو نبی کے غیاب میں عوام نے کر لیا ہوتا ہے۔اس لئے بالا ترجمہ محل نظر ہے۔

صحیح ترجمہ ملاحظہ ہو:-

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۸۱:- وہ وقت قابل ذکر ہے جب اللہ کے قانون نے نبی کے ذریعہ بنی اسرائیل (عوام) سے نبیوں کے لئے عہد لیا کہ بے شک میں نے تمہیں جو کتاب و حکمت عطا کی ہے، پھر اگر تمہارے پاس کوئی رسول اس کتاب کی تصدیق کرنے والا آئے تو تم اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۱۵۹:- وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ٥

ترجمہ رائج الوقت:- اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکا اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہونگے۔

ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ:-''اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان نہ لائے گا۔''

گویا ہر اہل کتاب کو اپنی موت سے پہلے، یا عیسیٰؑ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں کون لوگ شامل ہیں۔اہل کتاب کا مطلب ہے ''جن کے لئے کتاب نازل ہوئی''،لیکن مسلمان صرف یہود اور نصاریٰ کو ہی اہل کتاب تسلیم کرتے ہیں۔کیا مسلمان اہل کتاب نہیں ہیں؟ ان کے لئے قرآن نازل ہو چکا ہے تو یقیناً یہ بھی اہل کتاب ہیں۔کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے؟ یقیناً

نہیں ہے ۔اوران کے ساتھ ساتھ دنیا میں ہر انسانی آبادی اہل کتاب ہی ہے۔قرآن شاہد ہے۔مگر وہ لوگ اپنی کتاب اوراپنے رسول کو بھول چکے ہیں ۔ایک معنی میں تو یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کا عمل بھی کتاب پر نظر نہیں آتا،اس کو بھی بھولنا ہی مانا جائے گا۔قرآن کی تائید کے مطابق سب اہل کتاب ہیں ۔اس لئے مسلمانوں کو اہل کتاب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جب مسلمان بھی اہل کتاب ہیں تو حضرت عیسیٰ پر ان کی موت سے پہلے مسلمان بھی ان پر ایمان لائیں گے۔لیکن یہ بات کچھ عجیب سی ہے۔مسلمان تو حضرت عیسیٰ کے ساتھ ہر نبی پر ایمان لائے ہوئے ہیں، پھر مزید ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے عیسیٰ پر اس طرح ایمان لانے والی بات محل نظر ہے۔

مذکورہ بالاترجمہ اگر صحیح تسلیم کرلیا جائے جیسا کہ کیا جارہا ہے،تو معاملہ بڑا خطرناک ہے،وہ یہ کہ عیسائی لوگ مسلمانوں کو ورغلاتے ہیں کہ دیکھو قرآن شہادت دے رہا ہے کہ ہر اہل کتاب عیسیٰ پر ایمان لائے گا،اپنی موت سے پہلے۔اس لئے تم بھی اپنی موت سے پہلے اپنی زندگی میں عیسیٰ پر ایمان لاؤ،وہ زندہ ہیں۔تو بہت سے بھولے بھالے مسلمان عیسائی ہو جاتے ہیں۔ جب کہ آیت کا یہ ترجمہ غلط ہے۔جس سے نقصان ہو رہا ہے۔اس نقصان سے بہت آدمی مشکوک ہو رہے ہیں۔اس آیت کا صحیح ترجمہ درج کیا جارہا ہے:-

ترجمہ:-اور بے شک جو حقیقت میں اہل کتاب ہیں،وہ یقیناً (عیسیٰ اور قرآن کی پیش گوئی کے مطابق)ایمان لائے گا اس پر (یعنی محمدؐ پر)اپنی موت سے پہلے اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہونگے۔

سورہ التحریم (٦٦) آیت ا:-يَـاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللهُ لَكَ ▪ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَا جِكَ ط وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہ

ترجمہ رائج الوقت:-اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟(کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا،رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر:- نبیﷺ نے جس چیز کو اپنے لئے حرام کرلیا تھا وہ کیا تھی؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔اس سلسلے میں ایک وہ مشہور واقعہ ہے، جو صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے اپنے اوپر شہد حرام کرلیا تھا۔سنن نسائی میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک لونڈی تھی جس کو آپؐ نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا (شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔اس لونڈی کا نام ماریہ بتایا گیا ہے۔امام ابن حجر ایک تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مختلف طریق سے نقل ہوا ہے، جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں (یعنی ایک جھوٹا دوسرے

جھوٹے کی تائید کر رہا ہے)۔(نعوذ)دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے بیک وقت دونوں ہی واقعات اس آیت کے نزول کا سبب بنے ہوں (فتح الباری تفسیر سورت تحریم)۔امام شوکانی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے،اور دونوں قصوں کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کا اختیار کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔حتیٰ کہ رسول اللہﷺ بھی یہ اختیار نہیں رکھتے تھے۔

نوٹ:۔ جب اللہ کے حلال کو حرام کرنے کا اختیار کسی کو نہیں حتیٰ کہ رسول اللہﷺ کو بھی نہیں ،تو محمدﷺ نے یہ قدم کیسے اٹھایا؟ اور نبیؐ اس بات کو نہیں سمجھ سکے،جس بات کو مفسر اور مترجم نے سمجھ لیا۔کیا نبیؐ کی فہم سے ان لوگوں کی فہم زیادہ تھی؟ (نعوذ)۔

لیکن جس طرح سے ترجمہ وتفسیر کی ہے اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نبیؐ حرام حلال کا اختیار رکھتے تھے اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے (نعوذباللہ)۔ایسا نہیں ہے بلکہ بات دوسری ہے وہ یہ کہ نبیؐ نے اللہ کے حلال کو حرام نہیں کیا،نا ہی نبیؐ ایسا کر سکتے تھے۔آیت کے ترجمہ اور تفسیر میں عالموں نے یہ حرام کرنے کا کام ماضی میں بتایا ہے کہ نبیؐ نے اپنے اوپر شہد یا ماریہ کو حرام کرلیا تھا،تب اللہ نے اس کام پر گرفت کی۔اب دیکھا جائے کیا آیت میں درج لفظ ماضی میں کام کی اجازت دے رہا ہے؟ اگر یہ کام نبیؐ نے ماضی میں کرلیا ہوتا،جیسا کہ عالموں نے لکھا ہے،تو اس کے لئے لفظ فعل ماضی ''حَرَّمْتَ ''ہوتا کہ تو نے کیوں حرام کیا۔آیت میں لفظ ہے تحرم مضارع اور ''لم '' ساتھ میں ہے،اس لئے آیت کا مطلب ہوتا ہے ''اے نبی آپ کیوں حرام کریں گے اس چیز کو جو اللہ نے آپ کے لئے حلال کی ہے؟ ''جملہ استفہام ہے یعنی سوال کیا ہے۔اس لئے آپ اللہ کے حلال کو حرام نہیں کریں گے،اور نہ ہی آپ اپنی بیویوں کو راضی کرنے کے لئے ایسا کریں گے،یہ آیت کا مطلب ہے جس کو عالموں نے کیا سے کیا بنا دیا اور اس طرح سے نبی کی کردار کشی ہو رہی ہے۔

سورۃ عبس (٨٠) آیت ا:-عَبَسَ وَتَوَلّٰى ہ

سورۃ عبس (٨٠) آیت ٢:-اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ہ

سورۃ عبس (٨٠) آیت ٣:-وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ہ

سورۃ عبس (٨٠) آیت ٤:-اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ہ

ترجمہ رائج الوقت:-(ا)ترش رو ہوا،اور بے رخی برتی،

(٢)اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آگیا،

(٣)تمہیں کیا خبر شاید وہ سدھر جائے،

(٤)یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لئے نافع ہو۔

تفسیر:-اور بعد کے فقروں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ترش روئی اور بے رخی برتنے والے خود نبیﷺ تھے۔ جس نابینا کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت ابن ام مکتوم تھے جو حضرت خدیجہؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔نبیؐ اس وقت کفار مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کو دین اسلام کی دعوت دینے میں مشغول تھے کہ اتنے میں یہ نابینا حاضر ہوئے اور انہوں نے کچھ سوالات کرنے چاہے، حضورﷺ کو اس موقع پر ان کی مداخلت ناگوار گزری۔

یہ رہا ترجمہ اور تفسیر۔اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضورﷺ نے اس نابینا سے ترش روئی برتی، جس پر اللہ کو گرفت کرنی پڑی (نعوذ)۔اگر ترش ہونے اور بے رخی برتنے کا کام حضورﷺ کا ہوتا تو آیت میں لفظ ''عبست'' آتا کہ تو نے کیوں ترش روئی برتی؟ جب کہ آیت میں لفظ ''عبس'' ہے۔اس لفظ سے حضورﷺ کا کچھ بھی واسطہ نہیں ہے، یہ فعل ترش روئی کا کسی اور کا ہے، جو حضورﷺ کے پاس بیٹھا تھا۔جس کی خبر اللہ نے نبیؐ کو دی، جو حقیقت ہے۔آیت کا کیا ترجمہ ہونا چاہئے ذیل میں درج کیا جارہا ہے:-

سورۃ عبس (٨٠) آیت ا:-وہ ترش رو ہوا اور بے رخی برتی،

سورۃ عبس (٨٠) آیت ٢:-اس بات پر کہ ایک نابینا اس کے (یعنی محمدﷺ کے)پاس آیا،

سورۃ عبس (٨٠) آیت ٣:-آپ کو اللہ سے بڑھ کر اور کون بتا سکتا ہے؟ شاید وہ نابینا (جس کو وہ جھڑک رہا ہے)سدھر جائے،

سورۃ عبس (٨٠) آیت ٤:-یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لئے مفید ہو جائے۔

یہ ہے اصل بات۔مزید تفصیل ''منظم مفہوم القرآن اردو ہندی'' جس کو میں نے ہی لکھا ہے،مذکورہ بالا تشریحات سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ بہت جگہ قرآن کا ترجمہ اصل متن کا ساتھ نہیں دے رہا اور غالباً ہر عالم کو اس کا احساس ہے،اس لئے ہی قرآن کا ترجمہ پڑھنے کو منع کیا جاتا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ ہر آنے والے عالم نے سابق عالم کا ترجمہ اور فقہ قبول نہیں کیا اور اپنا ترجمہ اور فقہ اور تفسیر پیش کیا، جو اختلافی ہیں۔اور اس اختلاف سے فرقے بنے اور ہر زمانہ میں ہوشیار عالم نے نظام وقت سے مل کر اپنا سکہ چلایا،من مانی کی اور مخالف کو تنگ

کر کے خاموش کیا،اس بات کی شہادت ہر زمانہ کی تاریخ میں مل جائے گی۔اس وجہ سے اصل دین کا دامن قوم کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

آج بھی عالموں کی اجارہ داری عروج پر ہے، جس کی زندہ مثال ٣-٤ مارچ ٢٠١٢ء میں ہونے والے سیمنار، جو اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ میں ہوا، دیکھنے کو ملی۔ہوا یہ کہ ایک پروفیسر عارف الاسلام صاحب جو شعبہ شماریات میں ہیں ان کو اپنا مقالہ پڑھنے کی اجازت دی گئی۔لیکن ٢ مارچ ٢٠١٢ء کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے رات میں ان کو اطلاع دی گئی کہ آپ کا مقالہ خارج کیا جاتا ہے،آپ نہ آئیں۔اجلاس کے منتظمین یہ قدم اٹھانے پر کیوں تیار ہوئے؟ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ موصوف نے غالباً کچھ ایسے سوالات قائم کئے ہوں گے، جس کو نظام وقت نے برداشت نہ کیا ہوگا۔ایسے ہی جبر واجارہ داری کی وجہ سے صحیح دین سامنے نہیں آپاتا۔اور گاڑی اسی لائن پر چلتی رہتی ہے، جس پر چلا دی گئی، جو غلط ہے۔اور اسی غلط سے ملت اسلامیہ کے لئے پریشانیاں ہو رہی ہیں جن کے بارے میں یہ سیمنار تھا۔اور یہ پریشانیاں وقت کے ساتھ بڑھتی ہی رہیں گی۔اگر علماء کرام نے اپنا یہ جبر واجارہ داری کا رویہ ترک نہ کیا،ترک نہ کرنے پر وہی انجام سامنے آتا رہے گا، جو آرہا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک۔اللہ رحم کرے۔

(٧)

شان نزول

سورۃ ہود (١١) آیت ١١٤:-اور دن کے دونوں کناروں (یعنی صبح اور شام کے اوقات میں)اور رات کی چند ساعات میں نماز پڑھا کرو کچھ شک نہیں کہ نیکیاں (انسان کو) گناہوں سے دور کر دیتی ہیں روک دیتی ہیں یہ ان کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی نماز قاعدے سے پڑھتا ہے وہ گناہ کرنے سے رک جاتا ہے۔

دوسری آیت پیش ہے۔

سورۃ العنکبوت (٢٩) آیت ٤٥:-(اے محمدؐ!) تلاوت اور پیروی کرو اس وحی کی جو تمہاری طرف الکتاب سے بھیجی گئی ہے۔اور نماز قائم کرو یقیناً نماز (اللہ کا ذکر ہے) بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور یقیناً اللہ

کا ذکر نماز بڑی چیز ہے۔اللہ جانتا ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو۔

یہ رہا نماز کے بارے میں جو اللہ نے بتایا ہے۔یعنی نماز انسان کو برے کام کرنے سے روکتی ہے اور انسان نیک بن جاتا ہے۔مگر اس کے خلاف روایات میں کیا ہے جو اس آیت کا شان نزول بنا؟ یعنی اللہ نے یہ آیات نازل کی۔

بخاری، جلد دوم، کتاب التفسیر، صفحہ ۸۱۲، باب ۷۲۲ میں "**واقم الصلوة طرفی النهار**" کی تفسیر۔اور نماز قائم رکھو دن کے دونوں کناروں اور رات کے حصوں میں، بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔حدیث نمبر ۱۷۹۸۔حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے ایک پرائی عورت کو بوسہ دیا۔(غلطی کا احساس ہونے پر) وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا اور آپؐ سے اس واقعہ کا ذکر کر دیا۔پس اس بارے میں یہ آیت نازل ہو گئی۔"اور نماز قائم رکھو دن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں، بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے (آیت ۱۱۴)"۔وہ شخص عرض گزار ہوا کہ کیا یہ حکم صرف میرے لئے ہے؟ فرمایا میرے ہر امتی کے لئے ہے۔

اس شان نزول پر غور کیجئے۔اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اور بعد کو بھی ہر آدمی اجنبی عورت کا بوسہ لینا گناہ جانتا ہے۔مگر حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اس گناہ کو کرنے کے بعد معاف کیسے ہوگا۔ہر آدمی ڈرتا تھا۔اور ڈر کی وجہ سے یہ گناہ بھی شاید کم ہوتا ہو۔مگر اس شان نزول نے گناہ کرنے کا راستہ صاف کر دیا کہ گناہ کرو اور نماز پڑھو۔کیسا اچھا علاج ہے۔اس آدمی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جس نے ایسا کام کیا اور اللہ نے اس کا علاج بتا دیا، اور وہ علاج نبی ﷺ نے فرما دیا، ہر امتی کے لئے کہ برائی کرو اور نماز پڑھ لو، نماز برائی کو ختم کر دیتی ہے۔کیا یہ ممکن ہے؟

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۸۷:-اے ایمان والو! اللہ نے جو پاک چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں حرام مت کرنا اور حد سے آگے نہ بڑھو۔حد سے آگے بڑھنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۸۸:-لہٰذا جتنی حلال اور پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ اور جس اللہ پر تمہارا ایمان ہے اس کی نافرمانی سے ڈرتے رہو۔

یہ ہے اللہ کا حکم۔کہ پاک اور حلال چیزوں کو استعمال کرو، حرام سے بچو۔لیکن شان نزول کیا ہے؟ دیکھا جائے:-

بخاری، جلد دوم، کتاب التفسیر، باب ۶۶۸۔"**لا تحرموا طيبٰت احل الله لكم**" کی تفسیر۔حدیث نمبر ۱۷۴۸، صفحہ ۷۷۲۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم جہاد کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں۔ہم نے کہا کہ کیا ہم اپنے آپ کو خصی نہ کر لیں؟ آپؐ نے ہمیں ایسا کرنے سے روکا اور ہمیں اجازت مرحمت فرمائی کہ تھوڑی مدت کے لئے جو عورت راضی ہو جائے، اُس عورت سے نکاح کر لیا جائے، آپؐ نے پھر اس آیت کی تلاوت کی "حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں" (سورۃ مائدہ آیت ۸۷)۔

گویا اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو نفس نے پریشان کیا تو اللہ نے یہ آیت نازل کر کے متعہ کا حکم دے دیا، کیونکہ اللہ اپنے نیک بندوں کو پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔یہاں ایک بات قابل غور ہے وہ یہ کہ شاید اللہ نے یہ حکم مردوں کی پریشانی دور کرنے کو دیا (نعوذ باللہ) کہ جب آدمی کا دل چاہے غیر عورت کا بوسہ لے لے۔جب دل چاہے متعہ کر لے۔عورت کو پابند کر دیا۔کیا عورت کا نفس نہیں ہے؟ کیا عورت کسی آدمی کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی؟ کیا اس کی نماز کفارہ نہیں ہو سکتی؟ اور کیا عورت اپنے شوہر سے دور ہونے کی وجہ سے آدمی کی طرح متعہ نہیں کر سکتی؟ عورت کو پابند کر دیا، یہ ظلم ہے۔کیا عورت اللہ کی بندی نہیں ہے؟ یقیناً اللہ کی بندی ہے۔اس لئے اللہ کے یہاں دو پیمانے نہیں ہیں۔وہ مرد عورت دونوں کا رب ہے، دونوں پر رحم کرتا ہے۔دونوں کو جزا اور سزا دیتا ہے، ایک کو نہیں۔یہ جو کچھ لکھا ملتا ہے غلط ہے۔آدمیوں نے اپنے مزے کے لئے لکھ دیا ہے۔اور یہ بھی غور کریں کہ کیا اس طرح لکھنے سے اللہ اور رسولؐ پر الزام نہیں آ رہا؟ اس طرح رسول کی کردار کشی ہو رہی ہے۔ان لوگوں کو اللہ کا ذرا بھی خوف نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ رسول ﷺ نے ایسا کچھ نہیں فرمایا، نہ نماز سے برائیوں کو مٹانے کو کہا اور نہ ہی متعہ کی اجازت دی۔نماز کا پابند ہونے کے بعد آدمی برائیوں سے رک جاتا ہے اور یہ متعہ بھی برائی ہے، اس لئے کہ کسی نیک آدمی نے اس طرح بوسہ لیا اور نہ ہی کسی نے متعہ کیا ہوگا۔اگر کیا تھا اور رسول ﷺ کے حکم سے کیا تھا تو یہ سنت رسول ﷺ ہوئی۔آج بھی اور قیامت تک اس کو جاری رہنا چاہئے۔لیکن یہ سب کچھ بکواس ہے رسول ﷺ ایسا حکم نہیں دے سکتے تھے۔

(۸)

کیا نبیؐ پر جادو ہوا؟

ہر خاص و عام کی زبان پر یہ الفاظ ہیں کہ محمد ﷺ پر جادو کا اثر ہو گیا تھا۔اس کی کیا حقیقت ہے؟ دیکھا جائے:-

احادیث اور تفاسیر میں بھی یہی درج ہے، اور جن راویوں سے یہ روایات ملی ہیں، وہ ثقہ اور قابل اعتبار ہیں۔قرآن کی آیات پیش ہیں، ملاحظہ ہوں:-

سورۃ اعراف (۷) آیت ۱۸۴:-کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے رفیق (محمد ﷺ) کو جنون نہیں، وہ سحر زدہ نہیں، وہ ظاہر ڈر سنانے والے ہیں۔

سورۃ الحجر (۱۵) آیت ۶:-اور (کفار) کہتے ہیں کہ وہ شخص جس پر قرآن نصیحت کی کتاب نازل ہوئی ہے، وہ تو دیوانہ ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۴۷:-(اے رسول!) جب وہ لوگ تمہاری طرف سننے کے لئے کان لگاتے ہیں، تو وہ جس طرح سنتے ہیں، اسے ہم خوب جانتے ہیں اور جب وہ ظالم (تمہارے خلاف) آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم جس آدمی کی پیروی کرتے ہو یقیناً اس پر جادو کیا گیا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۴۸:-غور کرو! ان لوگوں نے تمہاری نسبت کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں، جس کی وجہ سے وہ گمراہی میں پڑ گئے ہیں، اب راستہ نہیں پا سکتے۔

سورۃ المومنون (۲۳) آیت ۲۵:-کچھ نہیں وہ شخص پاگل ہو گیا ہے (اس کی باتوں پر کان نہ دھرو) کچھ دنوں تک اور دیکھ لو (شاید آرام ہو جائے)۔

سورۃ المومنون (۲۳) آیت ۷۰:-یا پھر وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو سودا ہے؟ نہیں! بلکہ وہ حق لایا ہے اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں۔

سورۃ الفرقان (۲۵) آیت ۸:-یا اس کی طرف آسمان سے خزانہ اتارا جاتا یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا کہ اس میں کھایا کرتا، اور ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔

سورۃ الفرقان (۲۵) آیت ۹:-(اے رسول ﷺ) دیکھو تو وہ تمہارے بارے میں کس کس طرح کی باتیں کرتے ہیں، سو گمراہ ہو گئے اور راستہ نہیں پا سکتے۔

سورۃ شعراء (۲۶) آیت ۱۸۵:-وہ کہنے لگے کہ تم ان میں سے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔

سورۃ شعراء (۲۶) آیت ۱۸۶:-(فرعون نے) کہا کہ یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے باولا ہے۔

سورۃ الذریٰت (۵۱) آیت ۵۲:-اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو رسول آتا وہ اس کو جادوگر یا دیوانہ کہتے۔

سورۃ الذریٰت (۵۱) آیت ۵۳:-کیا وہ لوگ ایک دوسرے کو اسی طرح کی وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ وہ شریر لوگ ہیں۔

سورۃ القلم (۶۸) آیت ۲:-کہ اے محمد ﷺ آپ اپنے اللہ کے فضل سے دیوانے یا جادو زدہ نہیں ہیں۔

سورۃ القلم (۶۸) آیت ۶:-سو ابھی جلد آپ بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔

سورۃ تکویر (۸۱) آیت ۲۲:-اور تمہارا ساتھی (محمد ﷺ) دیوانہ نہیں ہے۔

قرآن کی آیات میں کیا ہے وہ ہم نے پڑھ لیا۔اب حدیث میں کیا ہے اس کو دیکھیں:-

بخاری، جلد دوم، کتاب جہاد، صفحہ ۱۳۹، حدیث ۴۰۹:-حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی ﷺ پر ایک مرتبہ جادو کیا گیا، یہاں تک کہ آپ کو (اس جادو کے اثر سے) یہ خیال ہوتا تھا کہ آپؐ نے ایک کام کیا ہے۔حالانکہ آپؐ

نے نہ کیا ہوتا۔

آیات حدیث اور قول علماء پر بحث:-

مخالف لوگ نبی کو دیوانہ یعنی جادو کا مارا بتلاتے تھے، جو آیات میں ان کا قول درج ہے۔ لیکن ان کے یہ اقوال محض جملہ ہائے معترضہ استفہام کے طور پر تھے، جن میں استہزاء کا پہلو شامل تھا۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ نبیؑ پر جادو کا کوئی اثر نہیں ہے، مگر نبی کی صداقت کو عوام الناس کی نظر میں مشتبہ بنانے کے مقصد سے اس طرح کی بہتان تراشی کرتے تھے۔

بہر حال ان آیات میں اللہ نے ان کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے اعلان کیا کہ یہ نبیؑ جس کو تم دیوانہ کہتے ہو دیوانہ نہیں ہے۔ اس پر جادو کا اثر نہیں ہے۔ اس واضح اعلان کے بعد اس بات کی گنجائش کہاں نکلتی ہے کہ ہمارے محدثین یہ روایت کریں کہ نبیؑ پر جادو کا اثر تھا اور مفسرین اور علما اپنی تحریروں میں اس کو جگہ دیں۔ خواہ راوی محدثین کتنے ہی ثقہ بتلائے جائیں۔ ان کی یہ بات غلط ہے۔ اور یقیناً بات اللہ ہی کی سچی ہے، اور وہ یہ کہ نبیؑ پر جادو نہیں ہوا۔

اللہ کی اس تردید کے باوجود افسوس صد افسوس بخاری کی روایت جو اوپر لکھی ہے، میں کہا گیا ہے کہ نبیؑ پر جادو ہو گیا تھا اور اتنا اثر ہوا کہ آپ کوئی کام کرتے تھے مگر ان کو لگتا تھا کہ نہیں کیا یا کوئی کام نہیں کیا ہوتا مگر لگتا تھا کہ کیا (نعوذ)۔ ان باتوں کو پڑھ کر مخالفین اسلام مخالفین رسول ﷺ بھلا الزام تراشی سے رک جائیں گے؟ وہ ضرور الزام لگائیں گے اور لگا رہے ہیں۔ اور ہماری روایات سے ہی اپنے الزام کی تائید کر رہے ہیں۔ اگر ان روایات کو درست مان لیا جائے کہ نبیؑ پر جادو کا اثر ہو سکتا تھا اور ان روایات کے مطابق ہو گیا تھا تو پھر نبوت، قرآن، اسلام اور شریعت کی صداقت ہی شبہات و شکوک کے گھیرے میں آجائے گی۔ اس صورت میں نہیں کہا جا سکتا کہ دشمنوں اور مخالفین نے جادو کے زور سے نبیؑ سے کیا کیا کہلوا لیا ہو اور کیا کیا کروا لیا ہو۔ جب روایات کے مطابق نبی کی یادداشت متاثر ہو گئی تھی، تو ہو سکتا ہے کہ اللہ نے جو وحی نازل فرمائی تھی، اسے نبی بھول گئے ہوں اور وہ قرآن میں شامل ہونے سے چھوٹ گئی ہو؟ اور کچھ ایسی باتیں جو اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی تھیں انہیں آپؑ نے وحی سمجھ کر قرآن میں شامل کر دیا ہو؟ اور نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن میں کتنی آیات اللہ کی طرف سے ہوں اور کتنی جادو کے اثر سے مخالفین نے شامل کرا دی ہوں؟ یہی نہیں بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ جادو کے زیر اثر ہی محمد ﷺ کو نبوت کا دعویٰ کرنے پر اکسایا گیا ہو؟ (نعوذ)

دیکھا ہم نے کہ نبیؑ پر جادو کے اثرات مرتب ہونے کی روایات کو درست مان لینے میں کتنے مضمرات، مفسدات اور خرابیوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ زمین ہمارے پیروں تلے سے کھسک جائے گی اور ہم کو کھڑے ہونے کے لئے ایک تل بھر جگہ بھی میسر نہ ہو گی۔ ایک قابل غور پہلو یہ ہے کہ صحابہ کبار بالخصوص حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، اور علیؓ جو ہر وقت رسول ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، کے ذریعہ اس طرح کی روایات کیوں منقول نہیں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس طرح کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ افسوس ہے کہ یہ روایات کھلم کھلا قرآن سے متصادم ہیں، لیکن پھر بھی ان کو کتب روایات میں جگہ ملی ہوئی ہے۔

مزید افسوس اس بات کا ہے کہ احادیث کی کتابوں میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ رسول ﷺ نے جھاڑ پھونک اور عملیات کے ذریعہ علاج کرنے کی اجازت دی ہے۔ ان روایات کے سبب بھولے بھالے بہت سے پڑھے لکھے مسلم عوام کے ذہن میں یہ بات گھر کر گئی ہے کہ جادو ٹونے کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور جھاڑ پھونک اور عملیات کے ذریعہ بہت سے امراض کا علاج ہو سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ جادو ٹونے میں یقین رکھتا ہے اور بہت سے عاملین تعویز، گنڈے، جھاڑ پھونک کی دکانیں لے کر بیٹھ گئے ہیں اور وہ عام مسلمانوں کو نہ صرف لوٹ رہے ہیں بلکہ ان کے عقائد کو بھی خراب کر رہے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب نبیؑ پر جادو ہو سکتا ہے تو ہم پر کیوں نہیں ہو سکتا؟

اب ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم ببانگ دہل اعلان کریں کہ نبی ﷺ پر جادو نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ہوا۔ نبی کی ذات اس طرح کی باتوں سے پاک ہے۔ اس لئے ان روایات کی سختی سے تردید کریں جو اس کے برخلاف کتب احادیث میں جگہ پا گئی ہیں۔

بخاری کی ایک روایت کا مفہوم:- حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو میری امت میں جھاڑ پھونک نہ کرے گا وہ بغیر حساب جنت میں داخل ہو جائے گا۔

پھر جھاڑ پھونک کی گنجائش کہاں ہے؟ قرآن نے کہا کہ نبیؑ پر جادو نہیں ہوا، اور نہ ہی ہو سکتا تھا اور جو یہ کہتا ہے کہ نبیؑ پر جادو ہوا وہ گمراہ ہو گیا ہے اس کو صحیح راہ نہیں مل سکتی۔ لیکن اس تردید اور حکم کے باوجود ہمارے یہاں ہر خاص و عام یہی کہتا ہے کہ نبیؑ پر جادو ہوا اور احادیث بھی اس بات کو ہی آگے بڑھا رہی ہیں تو فیصلہ کیا جائے حق پر کون ہے؟ اس لئے قرآن کی سورۃ فرقان آیت ۹ کا فیصلہ یہ ہے کہ نبیؑ کو سحر زدہ کہنے والے گمراہ ہیں۔ ان کو اپنے اس خیال سے توبہ کرنی چاہئے، تب ہی خیر ہے۔ ورنہ دوزخ میں جانا ہے۔ اللہ رحم

کرے۔

(۹)

حیض

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۲۲۲:- اے رسول! لوگ آپ سے عورتوں کی ماہواری کی حالت کے متعلق سوال کریں گے۔ آپ کہہ دینا کہ وہ بیماری (تکلیف) کے دن ہیں پس تم (ان دنوں میں) عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک وہ پاک و صاف نہ ہو جائیں پھر وہ جب پاک صاف ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ اس طرح جیسا جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے اللہ ان کو پسند کرتا ہے جو بدی سے رُک جائیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔

آیت میں بغیر کسی جھول کے صاف الفاظ میں درج ہے کہ جب عورت حیض میں مبتلا ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ، اس سے الگ رہو۔ یہ ایک تکلیف دینے والی بیماری ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے، اس کو ماننا ضروری ہے۔ اس لئے نبی ﷺ نے اس حکم کی پابندی کی کسی بھی حالت میں مخالفت نہیں کی۔ مگر افسوس صد افسوس نبیؑ کے لئے حدیث میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ ایسی حالت میں مباشرت کرتے تھے۔ جس مباشرت لفظ کا ترجمہ اختلاط کیا ہے، اختلاط کا مطلب بھی اگر دیکھا جائے تو قریب ہونا اور لپٹنا ہے مگر حدیث میں ہے:- ''فیباشرونی وانا حائضٌ'' حدیث درج ہے:-

بخاری، جلد اول، باب الحیض، صفحہ ۱۲۳، باب حائضہ عورت سے اختلاط کرنا (درست ہے) حدیث ۲۸۸:- عائشہؓ کہتی ہیں، میں اور نبی ﷺ ایک ظرف سے غسل کرتے تھے اور ہم دونوں جنبی ہوتے تھے اور حالت

حیض میں مجھے حکم دیتے تھے تو میں ازار پہن لیتی تھی پھر آپؑ مجھ سے اختلاط کرتے تھے اور آپؑ بحالت اعتکاف اپنا سر میری طرف نکال دیتے تھے اور میں اس کو دھو دیتی تھی۔ حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

حدیث ۲۸۹:- عائشہؓ کہتی ہیں، ہم میں سے جب کوئی بیوی حائضہ ہوتی اور رسول خدا ﷺ اس سے اختلاط کرنا چاہتے تو اسے حکم دیتے تھے کہ اپنے حیض (کے غلبہ) کی حالت میں ازار پہن لے تبھی آپؑ اس سے اختلاط کرتے تھے۔ عائشہؓ نے کہا کہ تم میں سے اپنی حاجت پر کون اس قدر قابو رکھتا ہے جس قدر نبی ﷺ اپنی خواہش پر قابو رکھتے تھے۔

حدیث ۲۹۱:- میمونہؓ کہتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ جب اپنی بیویوں میں سے کسی بیوی کے ساتھ اختلاط کرنا چاہتے تو اسے حکم دیتے کہ وہ حالت حیض میں اپنا ازار پہن لے۔

مذکورہ بالا تین حدیثوں میں لکھا ہے کہ محمد ﷺ کی ازواج میں سے جب کسی کو حیض آتا تھا تو اس سے کہتے تھے کہ اپنا ازار پہن لے وہ پہن لیتی تھی۔ اور محمد ﷺ اس سے اختلاط کرتے تھے۔ اختلاط کے معنی بھی تو ملنے اور قریب ہونے کے ہیں۔ جب کہ حدیث میں عربی میں لکھا ہے مجھ سے مباشرت کرتے تھے اور میں حیض سے ہوتی تھی، اللہ تو قریب جانے کو منع کرتا ہے اور حدیث اختلاط کو کہتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب حیض آتا تھا تو ازار پہن لینے کو کہا جاتا تھا تو کیا جب حیض نہیں آتا تھا نبی کی ازواج (نعوذ) کیا پہنے ہوتی تھیں؟ اب ہم کو غور کرنا ہے، درست کیا ہے؟

(۱۰)

مسئلہ کتابت

سورۃ نور (۲۴) آیت ۳۳:- اور جن کو نکاح کا مقدور نہ ہو وہ پاک دامنی اختیار کئے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور جو مملکت ایمان (یعنی جو تمہاری حفاظت میں ہوں) تم سے مکاتب برابری چاہیں، یعنی اب وہ تمہارے ملک میں اپنا انتظام خود کر سکیں اور تم ان میں نیکی اور صلاحیت پاؤ (اور ان کا اچھی طرح امتحان ہو گیا ہو، یعنی انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہو کہ وہ وفادار ہیں، منافق یا جاسوس نہیں ہیں ۶۰-۱۰) تو ان سے مکاتب کر لو، یعنی شہری برابری کا پروانہ دید و شناختی کارڈ اور اپنے برابر حقوق دو (اور یہی

نہیں بلکہ)اللہ نے جو مال تم کو دیا ہے اس میں سے ان کو بھی دو (جس سے وہ اپنا کاروبار کر کے خود کفیل ہو جائیں)اوران نو جوان عورتوں کو جو نکاح کے لائق ہوں، انہیں نکاح سے نہ روکو جب کہ وہ نکاح کر کے پاک دامن رہنا چاہتی ہوں ۔کیا تم دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے ان کو نکاح سے روک کر بدکاری کرنے پر مجبور کرنا چاہتے ہو؟ اور جوان کو مجبور کرے گا (تو وہ گنہگار رہوگا)اوران کو مجبور کئے جانے کے بعد اللہ ان کو بخشنے والا مہربان ہے۔

آیات بالا میں اور باتوں کے ساتھ ایک اہم بات یہ ہے کہ جو لوگ ہجرت کر کے مسلم ملک میں آجائیں، تو وہ ایسے ہی آزاد نہیں پھریں گے، بلکہ مسلم حکومت ان کو اپنی حفاظت میں لے لے گی، یعنی وہ ما ملکت ایمان ہونگے اوران کی دیکھ بھال حکومت کرے گی، اوران کی دیکھ بھال کرنے والے شعبہ کا ایک حاکم ہوگا، اگر وہ ایسے ہی آزاد پھریں گے تو اوباش قسم کے آدمی ان کو غلط راہ پر لگا دیں گے، اور معاشرہ خراب ہوگا۔ اس لئے ان کو اپنی حفاظت میں لیا جائے گا۔ اوران کی حفاظت کی جائے گی، تربیت کی جائے گی اوران کو اچھی طرح سے پرکھا جائے گا، جب وہ اپنے امتحان میں پورے اتر جائیں گے اوران کے اندر اتنی صلاحیت آجائے گی کہ وہ اپنا انتظام بغیر کسی دباؤ کے خود کرلیں گے تو ان کو ایک شناختی کارڈ دیا جائے گا۔ اس کارڈ سے ان کو اپنا برابر کا شہری تسلیم کیا جائے گا، جو کہ ہر ملک کا نظام ہے۔ اگر کسی آدمی کے پاس شناختی کارڈ نہیں ہوتا ہے تو اس کو مجرم مانا جاتا ہے، اس لئے ان ماملکت ایمان کو شناختی کارڈ دیا جائے گا، جس سے ان کو کوئی پریشان نہ کرے اور یہی نہیں، بلکہ ان کو اپنا کاروبار کرنے کے لئے کچھ رقم بھی دی جائے گی۔ یہ ہے مسئلہ مکاتب۔ مگر ہمارے یہاں اس کو کیسے لکھا ہے، پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ ہو:-

آیت ۳۳ کا ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی ۔اوران لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہئے، جو اپنا نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے مالدار بنا دے۔ تمہارے غلاموں میں سے جو کوئی تمہیں کچھ دے کر آزادی کی تحریر کرانا چاہے تو تم ایسی تحریر انہیں دے دیا کرو، اگر تم کو ان میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو۔ اور اللہ نے جو مال تمہیں دے رکھا ہے، اس میں سے انہیں بھی دو۔ تمہاری جو لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہوں، انہیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو کوئی انہیں مجبور کرے تو اللہ تعالیٰ ان پر جبر کے بعد بخش دینے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

مکاتب اس غلام کو کہا جاتا ہے جو اپنے مالک سے معاہدہ کرلیتا ہے کہ میں اتنی رقم جمع کر کے ادا کر

دوں گا تو آزادی کا مستحق ہو جاؤنگا۔ (بھلائی نظر آنے) کا مطلب ہے کہ اس کے صدق وامانت پر تمہیں یقین ہو یا کسی سے حرفت وصنعت سے وہ آگاہی رکھتا ہو تا کہ وہ محنت کر کے کمائے اور رقم ادا کر دے۔ اسلام نے چونکہ زیادہ سے زیادہ غلامی کی حوصلہ شکنی کی پالیسی اپنائی تھی۔ اس لئے یہاں بھی مالکوں کو تاکید کی گئی کہ مکاتب کے خواہش مند غلاموں سے معاہدہ کرنے میں تامل نہ کرو بشرطیکہ تمہیں ان کے اندر ایسی بات معلوم ہو کہ جس سے تمہاری رقم کی ادائیگی بھی ممکن ہو۔ بعض علماء کے نزدیک یہ امر وجوب کے لئے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لئے ہے۔

کتاب المکاتب بخاری جلد اول صفحہ ۵۵۸ حدیث میں کیا درج ہے:- مکاتب کی کون کون سی شرطیں جائز ہیں؟ اور جو شخص ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ میں نہ ہو؟ (اور وہ شرط باطل ہے)۔

اس کی روایت میں حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے (حدیث ۲۳۶۴) ۔حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ بریرہ ان کے پاس اپنی کتابت میں ان سے مدد لینے آئیں اور (اس وقت تک)انہوں نے اپنی کتابت میں سے کچھ بھی ادا نہ کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا کہ تم اپنے مالک کے پاس لوٹ جاؤ اگر وہ چاہیں کہ میں تمہاری کتابت کا روپیہ تمہاری طرف سے ادا کر دوں اور تمہاری ولاء مجھے ملے تو میں ادا کر دوں گی، پس بریرہ نے اس کا ذکر اپنے مالک سے کیا۔ انہوں نے انکار کردیا اور کہا کہ اگر وہ ثواب کی خواہش رکھتی ہوں تو اس طرح کریں کہ ولا تمہاری ہم کو ملے گی۔ پس حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ تم ولاء لے لو اور آزاد کر دو۔ ولا تو اسی کو ملے گی جو آزاد کرے گا۔ اس کے بعد رسول خدا ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو ایسی شرطیں کرتے ہیں، جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، یاد رکھو جو شخص ایسی شرطیں لگائے گا، جو کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے تو وہ شرط اس کے لئے نافذ نہ ہوگی۔ اگر چہ وہ سو مرتبہ شرط لگائے۔ اللہ تعالیٰ کی شرط بہت سچی اور بہت مضبوط ہے۔

کتاب اللہ میں مسئلہ کتابت میں ولاء کی شرط کہاں ہے بتایا جائے؟ اور غلام لونڈی بنانا کس آیت سے ثابت ہے؟ قرآن میں کیا ہے؟ اور اوپر درج کیا ہے؟ ملاحظہ ہو، اور پھر درج کیا جارہا ہے،

سورۃ محمد (۴۷) آیت ۴:- تو جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو تو گردنیں مارنا یعنی کاٹنا (کیونکہ جنگ میں تو قتال ہوتا ہی ہے دونوں فریق ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں) یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو جائیں، مخالفانہ کارروائیاں کرنے کی طاقت ختم ہو جائے، وہ ایسی حالت میں ہو جائیں کہ وہ اپنے ہتھیار ڈال دیں، تو ان کو

گرفتار کرلو۔ امن ہونے کی حالت میں ان قیدیوں کو (اپنے قیدیوں کے بدلے چھوڑ دو)فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ اور اگر کسی پر رقم نہیں ہے تو رحم کر کے چھوڑ دو، ہر حال میں رہائی ملنی ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو آپ ہی بدلہ لیتا۔ مگر یہ آپس میں جنگ اس لئے ہوتی ہے کہ ایک دوسرے سے جانچے جاؤ کہ کون مومن ہے اور کون منافق اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے مارے جائیں گے، اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہیں کرے گا۔

یہ سورت، ۱ ہجری میں نازل ہو چکی تھی۔ اس سورت کے بعد جنگیں شروع ہوئیں۔ اس سورت کی اس آیت میں ہے کہ جنگی قیدی امن ہونے کی حالت میں آزاد کئے جائیں گے، ان کو لونڈی غلام نہیں بنایا جائے گا۔

جب اللہ کا حکم یہ ہے تو پھر محمد ﷺ کس طرح لونڈی غلام بنا سکتے تھے؟ جب لونڈی غلام نہیں بنائے جائیں گے، تو آزاد کرنے اور رقم لے کر مکاتبت کرنے کا سوال کہاں سے آگیا؟ دوسری بات یہ کہ آیت میں درج ہے کہ جو ماملکت آپ کی تحویل میں ہیں، جب ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کو اپنے ملک کا شہری ہونے کا شناختی کارڈ دے دو، جس کارڈ کو لے کر وہ بے خوف ہو کر اس ملک میں رہے اور اس کو بیت المال سے رقم فراہم کرو، شہری ہونے کا شناختی کارڈ ہر ملک میں جاری ہوتا ہے، اگر کسی کے پاس شناختی کارڈ نہیں ہوتا ہے تو اس کو جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے اور یہ طریقہ بہت پرانا ہے نیا نہیں ہے، اس لئے مکاتب کا مطلب رقم لے کر اس کو غلامی سے آزاد کرنا نہیں ہے، بلکہ مفت میں شناختی کارڈ دیا جائے گا اور اس سے رقم نہ لیتے ہوئے خود حکومت بیت المال سے رقم فراہم کرے گی، جس سے وہ اپنا کاروبار کر کے خود کفیل ہو جائے۔

یہ ہے حقیقت! مگر تراجم، تفاسیر میں اس کے خلاف لکھا ہے۔ اب ہم کو فیصلہ کرنا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔

(۱۱)

کیا محمد ﷺ نے منافق کی نماز جنازہ پڑھائی، یعنی دعائے مغفرت کی؟

تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن ابی ایک منافق تھا، جس نے اپنی فتنہ انگیز اور شرارت آمیز چالوں اور سازشوں سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور جب تک وہ زندہ رہا،

رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتا رہا۔ اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔ کتب وتواریخ اور احادیث میں مروی روایات میں درج ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے عبداللہ کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا کرتہ کفن کے لئے عطا فرمایا اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی، جب کہ عمرؓ رسول کا دامن تھام کر انہیں ایسا کرنے سے روکتے رہے۔ اب ہمیں قرآن کے احکام اور عقلی دلائل کی روشنی میں ان روایات کی صداقت کا جائزہ لینا ہے۔ پہلے قرآن کے احکام پر نظر ڈالیں۔

سورۃ توبہ (۹) آیت ۸۰:- اے نبی! خواہ تم ایسے لوگوں کے لئے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو، اگر تم ستر بار بھی انہیں معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ منافقوں کو راہ نجات نہیں دیتا۔

سورۃ توبہ (۹) آیت ۸۱:- (جن لوگوں نے بہانے بنائے تھے ان بہانوں میں) جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی، وہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے اور انہیں گوارہ نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کریں۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اس سخت گرمی میں نہ نکلو، ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے کاش انہیں اس کا شعور ہوتا۔

سورۃ توبہ (۹) آیت ۸۲:- اب چاہئے کہ وہ لوگ ہنسنا کم کردیں اور روئیں زیادہ، اس لئے کہ جو بدی وہ کماتے رہے ہیں، اس کی سزا ایسی ہی ہے۔

سورۃ توبہ (۹) آیت ۸۳:- اگر اللہ ان کے کسی گروہ کے درمیان تمہیں واپس لے جائے اور آئندہ ان میں سے کوئی گروہ جہاد کے لئے نکلنے کی تم سے اجازت مانگے، تو صاف کہہ دینا کہ اب تم میرے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے، اور نہ میرے ساتھ میں کسی دشمن سے لڑ سکتے ہو، تم نے بیٹھ رہنے والوں کو پسند کیا تھا تو اب گھر بیٹھنے والوں ہی کے ساتھ بیٹھے رہو۔

سورۃ توبہ (۹) آیت ۸۴:- (اے نبی! ایسے آدمیوں کو مسلمان نہ سمجھو)اوران میں سے جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا (یعنی دعائے مغفرت نہ کرنا)، اور نہ کبھی ان کی قبر پر کھڑے ہونا، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ فاسق تھے۔

سورۃ توبہ (۹) آیت ۹۶:- وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ تو (سن لو) اگر تم

راضی ہو بھی گئے تو اللہ ایسے فاسقوں اور نافرمان لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔

سورۃ المنافقون (۶۳) آیت ۶:-(اے رسول! ہم جانتے ہیں کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ کسی طرح تباہی سے بچ جائیں) اس لئے آپ نے ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی اور سمجھایا بھی مگر اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ اللہ ایسے فاسق لوگوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

بخاری، جلد دوم، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۱۷۸۳:-حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی رئیس منافق کی وفات ہوئی تو عبداللہ بن عبداللہ بن ابی یعنی اس کا بیٹا رسول ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا، چنانچہ آپؐ نے اپنا کرتا اسے عطا فرما دیا اور حکم دیا کہ اسے اس کا کفن دیا جائے، پھر جب آپؐ اس کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ کا دامن تھام لیا، اور عرض کیا کہ آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے، جو منافق ہے؟ اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرمایا ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اختیار دیا ہے یا مجھے خبر دی ہے، یعنی فرمایا ہے کہ تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں اس کے لئے ستر سے زیادہ بار معافی طلب کرلوں گا۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی۔ پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا (دعائے مغفرت نہ کرنا)۔ اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا۔ بے شک انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمانی کی حالت میں مرے۔

مولانا محمود الحسن صاحب کے ترجمہ پر ان آیتوں کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ ان روایات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اس وقت تک سورۃ توبہ کی کم از کم آیت ۸۰ نازل ہو چکی تھی اور آیت کے الفاظ اور ان کا مجموعی مفہوم سے یہ حکم بھی نکل کر سامنے آتا ہے، جس کے تحت رسول ﷺ کو منافقین کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے روک دیا ہے، چونکہ نماز جنازہ دعائے مغفرت کا حصہ ہے، اس لئے رسول ﷺ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے سے بھی روک دیا گیا۔ اس روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب رسول ﷺ عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو عمرؓ نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ جو منافق ہے اور ایسے کے لئے تو دعائے مغفرت کرنے سے اللہ نے آپ کو منع فرمایا ہے۔ لیکن جیسا کہ روایت میں کہا گیا ہے رسول ﷺ نے عمرؓ کی گزارش کو قبول نہیں فرمایا اور آیت نمبر ۸۰ کے حکم کو حکم نہ مانتے

ہوئے صرف ایک خبر مانا اور فرمایا کہ میں اس کے لئے ستر بار سے زیادہ معافی طلب کروں گا۔ راوی آگے بیان کرتا ہے کہ پھر رسول ﷺ نے عبداللہ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ پڑھی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر اللہ نے آیت ۸۴ نازل فرمائی جس کے ذریعہ رسول ﷺ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے اور ان کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع کر دیا گیا۔ اس مسئلے پر مولانا مودودی صاحب تفہیم القرآن میں رقم طراز ہیں کہ تبوک سے واپسی پر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ عبداللہ بن ابی منافق مر گیا اس کے بیٹے کے کہنے پر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تیار ہو گئے، جب کہ حضرت عمرؓ نماز جنازہ پڑھانے کو منع کر رہے تھے مگر حضور ﷺ نماز پڑھانے کو کھڑے ہو گئے تو یہ آیت ۸۴ نازل ہوئی اور براہ راست حکم الٰہی سے آپ کو روک دیا گیا۔

اوپر کی دونوں روایتوں میں کتنا فرق ہے اس پر غور کرنا ضروری ہے۔ تاہم یہ بات سامنے آتی ہے کہ عمرؓ منافق کی نماز جنازہ یعنی مغفرت دعائے میت کرنے کے خلاف تھے اور کہتے تھے کہ منافق کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے اللہ نے رسول ﷺ کو منع کیا ہے، جب کہ رسول ﷺ نے اس کے برعکس اس منافق کے لئے دعائے مغفرت کی، اور نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے یا پڑھا دی۔

اگر ان روایتوں کو درست مان لیا جائے تو ایک سنگین صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا اور ماننا پڑے گا کہ عمرؓ کی صلاحیت اور فہم وفراست اللہ کی مرضی سمجھنے میں بہت بلند تھی جب کہ رسول اللہ ﷺ سے (نعوذ باللہ) اس سلسلے میں کوئی کوتاہی ہوئی۔ ایسے ہی کئی دیگر مقامات پر قرآنی آیات کی شان نزول بیان کرتے وقت عمرؓ کی رائے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے عمرؓ کی فہم وفراست دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے متعلق تعریف کے گوشے تو ضرور اجاگر ہوتے ہیں، لیکن شان رسول ﷺ کے منافی پہلو بھی نکلتا ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کہ رسول ﷺ کی فہم کچھ کم تھی، مگر ایسا نہیں ہے یہ سب کچھ ایک سازش کے تحت لکھا گیا ہے۔ محمد ﷺ نے کبھی بھی ایسا عمل نہیں کیا جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔ انہوں نے وہ کیا جو اللہ کا حکم ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بھی درج ہے، جس میں انہوں نے اپنے باپ آزر کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اس وعدہ کے تحت جو وعدہ انہوں نے اپنے والد سے کیا تھا۔ مگر جب اللہ نے منع کر دیا تو حضرت ابراہیمؑ نے اس کام سے برأت کر لی۔ یہ آیات بھی محمد ﷺ نے پڑھی تھیں، جو ان پر نازل ہوئیں تھیں۔ پھر محمد ﷺ ان کے خلاف کیسے قدم اٹھاتے؟ نہیں اٹھایا۔ جو کہتا ہے کہ اٹھایا، وہ غلطی پر ہے۔ اور شاتم رسول ہے۔

ایک بات عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کے بارے میں بھی سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست حضور ﷺ سے کی تو یہ بھی محل نظر ہے۔ عبداللہ پکے مومن تھے اور ان کو بھی ان آیات کا علم تھا اور یہ بھی علم تھا کہ میرا باپ منافق ہے، پھر اس علم کے ہوتے ہوئے وہ کیسے نبی ﷺ سے دعائے مغفرت کے لئے درخواست کر سکتے تھے؟ اس لئے انہوں نے بھی یہ درخواست نہیں کی۔

(۱۲)

واقعہ مباہلہ

اس واقعہ کو عجیب وغریب طرح لکھا گیا ہے۔ جس طرح لکھا گیا ہے، اس سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مدینے میں اس وقت مسلمانوں کی قلت تھی یا (نعوذ باللہ) محمد ﷺ عربی سے نابلد تھے۔ کیا ہے؟ ملاحظہ ہو:-

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۶۱:-پھر اے رسول ﷺ! جو گروہ علم آنے کے بعد آپ کے ساتھ اس مسئلے کے (یعنی عیسیٰ کے) بارے میں جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیجئے گا کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اپنے مردوں کو اور تمہارے مردوں کو پھر ہم (اس مسئلہ پر تعصب سے اوپر اٹھ کر حقیقت کی روشنی میں) آزادانہ غور وفکر، بات چیت کریں (یعنی عیسیٰ بشر ہیں یا اللہ کے بیٹے؟ ان کو سولی دی گئی یا زندہ اٹھایا گیا؟ یا اللہ نے ان کو موت دے کر ان کی نعش کو غائب کر دیا؟) تو حقیقت وہی سامنے آئے گی، جس کو قرآن نے ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر نہ مانیں تو جھوٹوں اور جھگڑالوؤں پر اللہ کی بیزاری کا اعلان کریں، ایسے جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۶۲:-بلاشبہ مسیح کے متعلق یہی بات سچ ہے (کہ وہ بنی آدم کے ایک پاکیزہ رسول تھے) اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اللہ کائنات میں موجود نہیں، بلاشبہ اللہ ہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۶۳:-پس اگر وہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق حقائق اور عالمی مشاہدات کے باوجود روگردانی کرتے ہیں تو پھر اللہ فساد کرنے والوں سے پوری طرح باخبر ہے، حقیقت میں وہ روگردانی کریں گے، نہیں آئیں گے۔

ان آیات کا ترجمہ جو شیخ الہند صاحب نے کیا ہے اس پر تفسیر شبیر احمد عثمانی صاحب نے تحریر کی ہے۔ اس کا اقتباس حسب ذیل ہے:-

حاشیہ نمبر ۳:-اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا۔ نصاریٰ نجران اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہ ہوں تو ان کے ساتھ مباہلہ کرو۔ جس کی زیادہ مؤثر اور مکمل صورت یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی جان اور اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کے ساتھ حاضر ہوں اور خوب گڑگڑا کر دعا کریں کہ جو کوئی ہم میں جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت اور عذاب پڑے۔ یہ مباہلہ کی صورت پہلے ہی قدم پر اس بات کا اظہار کر دے گی کہ کون فریق کس حد تک خود اپنے دل میں صداقت، حقانیت پر وثوق ویقین رکھتا ہے۔ چنانچہ دعوت مباہلہ سن کر وفد نجران نے مہلت لی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ آخر مجلس مشاورت میں ان کے ہوش مند تجربہ کار ذمہ داروں نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیح کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں، تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسمٰعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں، پس ایک نبی سے مباہلہ وملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکلتا ہے کہ اس کا کوئی چھوٹا بڑا، ہلاکت یا عذاب الٰہی سے نہ بچے۔ اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کیوں کہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔ یہی تجویز پاس کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے آپ حضرت حسنؓ، حسینؓ، فاطمہؓ، اور علیؓ کو ساتھ لے کر باہر تشریف لا رہے تھے، یہ نورانی صورتیں دیکھ کر ان کے لاٹ پادری نے کہا کہ میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں، جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے۔ ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو۔ ورنہ ایک نصرانی بھی زمین پر باقی نہ رہے گا۔ آخر انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی اور خدا نجران کا بالکل استیصال کر دیتا۔ ایک سال کے اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

تنبیہ:-قرآن نے یہ نہیں بتلایا کہ مباہلہ کی صورت نبی کے بعد بھی اختیار کی جا سکتی ہے اور یہ مباہلہ کا اثر کیا ہمیشہ وہی ظاہر ہونا چاہئے جو آپ کے مباہلہ میں ظاہر ہونے والا تھا۔

بعض سلف کے طریق عمل اور بعض فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے، مگر ان چیزوں میں جن کا ثبوت بالکل قطعی ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ مباہلہ میں

بچوں اور عورتوں کو بھی شریک کیا جائے۔ مباہلین پر اس قسم کا عذاب آنا ضروری ہے، جو پیغمبر کے مباہلہ پر آتا۔ بلکہ ایک طرح کا اتمام حجت کر کے بحث وجدال سے الگ ہو جانا ہے اور میرے خیال میں مباہلہ ہر کاذب کے ساتھ نہیں، صرف کاذب معاند کے ساتھ ہونا چاہئے (عثمانی صاحب)۔

نوٹ:- جب بات جھگڑے میں پڑ جاتی ہے تو اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے جو کہ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اپنے مردوں کو بیٹوں کو اور عورتوں کو بلائیں اور تم بھی اسی طرح اپنے مردوں عورتوں اور بیٹوں کو بلاؤ، اور پھر بیٹھ کر آزادانہ بات کر لیں یا ایک دوسرے کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور کسی معاملہ میں دخل نہ دیں اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتے رہیں، انجام خود بتا دے گا کہ کون جھوٹا ہے اور اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ کہا یہ جاتا ہے جو لکھا ہوا ہے، کہ عیسائیوں کا ایک وفد محمد ﷺ کے پاس مدینہ آیا اور اس نے عیسیٰؑ کے متعلق بات کی اپنے عقیدے کے مطابق۔ اس پر اللہ نے محمد ﷺ کو اس بارے میں بتایا جو آیت ۶۱ میں درج ہے اور ان سے طے ہوا کہ آپ لوگ آئیں اور ہم بھی آتے ہیں۔ مگر کہا یہ گیا ہے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھ حضرت علیؓ و فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو لے کر اپنے حجرے سے نکلے، ادھر سے عیسائی بھی آئے لیکن جب ان لوگوں نے ان حضرات کو دیکھا تو ان پر خوف طاری ہو گیا اور آپس میں مشورہ کیا کہ یہ لوگ ایسے نظر آ رہے ہیں کہ اگر یہ کسی کے لئے بددعا کر دیں گے تو وہ برباد ہو جائے گا اور اگر انہوں نے ہمارے لئے بددعا کر دی تو پھر عیسائی قوم ختم ہو جائے گی۔ اس لئے انہوں نے محمد ﷺ سے صلح کر لی اور جزیہ دینا قبول کر کے واپس چلے گئے۔

آیت میں الفاظ (ابناء نا، نساء نا و انفسنا) جمع ہیں۔ لیکن محمد ﷺ کے ساتھ صرف حضرت علیؓ فاطمہؓ واحد اور حسنؓ و حسینؓ دو، جمع کی تعریف میں نہیں آتے تو کیا اس وقت مدینہ میں صرف یہی پانچ افراد مسلمان تھے؟ اس لئے محمد ﷺ مجبوری میں اپنے ساتھ ان چار نفوس کو لے کر نکلے یا محمد ﷺ آیت کو سمجھنے سے قاصر رہے؟ (نعوذ باللہ)۔ مگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی بات نہیں تھی۔ محمد ﷺ آیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس وقت مدینہ میں بہت مسلمان موجود تھے۔ آپ کا خاندان اور آپ کی ازواج وغیرہ بہت سے مسلمان موجود تھے۔ اگر محمد ﷺ ایک آواز لگا دیتے تو ہزاروں آدمی، عورت لڑکے جمع ہو جاتے، پھر یہ پانچ ہی کیوں؟ اس کے پیچھے بھی ایک سازش کام کر رہی ہے وہ یہ کہ ایک طبقہ نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ محمد ﷺ کے ساتھ جو لوگ اپنے کو مسلمان کہتے تھے ان میں زیادہ تر منافق تھے، صرف چند لوگ مسلمان تھے۔ اور اس بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اتنا لکھا اور قرآن کی آیات کا بھی کچھ جگہ ترجمہ کیا، جس سے دھوکا ہوتا ہے، اور اس

لکھے کو قوم نے تسلیم بھی کر لیا، جیسا کہ یہ واقعہ مباہلہ ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ تسلیم کر لینا بھی ایک مجبوری ہے۔ کیونکہ آج جو بھی دین کا مواد ہمارے پاس موجود ہے، وہ تقریباً سب انہی لوگوں کا لکھا ہوا ہے، جنہوں نے قوم کو قرآن سے دور کیا ہے، یہ پہلو بھی قرآن کی روشنی میں تحقیق طلب ہے، تحقیق ہونا بہت ضروری ہے کہ قرآن کیا کہتا ہے اور محمد ﷺ نے قرآن پر عمل کیا اور بتایا ہے، تاہم اگر غور سے دیکھا جائے قرآن کی روشنی اور محمد ﷺ کے عمل اور ان لوگوں کے عمل جن کو وہ گروہ منافق کہتا ہے، تو ان کا لکھا غلط ثابت ہوتا ہے، اور جن کو برا بھلا اور منافق کہا گیا ہے، وہ مومن ثابت ہوتے ہیں۔

لیکن ہم نے خود ان غلط آدمیوں کے لکھے کو تسلیم کر لیا اور ان غلط واقعات کو صحیح مان لیا۔ مگر اب یہ نہیں چلے گا۔ حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا، وہ یہ کہ محمد ﷺ ان چار افراد کو لے کر نکلے ہی نہیں۔ کیونکہ آیت آگے بتا رہی ہے کہ وہ روگردانی کریں گے، کیونکہ وہ فاسق ہیں، یہ سن کر محمد ﷺ کیوں نکلتے اور اگر نکلتے تو آیت کے مطابق بہت مسلمان ان کے ساتھ ہوتے۔ تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان عیسائیوں نے ان کے نورانی چہروں کو دیکھ کر کہا کہ اگر یہ بددعا کر دیں گے تو ہم سب ختم ہو جائیں گے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ احساس ہو گیا کہ یہ لوگ بڑے نیک ہیں ان کی دعا اور بددعا کام کرتی ہے تو وہ لوگ ان نیک لوگوں میں شامل کیوں نہ ہو گئے؟ دوسری بات یہ کہ کیا ان نیک لوگوں نے بددعا کرنا ہی سیکھا تھا دعائے خیر کرنا نہیں یا دعائے خیر کرتے نہ تھے؟ ان کے لئے دعائے خیر کر دیتے، جس سے وہ لوگ مسلمان ہو جاتے اور سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔ مگر یہ سب واقعہ غلط لکھا ہے۔ مباہلہ عمل میں آیا ہی نہیں۔ نہ محمد ﷺ اس کے لئے نکلے۔ ہمیں اپنی غلطی کو درست کر لینا چاہئے، مولانا مودودی صاحب نے بھی مباہلہ سے انکار کیا ہے۔

(۱۳)

عدت گزرنے کے بعد اسی آدمی سے نکاح؟

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۲۳۱:- اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آ جائے تو یا تو بھلے طریقے سے روک لینا یا بھلے طریقے سے رخصت کر دینا، محض ستانے کے لئے انہیں نہ روکنا یہ زیادتی ہوگی۔ اور جو ایسا کرے گا وہ درحقیقت آپ اپنے ہی اوپر ظلم کرے گا۔ اللہ کی آیات کا کھیل نہ بناؤ بھول نہ جاؤ کہ اللہ نے

کیسی نعمت سے تمہیں سرفراز کیا ہے؟ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب اور حکمت اس نے تم پر (تمہارے لئے) نازل کی ہے اس کا احترام کرو۔ اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ کو ہر بات کی خبر ہے۔

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۲۳۲:- اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آئے اور وہ عدت پوری کر لیں، تو پھر تم (یعنی طلاق دینے والے شوہر) اس میں مانع نہ ہونا، کہ وہ زیر تجویز شوہروں سے (جنہوں نے طلاق دی ہے ان کے علاوہ سے) نکاح کر لیں، جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم مناکحت پر راضی ہو جائیں۔ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا۔ اگر تم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لانے والے ہو۔ تمہارے لئے شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (یعنی انہیں نکاح سے نہ روکنا)

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۲۲۸:- جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ تین قروء تک اپنے کو روکے رکھیں، اور ان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ خلق فرمایا ہو، اسے چھپائیں۔ انہیں ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے۔ اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہوں۔ ان کے شوہر تعلقات درست کر لینے پر آمادہ ہوں تو اس عدت کے دوران میں انہیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لینے کے حق دار ہیں۔ عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے، اور سب پر اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۲۲۹:- طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔ اور رخصت کرتے وقت تمہارے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو، ایسی حالت میں اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں، وہی ظالم ہیں۔

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۲۳۰:- پھر اگر (دوبارہ طلاق دینے اور دوبار رجوع کرنے کے بعد شوہر نے اپنی زوجہ کو تیسری بار) طلاق دے دی، تو وہ عورت پھر اس کے لئے حلال نہ ہوگی (یعنی اب وہ رجوع نہ کر سکے گا)، الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے آدمی سے (طلاق دینے والے کے غیر سے) ہو، اور وہ اسے طلاق دے

دے، (حلالہ نہیں) تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں خیال کریں کہ حدود الٰہی پر قائم رہیں گے تو ان کے لئے ایک دوسرے کی طرف رجوع یعنی نکاح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جنہیں وہ ان لوگوں کے لئے واضح کر رہا ہے، جو (حدیں توڑنے کا انجام) جانتے ہیں۔

سورۃ بقرہ، آیت ۲۲۹ میں طلاق دو بار ہے، اس لئے عالموں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر شوہر نے ایک بار ایک ہی مجلس میں دوبار طلاق دی تو اس شوہر کو عدت گزرنے کے بعد نکاح کرنے کا حق ہے اور ایک ساتھ تین بار طلاق دیں، تو حق نہیں ہے۔ وہ حلالہ کرے گی، تب اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اب یہ دیکھا جائے "مرتٰن" کا مطلب کیا ہے؟ کیا ایک ساتھ یا مختلف اوقات میں دوبار طلاق دی ہو؟

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۴:- ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (یعنی بنی اسرائیل کے صحیفوں) میں (آپ سے پہلے پیش آنے والے حادثوں کی) خبر دے دی تھی کہ تم ملک میں دو مرتبہ (مرتین) یقیناً خرابی پھیلاؤ گے، اور بڑی سخت سرکشی کرو گے۔

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۵:- پس جب پہلے (حادثہ) کا وقت آ گیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دئے، تو وہ تمہاری بستیوں میں پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۶:- پھر ہم نے تم کو ان پر غلبہ دیا اور مال اور اولاد کی کثرت سے تمہاری مدد کی اور تمہیں بڑا جتھے والا بنا دیا۔

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۷:- (اور ہم نے بتا دیا تھا کہ) کہ اگر بھلائی کے کام کرو گے تو اپنے ہی لئے کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو اس کا وبال تمہاری جانوں پر ہوگا پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے تاکہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد میں داخل ہو گئے تھے اسی طرح پھر اس میں داخل ہو جائیں، اور جو کچھ پائیں اسے توڑ پھوڑ کر برباد کر دیں (اور ایسا ہی ہوا)۔

مذکورہ بالا آیات پڑھنے کے بعد یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ طلاق دینے کے بعد عدت کے دوران رجوع کرنے کا حق ہے، عدت گزرنے کے بعد رجوع کا حق نہیں اور یہ رجوع کا حق بھی دو بار ہے، یعنی ایک بار طلاق دی تو اس بار عدت کے دوران رجوع کا حق ہے، ایک بار رجوع کرنے کے بعد پھر کبھی طلاق دی تو اس بار بھی عدت کے دوران رجوع کا حق ہے، دوبار رجوع کرنے کے بعد پھر اگر کبھی تیسری بار طلاق دی تو اب عدت کے دوران رجوع کا حق نہیں۔ طلاق ہو گئی۔

طلاق کی تفصیل میری کتاب ''علم الفقہ فی القرآن'' میں ملاحظہ ہو۔ عالموں نے مـرتٰن کو ایک بار ہی ایک مجلس میں مانا ہے، جب کہ یہ غلط ہے۔ اوپر سورۃ بنی اسرائیل کی آیات میں مرتین لفظ آیا ہے، اس میں صاف ہے کہ پہلی بار حملہ کیا، اور کچھ عرصے کے بعد دوسرا حملہ کیا، یعنی مـرتیـن ایک ساتھ نہیں، بلکہ کچھ عرصے کے بعد ہے۔ ایسے ہی آیات میں مـرتٰن لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ طلاق کا مرحلہ ایک طلاق دینے کے بعد پھر رجوع کرنا ہے۔ پھر اگر دوسری بار طلاق دی تو اس بار بھی رجوع کا حق اللہ دے رہا ہے۔ تیسری بار رجوع کا حق نہیں، اگر ہر بار رجوع کا حق ہوتا تو آدمی عورت اور لواحقین کو پریشان کرتے۔ اس لئے اللہ نے صرف دو بار رجوع کا حق دیا ہے، تیسری بار نہیں۔ اور عدت میں رجوع کا حق اس کے بعد نہیں، اللہ کے قانون کو ہم توڑ رہے ہیں، جس کی سزا ہم کو مل رہی ہے اب یہ دیکھا جائے کہ اس مسئلہ میں عالموں اور راویوں نے کیا لکھا ہے؟

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۲۳۲، ترجمہ مولانا محمود الحسن صاحب صفحہ ۴۶-۴۷:- اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو اب نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے خاوندوں سے، جبکہ راضی ہو جاویں آپس میں، موافق دستور کے۔ یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اس میں تمہارے واسطے بڑی ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی، اور اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

تفسیر:- ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت میں رجعت بھی نہ کی۔ جب عدت ختم ہو چکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اول نے بھی نکاح کا پیغام دیا، عورت بھی اس پر راضی تھی، مگر عورت کے بھائی کو غصہ آیا اور نکاح کو روک دیا، اس پر یہ حکم اترا کہ عورت کی خوش نودی اور بہبود کو ملحوظ رکھو۔ اسی کے موافق نکاح ہونا چاہئے۔ اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل مت دو۔ اور یہ خطاب عام ہے نکاح سے روکنے والوں کو سب کو، خواہ زوج اول، جس نے طلاق دی ہے، وہ دوسری جگہ عورت کو نکاح کرنے سے روکے، یا عورت کے ولی اور وارث عورت کو پہلے خاوند سے یا کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے مانع ہوں۔ سب کو روکنے سے ممانعت آگئی، ہاں اگر خلاف قاعدہ کوئی بات ہو مثلاً غیر کفو میں عورت نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے، تو بے شک ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے۔ بالمعروف فرمانے کا یہی مطلب ہے۔

یعنی عورت کو نکاح سے نہ روکنے اور اس کے نکاح ہو جانے میں وہ پاکیزگی ہے، جو نکاح سے

روکنے میں ہرگز نہیں۔ اور عورت جبکہ پہلے خاوند کی طرف راغب ہو تو اسی کے ساتھ نکاح ہو جانے میں وہ پاکیزگی ہے، کہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے میں ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کو اور نفع نقصان آئندہ کو خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ مولانا جونا گڑھی نے بھی اپنے ترجمہ اور تفسیر میں یہی لکھا ہے۔

حدیث بخاری، جلد دوم، کتاب التفسیر، سورۃ بقرہ، صفحہ ۴۲۷:- '' واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلو هن ان ينكحن ازواجهن اذاترا ضو بينهم با لمعروف '' کے بیان میں:-

ترجمہ:- جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں۔ اب اگر وہ اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہیں اور آپس میں راضی ہوں تو منع مت کرو۔

بخاری، حدیث ۱۶۳۲:- حسنؒ سے روایت ہے کہ معقل بن یسار کی چچا زاد بہن کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی اور عدت تک اسے چھوڑے رکھا پھر نکاح کرنا چاہا تو معقل نے منع کر دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، یہ روایت مختلف اسناد سے اسی طرح مروی ہے۔

سورۃ بقرہ کی آیت ۲۳۲ میں طلاق دینے والوں سے ضمیر جمع حاضر سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو، اور ان کی عدت پوری ہونے کو آئے تو پوری کر لیں تو پھر تم (یعنی طلاق دینے والے شوہر) سے کہا جا رہا ہے۔ پھر دوسری بات بھی ضمیر جمع حاضر یعنی انہی طلاق دینے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم ان کو اپنا نکاح کرنے سے نہ روکو۔ کن کو؟ انہی عورتوں کو جن کو طلاق دی گئی ہے۔ ان کے لئے جمع ضمیر مونث غائب آئی ہے کہ ان کو نکاح سے نہ روکو۔ کن سے؟ وہ بھی ضمیر غائب کے لئے کہا گیا ہے۔ حاضر والوں سے غائب والوں کو کہا جا رہا ہے کہ تم نے تو طلاق دیدی اور اللہ کے احسان سے یعنی عدت میں رجوع کرنے کی سہولت سے فائدہ نہیں اٹھایا، یا عدت پوری ہو گئی، تو اب تم ان کو دوسرے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔ یہ ہے آیات کا حکم۔ مگر روایات نے قرآن کو مجبور بنا کر رکھا ہے، اور عالموں نے ان روایتوں کا سہارا لے کر اپنی من مانی کر دی ہے، اس لئے ہم کو غور کرنا ہے کہ بات قرآن کی درست ہے یا راوی کی؟

بخاری، جلد دوم، کتاب الطلاق، صفحہ ۳۲۷، حدیث نمبر ۱۱۷:- امام حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ معقل نے اپنی بہن کا نکاح کر دیا، پھر اسے اس کے شوہر نے طلاق دیدی۔ (سند دیگر) حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ معقل بن یسار کی بہن ایک مرد کے نکاح میں تھی، اس کے شوہر نے اسے طلاق دیدی اور عدت گزرنے تک اس سے

علیحدہ رہا۔ (عدت پوری ہونے کے بعد) اسے (دوبارہ) نکاح کا پیغام بھیجا، وہ عورت بھی دوبارہ اس کے نکاح میں جانا چاہتی تھی، معقل ناک چڑھا کر اس فعل سے کترائے، کہ تو اس سے جدا رہا، اور تجھے قدرت تھی پھر اب منگنی بھیجتا ہے؟ اس لئے معقل اب مانع ہوا۔ اور پھر اللہ برتر نے یہ حکم نازل فرمایا۔ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہو جائے (تو اے عورتوں کے وارثو!) انہیں اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کرنے سے منع نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلا کر یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ وہ اپنی اس اڑ سے باز آگیا اور اللہ کے حکم پر راضی ہو گیا۔

قرآن میں اللہ نے جو کہا ہے، ملاحظہ ہو:-

سورۃ نساء (۴) آیت ۸۲:- تو کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے (حالانکہ وہ اللہ کا حکم ہے) اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس کی بہت سی باتیں آپس میں مختلف ہوتیں۔

قرآن کا فیصلہ ہم نے پڑھ لیا۔ اس میں ہے کہ قرآن میں تضاد نہیں، جو ایک بات فرما دی، پس وہی حق ہے۔ اس کے خلاف نہیں فرمائی جائے گی۔ اس لئے جب اللہ نے فرما دیا کہ طلاق دینے والے عدت کے دوران رجوع کر سکتے ہیں، اور وہ بھی زندگی میں دو بار، تو عدت میں رجوع کرنے پر وہ عورت اس کے نکاح میں رہ سکتی ہے، عدت گزرنے کے بعد وہ عورت اس کے نکاح سے باہر ہو گئی، اگر دوبارہ وہ آدمی اس سے نکاح کرنا چاہے گا، تو اس کی صورت یہ بتائی ہے جو قرآن میں ہے، کہ وہ عورت کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرے اور پھر کسی وجہ سے وہاں سے طلاق ہو جائے، تو پھر وہ آدمی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ طے کر کے جو حلالہ کرایا جاتا ہے، وہ حرام ہے۔ اس لئے اللہ نے بار بار فرمایا کہ عدت کے دوران رجوع کر لو۔ پھر اللہ کے حکم کے مطابق رجوع نہیں کیا، لیکن عالموں نے اللہ کے حکم کا غلط ترجمہ کر کے اس حکم کو توڑا اور عدت گزرنے کے بعد بھی اسی آدمی سے نکاح کرا دیا، اور یہ الزام نبی ﷺ پر رکھ دیا، کیا یہ ممکن ہے؟ ہرگز نہیں! نبی ﷺ نے عدت کے بعد اس آدمی سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ یہ ہے روایتوں کا کھیل۔ جنہوں نے قرآن کو مجبور بنا کر رکھ دیا۔ اللہ رحم کرے۔

(۱۴)

حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ، اور ان کی حقیقت

سورۃ مریم (۱۹) آیت ۴۱:- اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا قصہ بیان کرو بے شک وہ سچے رسول تھے۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۸۷:- '' ومن اصدق من الله حديثا '' اور اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہو گا؟

حضرت ابراہیم پر روایات میں ایک الزام جھوٹ بولنے کا لگایا ہے، جو بخاری میں محمد ﷺ سے منسوب کر کے درج کیا گیا ہے، جس کا ماننا بقول علماء کے ضروری ہے، کیونکہ روایات کو قرآن کی تفسیر اور وحی خفی اور سنت تسلیم کرایا جاتا ہے، اور اتنا زور دیا جاتا ہے کہ اگر کسی نے کسی روایت کے بارے میں بھول سے بھی یہ کہہ دیا کہ مجھے اس روایت میں کچھ شبہ معلوم ہوتا ہے، تو اس کی خیر نہیں، اس پر کیا کیا الزام لگائے جاتے ہیں، اس کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ گویا وہ منکر روایت ہو کر اسلام سے خارج ہو گیا۔ لیکن الزام لگانے والوں نے یہ غور نہیں کیا کہ جس روایت پر ذرا سا شبہ کرنے والے کو اسلام سے خارج کر رہے ہو، منکر حدیث مان کر۔ کیا اس روایت کو درست مان کر قرآن کا تو انکار نہیں ہو رہا؟ اس بات پر بھی غور ہونا ضروری ہے، مگر نہیں کرتے۔ میں نے اوپر بھی لکھا ہے کہ قرآن میں یہ درج ہے اور روایت میں یہ درج ہے۔ اور بتایا ہے کہ درست کیا ہے؟

اب میں ابراہیمؑ کے جھوٹ کے بارے میں لکھ رہا ہوں۔ کیا حقیقت میں ابراہیمؑ نے جھوٹ بولے تھے؟ اگر جھوٹ بولا تھا تو اللہ کا کلام جھوٹا ثابت ہو رہا ہے (نعوذ)۔

بخاری، جلد دوم، کتاب پیدائش، انبیاء، صفحہ ۲۶۴، حدیث ۵۸۴:- حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ کبھی جھوٹ نہیں بولے، سوا تین مرتبہ کے۔ دو مرتبہ تو خدا کے واسطے ان کا یہ کہنا کہ ''انی سقیم''

(یعنی میں بیمار ہوں)، اور دوسرے ان کا یہ کہنا کہ "بل فعلہ کبیرھم ھذا الخ "یعنی میں نے یہ کام نہیں کیا، ان سب میں جو یہ بڑا بت ہے، اس نے یہ کیا۔ یہ تو خدا کے لئے تھا، اور آپؐ نے فرمایا کہ ایک دن اس حال میں کہ وہ اور سارہ جا رہے تھے کہ ایک ظالم بادشاہ پر ان کا گزر ہوا، کسی نے اس سے کہا کہ یہاں ایک شخص (آیا) ہے اس کے ہمراہ ایک عورت ہے، جو خوبصورت لوگوں میں سے ہے، پس اس ظالم نے ان کے پاس آدمی بھیجا اور سارہ کی بابت ان سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ ابراہیمؑ نے کہدیا کہ یہ میری بہن ہے، پھر وہ سارہ کے پاس گئے اور کہا اے سارا روئے زمین پر کوئی مومن میرے اور تمہارے سوا نہیں ہے، اور اس ظالم نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے کہہ دیا کہ میری بہن ہے، پس تم مجھے جھوٹا نہ کرنا۔ پھر اس ظالم نے سارہ کو بلوا بھیجا۔ جب سارہ اس کے پاس گئیں، اور وہ ان کی طرف ہاتھ بڑھانے لگا تو وہ مرگی میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے (سارہ سے) کہا کہ تم اللہ سے میرے لئے دعا کرو اور (اب) میں تمہیں کچھ ضرر نہ پہنچاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ سے دعا کی وہ اچھا ہو گیا۔ پھر دوبارہ اس نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا پھر اسی طرح مبتلا ہو گیا یا اس سے بھی زیادہ، پھر اس نے (سارہ سے) کہا کہ تم میرے لئے اللہ سے دعا کرو اور (اب) میں تمہیں ضرر نہ پہنچاؤں گا، چنانچہ انہوں نے دعا کی اور وہ اچھا ہو گیا، پس اس نے اپنے کسی دربان کو بلایا اور کہا کہ میرے پاس انسان کو نہیں لایا تو میرے پاس شیطان کو لے آیا ہے۔ پھر اس نے سارہ کی خدمت کے لئے ہاجرہ کو دیا۔ پھر سارہ ابراہیمؑ کے پاس آ گئیں اور وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کیا ہوا؟ سارہ نے کہا کہ اللہ نے کافر کا فریب اس کے سینے پر رد کر دیا، اور اس نے ہاجرہ کو خدمت کے لئے دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ (یہ حدیث بیان کر کے) کہتے ہیں کہ اے بنی ماء السماء (آسمانی پانی کے بیٹو) یہی تمہاری ماں ہیں۔

مذکورہ بالا روایت محمد ﷺ سے منسوب کی گئی ہے اور یہ بھی درست ہے کہ محمد ﷺ جو بھی کہتے تھے وہ وحی سے کہتے تھے، یعنی سچ۔ تو اس کہنے سے حضرت ابراہیمؑ جھوٹے ثابت ہو رہے ہیں (نعوذ)۔ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ پھر اللہ نے ایسے جھوٹے آدمی کو کیوں نبی بنا دیا؟ نہ معلوم انہوں نے کہاں کہاں جھوٹ بولا ہوگا؟ اس طرح تو پورا معاملہ ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔ لیکن اس روایت کے مقابلہ میں ایک اور بھی چیز ہے جس کو دیکھنا ضروری ہے جس کو میں اوپر لکھ آیا ہوں وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ سچے نبی تھے یہ اللہ کی گواہی ہے۔

سورۃ ابراہیم آیت ۴۱ میں اللہ ابراہیم ﷺ کو سچا بتا رہا ہے اور ساتھ میں سورۃ نساء کی آیت ۸۷ میں یہ درج ہے کہ اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہوگا۔ مگر روایت میں دیکھ لیا جس میں ابراہیم ﷺ کو جھوٹا لکھا گیا

ہے۔ اگر روایت کو سچا مانا جاتا ہے جیسا کہ عقیدہ ہے تو قرآن کا انکار کرنا پڑے گا۔ جبکہ قرآن حق ہے اور اللہ کا کلام ہے۔ سچے نبی نے اللہ سے لے کر انسانوں کو دیا ہے اس لئے قرآن کا انکار کرنا حق کا انکار ہے۔ اور حق کا انکار کرنے والا مومن نہیں ہو سکتا۔ رہا سوال روایت کا تو یہ ایک غیر معصوم آدمی کی شہادت ہے، اس لئے قرآن کے مقابلہ میں روایت کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ تو ثابت ہوا کی حضرت ابراہیمؑ سچے ہیں اور روایت مشکوک ہے ایسی روایت کا انکار کرنے والا منکر حدیث نہیں ہے بلکہ ایسی غلط روایت کو سچ ماننے والا منکر قرآن ہے، اللہ ہم کو صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی توفیق دے۔

(١٥)

مغلوب کون؟

سورۃ روم، جس کی ابتداء کی آیات کو عالموں نے اس طرح پیش کیا کہ رومی مغلوب ہو گئے اور چند ہی سال میں وہ غالب آ جائیں گے، اس کو ایک پیشین گوئی مان کر مسلمان بہت خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو قرآن کی بات سچ ثابت ہوئی اور رومی مغلوب ہونے کے بعد غالب آ گئے۔ جبکہ ان آیات کا رومیوں سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، پس روایات نے جو بتا دیا مسلمانوں نے اس کو قبول کر لیا، اور اس سے ہی تراجم و تفاسیر کر دئے، حقیقت کیا ہے؟ وہ ملاحظہ ہو، اور پوری تفصیل منظم مفہوم القرآن میں پڑھنے کی مہربانی کریں۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۱:- الم۔ اے محمد!۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۲:- آپ نے جو چاہا ہے یعنی جو آپ کی خواہش ہے اور جو مسلمان آپ پر ایمان لائے ہیں، ان کو مغلوب کر دیا کمزور کر دیا۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۳:- کم زمین میں، یعنی مکہ اور طائف کی زمین میں گھر گئے ہیں مغلوب ہو گئے ہیں۔ لیکن گھبرانے کی بات نہیں ہے وہ جلد ہی اس مغلوبیت کے بعد غالب آ جائیں گے۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۴:- چند ہی سال میں (بدر کی فتح جس کو یوم الفرقان کہا ہے صلح حدیبیہ جس کو فتح مبین کہا ہے اور فتح مکہ اور مسلمانوں کی آزاد حکومت کا قیام، کیا یہ غلبہ نہیں ہے؟) اور پہلے اللہ کے حکم سے مومن غالب ہوئے ہیں اور بعد میں بھی اللہ کے حکم سے مومن غالب ہوں گے اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۵:- یعنی اللہ کی مدد سے، اور اللہ کی مدد مومنوں کے ساتھ ہے، اس کے ساتھ جو اپنے نیک عمل سے لینا چاہے، اللہ اس کو مدد دیتا ہے اور وہ غالب اور مہربان ہے۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۶:- یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

یہ رہا قرآن کا فرمان۔ اب یہ دیکھا جائے کہ روایات میں کیا ہے اور ان کے مطابق کیا ترجمہ اور تفسیر کی ہے۔

بخاری، جلد دوم، کتاب التفسیر، سورۃ روم، باب، اللہ کے اس قول کے بیان میں "الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین" ترجمہ:- اہل روم مغلوب ہو گئے نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے، چند ہی سال میں۔

ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی صاحب سورۃ روم:-

سورۃ روم (٣٠) آیت ۱:- الم۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۲:- رومی مغلوب ہو گئے ہیں۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۳:- نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۴:- چند سال میں ہی، اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ تعالیٰ کا ہی ہے، اس روز مسلمان شادمان ہوں گے۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۵:- اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے، مدد کرتا ہے۔ اصل غالب اور مہربان وہی ہے۔

سورۃ روم (٣٠) آیت ۶:- یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر:- عہد رسالت میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک فارس (ایران) کی، دوسری روم کی، اول الذکر حکومت آتش پرست تھی اور دوسری عیسائی، یعنی اہل کتاب تھی۔ مشرکین مکہ کی ہمدردیاں فارس کے ساتھ تھیں، کیوں کہ دونوں غیر اللہ کے پجاری تھے، جب کہ مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کی عیسائی حکومت کے ساتھ تھیں۔ اس لئے کہ عیسائی بھی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے، اور وحی رسالت پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی آپس میں ٹھنی

رہتی تھی۔ نبی ﷺ کی بعثت کے چند سال بعد ایسا ہوا کہ فارس کی حکومت عیسائی حکومت پر غالب آ گئی، جس پر مشرکوں کو خوشی اور مسلمانوں کو غم ہوا، اس موقعہ پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں یہ پیشین گوئی کی گئی کہ "بضع سنین" کے اندر رومی پھر غالب آ جائیں گے اور غالب، مغلوب اور مغلوب، غالب ہو جائیں گے۔

بظاہر اسباب یہ پیشن گوئی ناممکن العمل نظر آتی تھی۔ تاہم مسلمانوں کو اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ اس لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ابو جہل سے یہ شرط بدی کہ رومی پانچ سال کے اندر دوبارہ غالب آ جائیں گے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا کہ "بضع" کا لفظ تین سے دس تک کے عدد کے لئے استعمال ہوتا ہے، تم نے پانچ سال کی مدت کم رکھی ہے، اس لئے اضافہ کر لو۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ نے اس مدت میں اضافہ کروا لیا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ رومی ۹ سال کی مدت کے اندر اندر یعنی ساتویں سال، دوبارہ فارس پر غالب آ گئے۔ جس سے یقیناً مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی (ترمذی، تفسیر سورۃ روم)۔

بعض کہتے ہیں کہ رومیوں کو یہ فتح اس وقت ہوئی، جب بدر میں مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا، اور مسلمان اپنی فتح پر خوش ہوئے۔ رومیوں کی یہ فتح قرآن کریم کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ نزدیک کی زمین سے مراد عرب کی زمین کے قریب کے علاقے ہیں، یعنی شام و فلسطین وغیرہ جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی۔ یعنی اے محمد ﷺ! ہم آپ کو جو خبر دے رہے ہیں کہ عنقریب رومی، فارس پر دوبارہ غالب آ جائیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، جو مدت موعود کے اندر یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

یہ ہے ترجمہ و تفسیر اور روایت، جس نے قرآن کی حقیقت کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ ذیل میں اس مسئلہ پر کچھ گفتگو کی جاتی ہے۔ کیا مغلوبیت تھی؟ ان کے بارے میں آیات پیش خدمت ہیں:-

سورۃ ابراہیم (١٤) آیت ۹:- جب ان کے پاس رسول نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے موہوں پر رکھ دئے، یعنی زبردستی ان کو خاموش کرنا چاہا اور کہنے لگے کہ ہم تو تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں کرتے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے قوی شک میں ہیں۔

ایسے ہی ظالموں نے محمد ﷺ کے ساتھ زبردستی کی اور زدوکوب کیا، ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی ستایا اس پر اللہ نے نبی ﷺ کو بشارت دی۔

سورۃ مومن (۴۰) آیت ۲۵:-غرض جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ جو لوگ اس کے ساتھ (اللہ پر) ایمان لائے ہیں، ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور بیٹیوں کو رہنے دو۔ اور کافروں کی تدبیریں بے ٹھکانا ہوتی ہیں۔

سورۃ مومنون (۴۰) آیت ۷۷:-تو (اے رسول) صبر کرو اللہ کا وعدہ سچا ہے (ہو کر رہے گا)۔

سورۃ الاحقاف (۴۶) آیت ۳۵:-پس (اے رسول) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لئے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کرو۔

سورۃ قمر (۵۴) آیت ۴۴:-یا وہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت یعنی بڑی جماعت میں ہیں۔

سورۃ قمر (۵۴) آیت ۴۵:-ابھی اس جماعت کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ دکھا کر بھاگے گی۔

سورۃ مجادلہ (۵۸) آیت ۲۱:-اللہ لکھ چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ زور آور اور غالب ہے۔

یہ ہے غلبہ۔

سورۃ الصف (۶۱) آیت ۱۳:-اور تمہیں ایک دوسری (نعمت) بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے، ایمان والوں کو خوش خبری دے دو۔

سورۃ ضحیٰ (۹۳) آیت ۳:-اے محمد ﷺ تمہارے پروردگار نے نہ تو تمہیں چھوڑا، اور نہ تم سے ناراض ہوا۔

سورۃ ضحیٰ (۹۳) آیت ۴:-یقیناً تمہارے لئے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے۔

سورۃ ضحیٰ (۹۳) آیت ۵:-اور تمہیں تمہارا رب عنقریب وہ کچھ عطا کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

سورۃ القصص (۲۸) آیت ۲۵:-اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ زمین میں کمزور کر دئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں زمین کا وارث بنائیں۔

سورۃ القصص (۲۸) آیت ۲۶:-اور زمین میں ان کو قدرت دیں، اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھادیں، جس سے وہ ڈرتے تھے۔

سورۃ الصفٰت (۳۷) آیت ۱۷۱:-اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے۔

سورۃ الصفٰت (۳۷) آیت ۱۷۲:-کہ یقیناً وہی مدد کئے جائیں گے۔

سورۃ الصفٰت (۳۷) آیت ۱۷۳:-اور ہمارا لشکر ہی غالب اور برتر رہے گا۔

سورۃ الصفٰت (۳۷) آیت ۱۷۴:-اب تم کچھ دنوں تک ان سے منہ پھیر لو۔

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۱۲۰:-تم سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک کہ تم ان کے مذہب کے تابع نہ بن جاؤ۔

سورۃ المائدہ (۵) آیت ۱۴:-اور جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا تھا، انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا، جو انہیں نصیحت کی گئی تھی۔ تو ہم نے بھی، یعنی ہمارے قانون نے ان میں آپس میں بغض وعداوت ڈال دی جو تا قیامت رہے گی۔

سورۃ الفتح (۴۸) آیت ۱:-بے شک (اے نبی) ہم نے تمہیں ایک کھلم کھلا فتح دی۔

کیا فتح دی تھی؟ وہ سورت کے مفہوم میں ملاحظہ ہو:-

یہ فتح سورت روم کے نزول کے اتنے دنوں کے بعد ہی دی تھی، جتنے دنوں کے اندر مسلمانوں کو غلبہ دینے کی بات ہے، نہ کہ رومیوں کے غالب آنے کی۔ اللہ کی مدد مومنوں کے لئے ہوتی ہے، نہ کہ کافروں اور مشرکوں کے لئے، عیسائی کیا ہیں؟ قرآن سے فیصلہ لیا جائے:-

سورۃ المائدہ (۵) آیت ۷۲:-بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

سورۃ المائدہ (۵) آیت ۷۳:-وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔

سورۃ روم میں درج لفظ ''فی ادنی الارض'' کا مطلب بھی قرآن سے لیا جائے:-

سورۃ النجم (۵۳) آیت ۹:-''فکان قاب قوسین او ادنیٰ'' دو کمانوں کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ ''فی ادنی الارض'' کا ترجمہ ہوا کم زمین میں، نہ کہ نزدیک کے ملک میں۔ آیت میں ''غلبت الروم'' میں لفظ ''روم'' کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ ''رومی مغلوب ہو گئے''۔ اس ترجمہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ لفظ ''روم'' ''رومی'' زبان کا لفظ ہے۔ قرآن کیا کہتا ہے؟ کیا قرآن میں کسی اور زبان کا کوئی لفظ ہے؟ یا پورا قرآن عربی زبان کی کتاب ہے؟ ملاحظہ ہو:-

سورۃ یوسف (۱۲) آیت ۲:-ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔

سورۃ طٰہٰ (۲۰) آیت ۱۱۳:-اور ہم نے اس کو اسی طرح کا قرآن عربی نازل کیا اور اس میں طرح طرح سے تنبیہات رکھی ہیں، تاکہ لوگ پرہیز گار بنیں یا اللہ ان کے لئے نصیحت پیدا کر دے۔

سورۃ الشعراء (۲۶) آیت ۱۹۵:-(اور اتارا بھی) صاف عربی زبان میں کیا ہے۔

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۲۸:-یہ قرآن عربی ہے جس میں کوئی عیب اور اختلاف نہیں، تاکہ وہ ڈر مانیں۔

سورۃ حٰم سجدہ (۴۱) آیت ۳:-یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کا مفہوم کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ عربی زبان کا قرآن ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

سورۃ حٰم سجدہ (۴۱) آیت ۴۴:-اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی زبان کا قرآن بناتے تو کہتے کہ اس کی آیتیں کھول کر کیوں بیان نہیں کی گئیں، کہ قرآن کی زبان عجمی ہے اور ہماری زبان عربی ہے۔

قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا اس کا ہر لفظ و حرف عربی ہے۔ مگر علماء کہتے ہیں کہ اس میں بہت سے الفاظ دوسری زبان کے ہیں، اور یہ عقیدہ پختہ ہو گیا ہے۔ اس عقیدے کے تحت ہی سورۃ روم کے لفظ روم کا ترجمہ رومی کیا گیا ہے جو غلط ہے۔ اس عربی لفظ کا مطلب کیا ہے؟ وہ درج ہے:-

لفظ ''روم'' عربی ہے۔ ''رام یرو مو''، جس کا معنی ہے، مقصد، مطلب، قصد، خواہش۔ قصد کرنا، چاہنا۔

نبی کی خواہش اور مطلب کیا تھا؟ وہ یہ کہ لوگ دین اسلام قبول کر لیں، اور کامیاب ہوں۔ لیکن اس خواہش کو مشرکوں نے اپنی مخالفت سے مغلوب کر رکھا تھا، ہر طرح سے پریشان کرتے تھے جس کو محمد ﷺ اور مسلمان محسوس کرتے تھے اور افسوس کرتے تھے۔ اس افسوس اور احساس کو دیکھ کر اللہ نے اس سورت کی آیات میں یہ بتایا کہ اے محمد ﷺ آپ کی خواہش کو جو کم زمین طائف و مکہ میں مغلوب کر رکھا ہے، عنقریب آپ غالب آجائیں گے اور یہ مشرک مغلوب ہوں گے۔ اور یہی ہوا۔ مسلمان غالب آ گئے۔ جنگ بدر، جنگ احد اور فتح مکہ۔

یہ ہے وہ فتح، جس کو نہ معلوم کن وجوہات کی وجہ سے رومیوں کی مغلوبیت و فتح سے منسوب کیا گیا ہے، آیات میں ہے کہ اللہ کی مدد سے غالب آنا ہے، جو کچھ آیات لکھی گئی ہیں، اللہ کی مدد مومنوں کے لئے ہے، نہ کہ مشرک اور کافروں کے لئے۔ آیات میں ہے کہ نصاریٰ مشرک کافر اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، پھر دشمنوں کی شکست سے مسلمان کیوں رنجیدہ تھے؟ اور ان کی فتح پر کیوں خوش ہوئے؟ اس لئے آیات میں رومیوں سے مطلب نہیں، بلکہ نبیؐ کے مشن سے ہے کہ جلد یہ آپ کی خواہش غالب آجائے گی۔ اور آ گئی۔ اور جب تک غالب رہی جب تک مسلمان اللہ کے حکم پر چلتے رہے۔ جب مسلمانوں نے حکم کی خلاف ورزی کی، مغلوب ہو گئے۔ اگر پھر غالب آنا ہے تو، مومن بننا پڑے گا۔

(۱۶)

افک

قرآن میں ایک لفظ ''افک'' آیا ہے۔ جس کا مطلب ہے جھوٹ، بہتان، غلط الزام لگانا۔ اس کے بارے میں قرآن میں کیا ہے اور کیا سزا ہے؟ دیکھا جائے:-

سورۃ نور (۲۴) آیت ۴:-اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر (ثبوت میں) چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے مارنا اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرنا اور وہی پکے فاسق ہیں۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۵:-ہاں جو اس جرم کے بعد توبہ کر لیں اور اپنی حالت سنوار لیں تو اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۶:-اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کا الزام لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھالے کہ بے شک وہ سچا ہے۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۷:-اور پانچویں بار یہ کہے گا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۸:-اور عورت سے اس طرح سزا ٹل سکتی ہے کہ وہ (شوہر کے قسم کھانے کے بعد) پہلے چار مرتبہ اللہ کو گواہ ٹھہرا کر قسم کھائے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۹:-اور پانچوی مرتبہ کہے کہ اگر یہ شخص (اپنے الزام میں) سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۱۱:- جو لوگ بہتان باندھیں گے وہ تم میں سے ہی ایک جماعت ہیں، جو منافق ہیں

(جوتم میں رہ رہے ہیں) مگران کے بہتان باندھنے کو اپنے حق میں برا نہ سمجھنا، بلکہ وہ تمہارے لئے اچھا ثابت ہوگا (وہ اس لئے کہ جب تم اپنے خلاف غلط باتیں سنو گے تو ان کا علاج اللہ کی آیات کی روشنی میں تلاش کرو گے اور تم کو یہ علم ہو جائے گا کہ کون منافق ہے اور کون مومن؟ جو منافق چھپے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہو جائیں گے اور تم ان سے ہوشیار ہو جاؤ گے) اور یہ سمجھ لو کہ تمہارا کوئی نقصان نہیں، فائدہ ہی فائدہ ہے۔نقصان ان منافقین کا ہے۔(وہ ایسے کہ) جو اس طرح کے بہتان میں جتنا حصہ لے گا اس کے لئے اتنا ہی وبال ہوگا، اور ان میں سے جو کوئی بڑے ہنگامے میں زیادہ حصہ لے گا، اس کے لئے اتنا ہی بڑا عذاب ہوگا۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۲۶:- ناپاک کام ناپاک انسانوں کے لئے ہیں، اور ناپاک آدمیوں سے ناپاک کام ہی ہوتے ہیں۔اور اچھے کام اور اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لئے ہیں، اور اچھے لوگ اچھے کام ہی کرتے ہیں۔وہ کبھی بری باتوں کے پاس نہیں جاتے۔اور مومنوں کا دامن پاک ہے ان باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں، ان کے لئے بخشش ہے اور رزق کریم ہے۔

سورۃ نور کی مذکورہ بالا آیات بہت اہم ہیں، اور اہم واقعات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔اگر ان پر عمل کیا جائے تو امت محمدیہ بہت سی پریشانیوں سے بچ جائے، مگر ان کا مطلب اور تفسیر اس طرح سے کی گئی ہے، جس سے محمد ﷺ، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کی عزت داغدار ہوتی ہے۔وہ ایسے کہ ان آیات سے ایک ایسا قصہ بیان کیا جاتا ہے، جو حضرت عائشہؓ سے تعلق رکھتا ہے اور محمد ﷺ بھی اس زد میں آتے ہیں، اور اس بہتان کو لگانے والے، بہت سے صحابی وصحابیات بھی زد میں ہیں۔مگر یہ سارا قصہ ایک فرضی قصہ ہے۔آیت میں کہیں نہ تو عائشہؓ کا نام ہے اور نہ ہی واحد ضمیر مونث نظر آتی ہے۔آیات میں جو بھی بیان ہے، وہ ان غلط واقعات کے بارے میں ہے، جن کو منافقوں نے مسلمانوں سے منسوب کر دیا تھا، اور ان کا علاج بھی بتایا گیا ہے۔اور آیت ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ یہ جملہ مومنین مرد، عورت ایسے غلط کاموں سے پاک ہیں، جو غلط بہتان یہ منافقین ان پر لگاتے ہیں۔

سورۃ نور کی آیت ۲۶ کا وہ ترجمہ بھی پڑھ لیا جائے جس میں کہا گیا ہے کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں، اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں۔ایسے پاک لوگوں کے متعلق جو کچھ لوگ بکواس بہتان بازی کر رہے ہیں وہ ان سے بالکل بری ہیں، ان پاک لوگوں کے لئے بخشش ہے اور عزت والی روزی۔مولانا جونا گڑھی اور

سب کا یہی ترجمہ ہے۔اگر اس ترجمہ کو درست مان لیا جائے تو اس کی زد میں کچھ معصوم بزرگ بھی آجاتے ہیں، جن کے بارے میں ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا۔جیسے حضرت لوطؑ، حضرت نوحؑ جو معصوم اور نیک تھے، لیکن ان کی بیویاں بد تھیں اور فرعون بد تھا اس کی بیوی مومن اور پاک تھی، جن کی شہادت قرآن دے رہا ہے۔اس لئے خبیث عورتوں والا ترجمہ غلط ہے، اس آیت پر عالموں نے جو تفسیر درج کی ہے، جس کی شہادت بخاری کی حدیث سے بھی ملتی ہے پیش ہے:-

تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی، صہ ۴۶۷/۲۰:- یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے، جو حضرت عائشہؓ صدیقہ پر اٹھایا گیا تھا۔واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ۶ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے۔حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہمراہ تھیں، ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، وہ ہودے میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں، جمال ہودے کو اونٹ پر باندھ دیتے۔ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہؓ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں، وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔اس کی تلاش میں دیر لگ گئی۔یہاں پیچھے کوچ ہو گیا۔جمال حسب عادت اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے، اور اس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہؓ اس میں تشریف رکھتی ہیں، اٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا، کیونکہ ان کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلکا تھا۔غرض جمال نے ہودہ باندھ کر اونٹ کو چلتا کر دیا۔حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلاف مصلحت ہے، جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں۔حضرت صفوان بن معطلؓ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔دیکھا کوئی آدمی پڑا سو رہا ہے۔قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہؓ ہیں (کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔جس سے ان کی آنکھ کھل گئی، فوراً چہرا چادر سے ڈھانک لیا۔حضرت صفوانؓ نے اونٹ ان کے قریب لا کر بٹھلا دیا، یہ اس پر پردے کے ساتھ سوار ہو گئیں۔انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملایا۔عبداللہ بن ابی بڑا خبیث، بدباطن، اور دشمن رسول ﷺ تھا، اسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کر دیا۔اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی (مثلاً مردوں میں سے حضرت حسان، حضرت مسطح، اور

عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحش) منافقین کے مغویانہ پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوس ناک تذکرے کرنے لگے، عموماً مسلمانوں کو اور خود جناب رسول کریم ﷺ کو اس قسم کے واہیات تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ایک مہینہ تک یہی چرچا رہا۔حضور ﷺ سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے، مگر دل میں خفا رہتے، ایک ماہ بعد ام المومنین عائشہؓ کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی شدت غم سے بیتاب ہو گئیں۔شب و روز روتی تھیں۔ایک منٹ کے لئے آنسو نہ تھمتے تھے۔اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگوئیں ہوئیں، جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔آخر حضرت صدیقہؓ کی برأت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ نور کی آیتیں "ان الذین جاءُوْ بالافک..... انه" سے دور تک نازل فرمائیں، جس پر عائشہ صدیقہؓ فخر کیا کرتی تھیں، اور بلاشبہ جتنا فخر کریں تھوڑا تھا۔

اور وہ آیتیں بھی پڑھ لی ہوں گی، جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کیا ان میں حضرت عائشہؓ کا نام ہے یا ضمیر واحد مونث ہے؟ غور کرو! یا افک والا الزام صرف عائشہؓ پر ہی نہیں تھا بلکہ دوسرے صحابی بھی اس کی زد میں تھے، ان کو پڑھ کر فیصلہ کرو کہ یہ الزام کس پر تھا؟ آیات افک کے حوالے سے روایات کثرت سے درج ہیں۔جو تفسیر، حواشی اور صحاح کی کتابوں میں درج ہیں۔ان کے پڑھنے سے یہ علم ہوتا ہے کہ ایک جنگ سے واپسی کے موقعہ پر حضرت عائشہؓ کے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے دشمنوں کو الزام تراشی کا موقعہ مل گیا۔یہاں تک کہ اس الزام نے مسلم معاشرے میں ایک خطرناک حالت پیدا کر دی، اور خود رسول اللہ ﷺ کے دل میں حضرت عائشہؓ کے متعلق شکوک پیدا ہو گئے۔بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ یہ قصہ حضرت عائشہؓ کو بے گناہ ثابت کرتا ہے۔اس قصہ سے ایک ایسے انسان کی تصویر سامنے آتی ہے جو بہتان تراشی کے طوفان سے کافی دنوں تک پریشان رہتا ہے، جو ایک فہیم نبی کی نہیں ہو سکتی۔اگر یہ بہتان تراشی درست تھی اور محمد ﷺ پر اس کی زد پڑھ رہی تھی تو آیات کے مطابق رسول ﷺ اس قصہ کا فیصلہ کرتے۔یعنی الزام لگانے والوں سے چار گواہ طلب کرتے اور غلط ہونے پر ان کو سزا دی جاتی؟ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔اور یہ قصہ ایک ماہ تک چلتا رہا۔جس کو اللہ نے مداخلت کر کے طے کیا۔

اس واقعہ کا ایک دوسرا رخ اور بھی ہے، جو ماریہ قبطیہ سے متعلق ہے۔جن سے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے بتائے جاتے ہیں۔ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ نومولود، دراصل جریج قبطی کا بیٹا ہے۔جب خبر محمد ﷺ کو پہنچی تو محمد ﷺ نے اس کو سچ مان کر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ماریہ کا چچازاد بھائی (جریج) جہاں ملے اس کی گردن

اُڑا دو۔حضرت علیؓ اس کے لئے چلے، مگر خیر یہ ہو گئی کہ علیؓ کو معلوم ہو گیا کہ یہ تو مقطوع الذکر یا مخنث ہے، اس لئے جریج قتل ہونے سے بچ گیا، یہ مسلم میں درج ہے۔مگر اس روایت کے جھوٹ ہونے کے لئے یہ ہی کافی ہے کہ محمد ﷺ نے بغیر تحقیق کے ایک آدمی کے قتل کا حکم دے دیا، جو کہ ناممکن ہے۔محمد ﷺ بغیر کسی تحقیق کے قتل کا حکم نہیں دے سکتے تھے۔اس واقعہ کی مختلف تفصیلات جو مسلم، مستدرک حاکم اور دوسری کتابوں میں درج ہیں، ان میں بہت تضاد ہے۔اس لئے بھی یہ قصہ غلط ہے۔

محمد بن اسحاق بن یسارؒ جن کو سیرت رسول کا اصل مصنف کہا جاتا ہے، انہوں نے افک کا پس منظر حضرت ام سلمہ کو قرار دیا ہے۔جو مصنف کے بقول عثمان بن طلحہ کی معیت میں مکہ سے مدینہ آ رہی تھیں اور جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ منافقین نے طرح طرح کے قصے گڑھ کر انہیں متہم کرنے کی کوشش کی تھی۔

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت (کتاب الرضاع) باب العمل بالحاق القائف الولد) میں آیت افک کا پس منظر ام ایمنؓ کو بتایا گیا ہے۔اس کے مطابق شرپسندوں نے حضرت ام ایمنؓ پر یہ الزام لگایا کہ ان کا بیٹا اسامہؓ، زید سے نہیں ہے۔لیکن قیافہ شناس نے ان کو پہچان کر حضرت زیدؓ سے بتایا۔بعض روایتوں میں افک کا موضوع حضرت علیؓ ہیں۔کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کو محمد ﷺ نے یمن بھیجا کہ حضرت خالدؓ سے مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو مرکز کا ہوتا ہے، وصول کر لائیں۔حضرت علیؓ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ وصول کیا اور اس سے حاصل ایک لونڈی سے مباشرت کی۔جس پر عبداللہ بن بریدہ نے اعتراض کیا۔یہ بھی ایک روایت ہے کہ واپسی پر ان میں سے چار صحابہ نے حضور ﷺ سے اس غلط بات کی شکایت کی۔ترمذی کے مطابق جو اس روایت کو حسن غریب بتاتے ہیں، ان شکایتوں پر حضور ﷺ سخت غضبناک ہوئے اور کہا کہ علی مجھ سے ہے اور میرے بعد علی مومنین کا ولی ہے۔

بعض راویوں نے اس آیت کو حضرت فاطمہؓ کی برأت کے سلسلے میں نازل ہونا بتایا ہے۔بلکہ شیعہ روایتوں کے مطابق تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ افک کا سرکاری جرم چونکہ حضرت عائشہؓ سے سرزد ہوا تھا، اس لئے امام مہدی کے ظہور کے بعد عائشہؓ کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اور ان پر حد جاری کی جائے گی۔

اس قسم کے بہت سے غلط بیانات شان نزول کے حوالے سے تفسیر کی مختلف کتابوں کے حاشیوں میں محفوظ ہیں، اس واقعہ کو اگر قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ بالکل غلط اور محمد ﷺ کی کردار کشی کرتا نظر آتا ہے، جو ستم ہے۔مگر روایات کے پجاریوں نے اس کو صحیح تسلیم کر کے قرآن کو مجبور بنا کر رکھ دیا ہے، اس لئے ایسا کرنا ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

نوٹ:-اس واقعہ کی تفصیل منظّم مفہوم القرآن اردو ہندی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۷)

کیا بیمار کو روزہ رکھنا چاہئے؟

اللہ کا حکم کیا ہے؟ دیکھا جائے:-

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۱۸۳:-اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کر دئے گئے۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تا کہ تمہارے اندر برائیوں سے بچنے کی صفت پیدا ہو جائے۔

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۱۸۴:- یہ چند مقرر دنوں کے روزے ہیں، اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے اور جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں (پھر کسی مجبوری کے تحت روزہ نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں، ایک روزہ کا فدیہ مسکین کو کھانا کھلانا ہے، اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے، تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ تاہم وہ روزہ رکھے تو بہتر ہے۔

اللہ نے بیمار ہونے یا سفر پر ہونے کی صورت میں روزہ رکھنے کو منع کیا ہے، اور محمد ﷺ نے اس حکم کی پابندی کی، تو امت کے لئے اس سنت پر اور اللہ کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے۔

نبی ﷺ نے سفر میں کیا کیا؟ یہ بھی دیکھ لیں:-

بخاری جلد اول کتاب الصوم صہ ۶۹۸ حدیث نمبر ۱۸۱۷۔ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؐ روزے سے تھے۔ جب عسفان پہنچے تو پانی منگایا اور دونوں ہاتھ اٹھا دئے تا کہ لوگ دیکھ لیں، پھر آپؐ نے افطار بھی کیا اور آئندہ روزے نہ رکھے، تا آنکہ مکہ پہنچ گئے، اور یہ رمضان کی بات ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا بھی اور افطار بھی کیا، جس کا جی چاہتا، روزہ رکھ لیتا اور جو نہ چاہتا افطار کر لیتا۔

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۱۸۵:- رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا (یعنی شروعات ہوئی) جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی ہیں۔ جو حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے، اللہ تمہارے ساتھ نرمی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔ اس لئے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تا کہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو۔ اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور فرمانبردار بنو۔

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۱۸۷:-(اے اہل ایمان) تمہارے لئے روزوں کی رات میں اپنی عورتوں سے ہم بستر ہونا حلال کر دیا ہے، تمہاری عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ یہ بات اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اپنے نفوس کی حق تلفی کرو گے، پس اللہ اپنی رحمت کے ساتھ تم پر متوجہ ہوا اور تم سے درگزر فرمائی۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لئے جائز کر دیا ہے اسے حاصل کرو۔ نیز راتوں کو کھاؤ پیو، یہاں تک کہ تم کو سیاہ شب کی دھاری سے صبح کی سفید دھاری نمایاں نظر آ جائے۔ پھر روزہ پورا کرو رات تک اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو، یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان کے قریب نہ پھٹکنا، اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لئے بصراحت بیان کرتا ہے امید ہے کہ وہ غلط رویے سے بچیں گے۔

آیات بالا میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ بیمار ہونے کی حالت میں روزہ نہ رکھو اور روزے کی حالت میں دن میں بیویوں سے مباشرت نہ کرو، ان باتوں پر نبی ﷺ نے پورا عمل کیا، لیکن نبیؐ کے لئے حدیث میں کیا لکھا ہے؟ اور فقہ میں کیا درج ہے؟ ملاحظہ ہو:-

بخاری، جلد اول، کتاب الصوم، باب ۱۲۰۶:- روزہ دار کا مباشرت کرنا، سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ روزہ دار کے لئے عورت کی شرمگاہ حرام ہے۔

بخاری، جلد اول، کتاب الصوم، صفحہ ۶۹۱، حدیث نمبر ۱۷۹۸۔ سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مباشرت کرتے اور بوسہ لیتے، جب کہ وہ روزے سے ہوتے، اور وہ تم میں سب سے بڑھ کر خواہشات پر قابو رکھنے والے تھے۔ ابن عباسؓ کے مطابق "مآرب" کا مطلب حاجت ہے اور طاؤس کہتے ہیں "اولی الا ربتہ"، سے وہ بے وقوف مراد ہے جسے عورتوں کی خواہش نہ ہو (تو کیا نبیؐ بے وقوف تھے؟ نعوذ)۔

حدیث میں دیکھ لیا کہ محمد ﷺ روزے کی حالت میں مباشرت کرتے تھے (نعوذ)۔ کیا نبی قرآن کی خلاف ورزی کر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں!

اب یہ دیکھا جائے کہ فقہ کیا کہتا ہے؟

روزے کی حالت میں انجکشن کے مسئلے پر بھی فقہاء نے قدیم کتب فقہ میں موجود از کار رفتہ فقہی مفروضات کی بنیاد پر غور و فکر کرنا ضروری جانا، جس کے مطابق اولاً انسانی جسم کو جوف بدن، جوف دماغ اور جوف بطن کی اصطلاحوں میں تقسیم کیا گیا پھر یہ بتایا گیا کہ انجکشن چونکہ جوف بدن میں نہیں بلکہ بدن پر اثر انداز ہوتا ہے، اس لئے اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ دلیل یہ بھی دی گئی کہ جس طرح مرد کو پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے بالاتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا، اسی طرح انجکشن پر بھی اس حکم کا اطلاق ہوگا" کما شرح بہ الشامی حیث قال وافادانہ لو القیٰ فی قصبۃ الذکر لا یفسد اتفاقاً ولا شک فی ذلک شامی"۔

یہ بھی کہا گیا کہ دوا اگر مثانہ تک پہنچ جائے، جب بھی مفسد صوم نہیں جیسا کہ ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے۔ رہی یہ بات کہ ابو یوسف مثانہ میں دوا پہنچ جانے پر اسے مفسد صوم قرار دیتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی وہ معلومات ہے، جس کے مطابق مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے، جس سے دوا مثانہ میں پہنچ جاتی ہے۔

فقہ چونکہ اپنے قدیم فریم ورک میں گردش کرتی رہی، اس لئے اسے قدیم فقہاء کی طبی معلومات کا لازماً دست نگر ہونا تھا۔ کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ کان بھی ایک جوف ہے جس میں پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسا کہ صاحب درالمختار کا کہنا ہے یا جیسا عالمگیری میں لکھا ہے "وفی دواء الجائفۃ والائمۃ اکثر المشائخ علی العبرۃ للوصول الیٰ الجوف الدماغ"۔

انسانی جسم کی اس قدیم تفہیم کے مطابق فقہاء اس نتیجے پر پہنچے کہ روزے کو باطل کرنے کے لئے باہر سے جو چیز داخل کی جائے اس کا اولاً جوف معدہ یا دماغ میں پہنچنا ضروری ہے۔ ثانیاً اس کا یہ پہنچنا بھی مخارق اصلیہ کے راستے سے ہو۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے مصنوعی طریقے سے جوف معدہ یا دماغ میں پہنچنے والی شئے روزے کو باطل نہیں کر سکتی۔ انسانی جسم کی اس تفہیم کے مطابق گلوکوز کے انجکشن سے روزے کی شدت کو کم کرنا بھی ویسا ہی قرار پایا، جیسے شدید گرمی میں کوئی شخص ٹھنڈے پانی سے غسل کر کے پیاس کی شدت کو کم کرتا ہے (سیر الاولیاء حوالہ مذکور، ص ۱۲۷)۔

قرآن میں سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۸۴ میں ہے کہ آدمی جب بیمار ہو یا سفر میں ہو تو روزہ نہ رکھے اور روزہ رکھ لیا ہے، لیکن بعد میں سفر میں پریشانی ہے، تو افطار کر لے۔ جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے پہلے تو روزہ ہی نہیں رکھنا۔

ایسے ہی اگر بیمار ہو تو روزہ نہ رکھے، جب اللہ اجازت دے رہا ہے کہ بیمار کو روزہ نہیں رکھنا تو پھر روزے کے بارے میں یہ بحث کیوں سامنے آئی جو اوپر لکھی گئی ہے، اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ فقہاء حضرات اللہ کے حکم کو حکم نہیں مانتے تھے اور اپنی طرف سے وہ بات سامنے لاتے تھے جس کی اجازت قرآن نہیں دے رہا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کا علم اللہ سے بڑھ گیا (نعوذ)۔ کیونکہ اللہ نے روزے کی حالت میں اس علاج کو نہ بتایا، جو فقہاء نے ظاہر کیا گویا قرآن میں کمی رہ گئی، جس کمی کو فقہاء نے پورا کیا (نعوذ)۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ قرآن مکمل ہے۔ اللہ نے ہر بات کو کھول کھول کر بتا دیا اور نبیؐ نے اپنی سنت یعنی عمل سے ادا کر کے بتایا، اور قول سے بھی پوری وضاحت کر دی۔ اس لئے یہ بحث جو اوپر ہے بالکل غلط ہے۔

دوسری بات یہ کہ روزے کی حالت میں جب تک آدمی روزے سے ہے یعنی سحر کے سفید دھاگے سے شام کے کالے دھاگے تک مباشرت نہیں کر سکتا۔ روزہ افطار کے بعد مباشرت کی اجازت ہے اور نبیؐ نے بھی اس پر عمل کیا، کیونکہ نبیؐ قرآن کے پابند تھے۔ مگر روایت جو اوپر لکھی گئی ہے اس میں یہ ہے کہ عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ نبیؐ بوسہ لیتے تھے اور مباشرت کرتے تھے، حالانکہ وہ روزہ سے ہوتے تھے (نعوذ) ان باتوں پر اہل علم غور کریں کہ حقیقت کیا ہے؟

(۱۸)

مسیح موعود کے بارے میں

سورۃ الصف (۶۱) آیت ۹:- کہو! وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ (انسانوں کے بنائے ہوئے) تمام دینوں پر ظاہر غالب کر دے چاہے مشرکوں کو برا ہی لگے۔

سورۃ انفال (۸) آیت ۸:- تا کہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل کر دے چاہے مجرموں کو کتنا ہی نا گوار ہو۔

سورۃ توبہ (۹) آیت ۳۲:- وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کئے بغیر رہے گا نہیں، اگر چہ کافروں کو برا ہی لگے۔

سورۃ توبہ (۹) آیت ۳۳:- وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو دین حق دے کر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اس دین حق کو تمام دینوں یعنی لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے قانونوں پر ظاہر غالب کرے اگر چہ کافروں کو برا لگے (یعنی اب فرضی قانونوں پر عمل نہ ہوگا)۔

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۸۱:- اور تم اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا اور باطل اسی لئے ہے کہ تباہ و برباد ہو۔

سورۃ سبا (۳۴) آیت ۴۹:- کہدو کہ حق آ گیا اور باطل نے نہ تو پہلی بار کچھ پیدا کیا اور نہ دوبارہ پیدا کر سکتا ہے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۸۱:- اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب اللہ کے قانون نے (اپنے نبی کے ذریعہ بنی اسرائیل سے) ان کی امت سے آنے والے نبیوں کے لئے عہد لیا کہ بے شک میں نے تمہیں جو کتاب و حکمت عطا کی ہے پھر اگر تمہارے پاس کوئی رسول اس کتاب کی تصدیق کرنے والا آئے، جو تمہارے پاس

ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا اور فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا کہ پس تم گواہ رہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

نوٹ:- اس کا ترجمہ عالموں نے جو کیا ہے وہ آگے لکھا جائے گا۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۱۵۹:- اور بے شک جو حقیقت میں اہل کتاب ہے وہ یقیناً (عیسیٰ اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق) ایمان لائے گا اس پر، یعنی محمد ﷺ پر اپنی موت سے پہلے۔ اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔

نوٹ:- عالموں نے اس کا ترجمہ غلط کر رکھا ہے۔

سورۃ الزخرف (۴۳) آیت ۶۱:- اور وہ وقت یعنی فرشتے آنے کا وقت دراصل قیامت کی نشانی ہے۔ پس تم اس میں شک نہ کرو اور میری بات مانو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

نوٹ:- اس کا ترجمہ بھی بدل رکھا ہے۔

سورۃ صف (۶۱) آیت ۶:- اور وہ وقت یاد کرو جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو حفاظت کے درمیان طاقتور ہاتھوں میں توریت سے تمہارے پاس موجود ہے اور ایک رسول کے آنے کی بشارت دیتا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمدؐ (محمدؐ) ہوگا، پھر جب وہ محمد ان کے پاس کھلی نشانیاں (یعنی قرآن) لے کر آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

مسیح موعود کے بارے میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں مشترکہ خیالات ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے زندہ اٹھا لیا ہے اور وہ پھر دنیا میں واپس آ کر انسانوں کو ظلم سے نجات دیں گے، شادی بھی کریں گے۔ ان کے ساتھ امام مہدی بھی ہوں گے۔ امام کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا، کیونکہ قرآن میں صرف حضرت عیسیٰؑ کا ہی ذکر ہے۔

شیعہ فرقہ کی ایک کتاب جس کا نام کتاب ''فقہ جعفری اور مختلف مکاتب فقہ'' ہے، اس کے صفحہ ۳۰ پر حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ یہودیوں نے نہ تو حضرت عیسیٰؑ کو قتل کیا ہے اور نہ ہی ان کو سولی دی ہے بلکہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں آسمان پر اٹھا لیا، اور وہ قیامت سے قبل تشریف لائیں گے، اور اس وقت موجود اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ

بعد از نزول ۴۳ سال زندہ رہیں گے، امام مہدی کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے، دجال کو قتل کریں گے۔ حضرت عیسیٰؑ اپنے نزول کے بعد شادی کریں گے، ان کی اولاد ہوگی، حج کریں گے، امام مہدی سات سال دنیا میں حکمرانی کریں گے۔

امام مہدی سات سال دنیا میں حکمرانی کریں گے اس کا مطلب یہ ہوا کہ سات سال کے بعد وفات پا ئیں گے۔ اور عیسیٰؑ ۴۳ سال زندہ رہیں گے تو اس وقت حکومت اور امامت کا حق دار کون ہوگا؟ ظاہر ہے عیسیٰؑ نبی ہیں اس لئے امامت اور حکومت کے حقدار وہ ہوں گے؟ گویا آخری امام وہی ہیں؟

شیعہ حضرات نے اپنی امامت خود بخود عیسیٰؑ کے حوالہ کر دی۔ غور کرو ایک دوسری کتاب ''تحفۃ القادیان'' ہے جس کے مصنف، رئیس المبلغین حضرت الحاج مولانا سیف اللہ صاحب مبلغ دار العلوم دیوبند ہیں۔ اس میں صفحہ ۸۵ پر ایک مضمون ''نصرت الٰہی بصورت قانونی غلبہ'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ غور کرنے کے لئے لکھتا ہوں ''اقوام عالم کے نزدیک غلبہ ونصرت اور فتحیابی کی ایک اور صورت بھی تسلیم شدہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی دولت عظمیٰ کی جنگ ایسی حکومت سے چھڑ جائے، جس کی نو آبادیات مشترکہ بساط ارضی پر پھیلی ہوں اور وہ میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے دولت مشترکہ کی تمام فوجیں اپنی دولت عظمیٰ کی امداد ونصرت میں شکست کھا چکی ہوں لیکن آخری اور فیصلہ کن جنگ میں مقتدر اعلیٰ حاکم اور دولت مشترکہ کی افواج دشمن کو زیر ومفتوح کر لیں تو بین الاقوامی قانون کی رو سے تمام نو آبادیات و دولت عظمیٰ شکست خوردہ ہونیکے باوجود غالب وفاتح اور مظفر ہی تسلیم ہوں گی اور تاوان جنگ لینے میں برابر کی حصہ دار ہوں گی۔ چنانچہ سرتاج نبوت سرور دو عالم خاتم الانبیاء محمد الرسول اللہ ﷺ کی مملکت نبوت وہ دولت عظمیٰ ہے جس کی دولت مشترکہ اور نو آبادیات نبوت روئے زمین کے چپے چپے پر قائم اور پھیلی ہوئی ہیں، اور تمام انبیاء کرام ورسل دولت مشترکہ کی حیثیت میں، مملکت محمد ﷺ کے نمائندہ اور رکن ہیں۔ اسی دولت مشترکہ کا ایک جلیل القدر شہزادہ (ایک ہی کیوں؟) جس کے پاس تقرب الی اللہ کا پٹکا، رسالت عظمیٰ کا تاج، کلمۃ اللہ وروح اللہ کے شاہی مرصع تمغے تائید روح القدس کی وردی میں ملبوس حفظان صحت کا زبردست ماہر ڈاکٹر، صنعت وحرفت کا وزیر، اعلیٰ درجہ کا موجود سائنس داں حضرت عیسیٰؑ آجکل ولایت عظمیٰ تشریف لے گئے ہیں۔ جہاں صنعت وایجاد اور ریسرچ کے عمدہ محکمے پہلے ہی سے قائم ہیں۔ (گویا ہوائی جہاز، ایٹم بم وغیرہ وہاں بن رہے ہیں، جن کو عیسیٰؑ سیکھ رہے ہیں) جب کہ کورس پورا ہو جائے گا، تو وہ ایجادات سے واقف ہو کر اعلیٰ قسم کے جدید اسلحہ سے مسلح اور خلافت

محمدی کی ڈگری لے کر باطل شکنی کے لئے صفحۂ ارض پر واپس ہوں گے۔ (حضرت عیسیٰؑ کا کورس پورا ہونے کا عرصہ کیا ہے؟ اب تک تقریباً ۲۰۱۲ سال گزر چکے ہیں اور نا معلوم آئندہ اس کورس کی مدت کتنی ہے؟ کیسی عجیب بات ہے کہ اس دنیا میں تربیتی کورس کی مدت تین، چار اور حد سے حد پانچ سال ہے۔ مگر اللہ کے اسکول میں اتنی طویل؟ کیا یہ عدل ہے؟) اور مرکز باطل مسیح دجال کو زیر کر کے دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کریں گے۔ یہ قانونی اور آخری غلبہ ہوگا۔ پس اس عرصہ میں اگر تمام دولت مشترکہ باطل سے مغلوب ہو کر شکست کھا جائیں، اور تمام انبیاء کرام بالفرض قتل بھی ہو جائیں، تب بھی غلبہ محمدی کی وجہ سے سب کے سب غالب ومنصور من اللہ ہیں (کتاب تحفۃ القادیان صفحہ ۹۰ تا ۹۲)۔

سابقہ انبیاء کرام ورسل علیہم السلام کی تاریخ اور سرور دو عالم خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی پوری زندگی اور آج کا ماحول اس پر شاہد ہیں کہ فتنہ باطل ابھی تک پوری طرح ختم نہیں ہوا۔ جب کہ حدیث الجہاد الیوم القیامہ میں اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ حرب وقتال کا یہ سلسلہ اولیاء اللہ اور اولیا الشیطان کے درمیان ابتداء عالم سے آج تک جاری ہے، اور خروج دجال ونزول مسیح تک جاری رہے گا۔ اس عرصہ میں دونوں جماعتوں میں ''الحرب بیننا وبینھم سجال '' کا نقشہ رہنا ضروری ہے۔ جس کی وجہ سے اولیاء الشیطان غالب ومغلوب ہوتے رہیں گے۔ البتہ نزول عیسیٰؑ پر اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان کے درمیان ایک فیصلہ کن آخری جنگ ہوگی، جس میں کامل غلبہ حزب اللہ رحمان والی جماعت کا ہوگا، جس پر آیت ذیل پر نص ہے۔

سورۃ الصف (۶۱) آیت ۹:- وہ خدا ایسا ہے جس نے رسول کو ہدایت قرآن اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ تمام ادیان پر خدا کا دین غالب کر دے، اگر چہ مشرکین لوگ کیسے ہی نا خوش ہوں۔

نوٹ:- عالموں نے اس آیت کو حضرت عیسیٰؑ سے منسوب کیا ہے کہ وہ آ کر غالب کریں گے، جب کہ یہ غلط ہے۔ دین تو غالب محمد ﷺ کر گئے، ان کے زمانہ میں ہو گیا، ان آیات سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ دین محمدؐ نے غالب کر دیا اللہ کی تائید سے۔ لیکن عالم کیا کہتے ہیں؟ پیش ہے:-

حدیث:- اور آسمان سے عیسیٰ ابن مریم اس حالت میں زمین پر اتریں گے کہ ان کے ہاتھ میں اسلحہ ہوگا، جس سے دجال کو ہلاک کر کے دین حق کی تائید کریں گے۔ (نبراعادہ صفحہ ۳۷۴، تلخیص الجبیر صفحہ ۳۴۴، فتح البیان صفحہ ۳۴۴ وغیرہ)

اور بہت سی تفسیر وحدیث میں یہ روایت موجود ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے جسمانی نزول پر اجماع

امت ہے، جس کی تصدیق احادیث متواترہ سے ہورہی ہے۔ کیا کسی آیت قرآن سے بھی نزول مسیح کا ثبوت ہے؟

علماء محققین صوفیاء عظام، ائمہ حدیث وتفسیر ائمہ اربعہ تابعین صحابہ کرام، سرور دو عالم ﷺ اور قرآن عزیز حیاۃ مسیح رفع جسمانی الی السماء ونزول جسمانی من السماء کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسی پر اجماع ہے (اگر اس پر اجماع ہے تو غلط ہے اور اجماع کرنے والوں کو قرآن کا علم نہیں۔ محمد ﷺ اور صحابہ کا نام لکھنا ایک غلط بات ہے وہ کبھی اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ قرآن آپ کے عقیدے کی تائید نہیں کرتا۔ قرآن سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰؑ کی وفات یعنی موت ہو چکی (سورۃ مائدہ آیت ۱۱۷)۔

اس تحریر سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ دین اسلام ابھی تک غالب ومکمل نہیں اور حضور ﷺ سے بھی یہ دین غالب نہ ہو سکا، جس کو عیسیٰؑ آکر غالب کریں گے۔ کیا خوب آیت سے ظاہر ہوتا ہے، جو اللہ کا حکم ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو مبعوث ہی اسی لئے کیا تھا کہ جملہ شعبوں کے ساتھ دین اسلام کو بھی غالب کریں اور نبیؐ نے ایسا کیا۔ اگر ایسا نہ کرتے تو حق رسالت ادا نہ ہوتا۔ مگر علماء کرام کہتے ہیں کہ غالب نہ ہوا تھا، عیسیٰؑ آکر غالب کریں گے (نعوذ)۔

مگر یہ عقیدہ ختم نبوت کا انکار ہے۔ اور اس عقیدے سے فائدہ اٹھا کر غلام احمد قادیانی نے اپنے کو مسیح موعود اور مہدی اور بروزی نبی ثابت کر دیا (نعوذ)۔ جب دین مکمل اور غالب ہو جاتا ہے اس وقت سے نبی کا آنا موقوف ہو جاتا ہے اور تحریر بالا سے یہ ثابت ہو گیا کہ دین حق ابھی تک غالب نہ ہوا۔ جس کی تائید میں ایک قرآن کی آیت بھی درج کر دی ہے، اس طرح آخری نبی حضورؐ نہ ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ ہوئے (نعوذ)۔ اس عقیدے کو رکھنے والے کیا ہیں؟ ذرا غور کریں۔

اب یہ دیکھیں کہ اللہ دین اسلام کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ یہ دین غالب ہو گیا یا نہیں؟ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۱، سورۃ انفال آیت ۸، سورۃ توبہ آیات ۳۲-۳۳، سورۃ نباء آیت ۴۹۔

بالا آیات مضمون کے شروع میں لکھ دی ہیں ملاحظہ ہوں۔ ان آیات سے ثابت ہے کہ اللہ کا دین غالب اور کامل ہو گیا، حضور ﷺ کی حیات میں۔ اس لئے اب نبی آنے کی ضرورت نہیں۔ مگر علماء لکھ رہے ہیں کہ حق وباطل کی جنگ ہوگی، جب دین حق غالب وکامل ہوگا۔ کیا مزے کی بات ہے؟ جن آیات کو یہ عیسیٰؑ کی تائید میں پیش کر رہے ہیں، ان سے مراد حضور ﷺ ہیں کہ یہ نبی عربیؐ دین حق کو تمام باطل خود ساختہ ادیان پر

غالب کر دیں گے، بھلے ہی مشرک لوگ ناخوش ہوں۔ مگر علماء نے ان آیات کو حضرت عیسیٰؑ کی شان میں لکھ کر حضور ﷺ کی توہین کر دی، اور اپنے عقیدے کو پختہ کرنے کے لئے کچھ آیات کا غلط ترجمہ کر دیا، ان کا کیا ہوا ترجمہ پیش ہے، ملاحظہ ہو:-

سورۃ نساء (۴) آیت ۱۵۹:- اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا، جو حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے۔ اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے۔

سورۃ الزخرف (۴۳) آیت ۶۱:- اور یقیناً عیسیٰؑ قیامت کی علامت ہیں۔ پس تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو یہی سیدھی راہ ہے۔ (یہ ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی کا ہے اور تقریباً یہی ترجمہ سب کا ہے، کچھ نے تھوڑا فرق کیا ہے، یعنی اپنی موت سے پہلے عیسیٰؑ پر ایمان لاتا ہے، مقصد دونوں آیات سے یہی ہے کہ عیسیٰؑ زندہ ہیں اور آئیں گے اور ان پر ایمان لانا ہے)

دوسری آیات پیش ہیں، جس میں عیسیٰؑ کی پیشین گوئی ہے محمد ﷺ کے لئے، ملاحظہ ہوں:-

سورۃ صف (۶۱) آیت ۶:- (اور وہ وقت یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو حفاظت کے درمیان طاقت ور ہاتھوں میں توریت سے تمہارے پاس موجود ہے اور ایک رسول کے آنے کی بشارت دیتا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا۔ پھر جب وہ احمد (محمد ﷺ) ان کے پاس کھلی نشانیاں (یعنی قرآن) لے کر آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

سورۃ نساء کی آیت ۱۵۹ میں درج ہے کہ جو اہل کتاب حقیقت میں اہل کتاب ہیں، وہ اپنی موت سے پہلے محمد ﷺ پر ایمان لائے گا (جو سورۃ صف کی آیت ۶ اور سورۃ آل عمران کی آیت ۸۱ سے ثابت ہے) نہ کہ عیسیٰؑ پر ایمان۔ سورۃ زخرف کی آیت ۶۱ میں عیسیٰؑ قیامت کی نشانی نہیں ہیں، بلکہ فرشتے قیامت کی نشانی ہیں۔ جب فرشتے زمین پر آئیں تو وہ قیامت ہوگی۔ ان باتوں پر غور کریں۔

کتاب تحفۃ القادیان کی مذکورہ بالا عبارت میں ایک بات یہ آئی کہ دولت عظمیٰ کا ایک شہزادہ آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاری کے لئے جنگ کے جدید طریقے سیکھنے کے لئے ولایت تشریف لے گیا ہے اور وہاں سے جدید اسلحہ سے جنگ کرنے کا طریقہ سیکھ کر واپس آکر فیصلہ کن جنگ کرے گا، گویا وہ سپہ سالار ہے۔ تو ان کی فوج بھی ہوگی، کیونکہ جنگ تنہا نہیں لڑی جاتی۔ آپ نے یہ بھی پڑھا ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ یہ جنگ کا طریقہ

سیکھ کر اس وقت تشریف لائیں گے، جب دنیا میں باطل کا غلبہ ہوگا اور حق پرست مغلوب ہوں گے اور دجاّل سے جنگ شروع ہو چکی ہوگی۔

ہر آدمی یہ بھی جانتا ہے کہ جس زمانہ میں جنگ کا جو طریقہ ہوتا ہے اور جو بھی اس وقت جدید اسلحہ ہوتا ہے، اس سے فوج کا ہر سپاہی، افسر اور سپہ سالار واقف ہوتا ہے اور ان کو پہلے سے اس کا طریقہ سکھا دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ سپہ سالار تو اس طریقہ جنگ کو سیکھ لے، اور باقی فوج اس طریقہ سے نابلد ہو، تو ظاہر ہے جنگ کا نتیجہ ان کے خلاف ہوگا، بھلے ہی سپہ سالار کتنا ہی ہوشیار اور بہادر ہو، جنگ کا انجام سپاہیوں کی بہادری اور صلاحیتوں پر منحصر ہوتا ہے، یہ تو رہا جنگ کا طریقہ، کتاب تحفۃ القادیان میں یہ بھی درج ہے کہ بہت دنوں سے دولت عظمیٰ کا صرف ایک سپہ سالار تربیت کے لئے ولایت تشریف لے گیا ہے اور وہ سیکھ کر واپس آئے گا اور اس وقت آئے گا، جب جنگ ہوتی ہوگی۔ لکھنے والے نے یہ نہیں لکھا کہ دوسرے سپاہی بھی ولایت جنگ کا طریقہ سیکھنے گئے ہیں یا نہیں۔ صرف ایک شہزادہ کو لکھا ہے۔ جب یہ بات ہے، تو اس شہزادہ کی جنگ سے دوسرا کوئی واقف نہیں ہوگا، تو جنگ کیسے ہوگی اور لازماً جنگ کا نتیجہ شہزادہ کے خلاف ہوگا۔ لکھنے والے کو یہ لکھنا چاہئے تھا جیسا کہ یہ تاویل کرتے ہیں ''تـوفـیٰ۔ وفـیٰ'' کے معنی روح قبض کرنا نہیں، بلکہ زندہ اٹھا لینے کے ہیں۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کو موت نہیں آئی، بلکہ ان کو زندہ اٹھا لیا ہے۔ اگر آپ کی یہ بات درست مان لی جائے تو ہر آدمی کے لئے ''تـوفـی۔ وفـیٰ'' کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے اور ہر آدمی کو اللہ نے موت نہیں دی بلکہ ان کو بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح زندہ اٹھا لیا اور وہ بھی اس ٹریننگ اسکول، جس میں حضرت عیسیٰؑ جنگ کا طریقہ سیکھ رہے ہیں وہ سارے انسان بھی ان کے ساتھ جدید طریقہ جنگ سیکھ رہے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ وہ بھی دوبارہ دنیا میں آکر دولت عظمیٰ کی فوج میں شامل ہو کر دشمن سے جنگ کریں گے اور ان کو شکست دے کر حق کا جھنڈا بلند کریں گے۔ علماء کرام کو یہی لکھنا چاہئے، تب تو ان کی بات قابل تسلیم ہے ورنہ نہیں۔

اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے:-

سورۃ انبیاء (۲۱) آیت ۷:- (اے محمد!) ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب مرد تھے ان پر ہماری وحی نازل ہوتی تھی، (تو اے منکرو) اگر تم یہ بات نہیں جانتے تو اہل کتاب سے پوچھو (انہیں اس کا علم ہے)۔

سورۃ انبیاء (۲۱) آیت ۸:- اور ہم نے ان (رسولوں) کے جسم کو ایسا نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں

(یعنی ان کے جسم کو قائم رکھنے کے لئے غذا کی ضرورت تھی) اور نہ ہی وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے۔

سورۃ انبیاء (۲۱) آیت ۳۴:- اور (اے محمد!) ہم نے تم سے پہلے کسی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں بخشی (اور نہ تمہیں ہمیشہ رہنا ہے) پھر اگر تمہیں موت آ جائے تو کیا وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟

آگے بڑھنے سے پہلے ان دو آیتوں پر غور کیا جائے۔ اللہ نے پہلی آیت میں کہا کہ ہر نبی انسان ہے اور وہ جسم بھی رکھتا تھا اور کھاتا بھی تھا اور اس کو موت بھی آتی تھی۔ کیونکہ وہ سدا جینے والے نہ تھے اور اس کی تائید کے لئے کہا کہ اہل کتاب سے معلوم کرو، وہ ضرور اس بات کی تصدیق کر دیں گے۔ سوال ان اہل کتاب کا ہے جو کتاب پر یقین رکھتے ہوں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہوں۔ ان سے کوئی مطلب نہیں، جو زبان سے تو کہتے ہوں کہ ہم اہل کتاب ہیں اور عمل اس کے خلاف ہو، وہ حقیقی اہل کتاب نہیں، وہ ہر بات کو غلط ہی بتائے گا۔ مگر حقیقی اہل کتاب ضرور تصدیق کرے گا۔ اور اللہ نے اس بات کو پختہ کرنے کے لئے یہ کہا کہ حضور ﷺ سے پہلے جتنے بھی انسان ہوئے خواہ وہ نبی ہوں یا عام انسان وہ بھی مرے ہیں اور حضور ﷺ کو بھی موت آئی تھی اور بعد والوں کو بھی موت آنی ہے۔ آیت پیش ہے:-

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۳۰:- یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔

اس بات کو پڑھ کر ہی ہم یہ سمجھ لیتے کہ حضرت عیسیٰؑ کو موت آ گئی، کیونکہ وہ بشر تھے مگر نہ سمجھے۔ ایک آیت کے غلط ترجمے کو لیکر ہم دوڑے پھر رہے ہیں۔ اس کو دیکھ لیا جائے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۵۴:- پھر بنی اسرائیل (مسیح کے خلاف) خفیہ تدبیریں کرنے لگے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۵۵:- (وہ اللہ کی خفیہ تدبیر ہی تھی) جب اس نے کہا (اے عیسیٰؑ میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے ان سے (یعنی ان کی معیت سے اور ان کے گندے ماحول میں ان کے ساتھ رہنے سے) تجھے پاک کر دونگا، اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر بالا دست رکھوں گا، جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے۔ پھر تم سب کو آخر کار میرے پاس آنا ہے۔ اس وقت میں ان باتوں کا فیصلہ کر دوں گا، جن میں تمہارے درمیان اختلاف ہوا ہے۔

نوٹ:- اصل میں لفظ ''متـوفـیک'' استعمال ہوا ہے۔ ''تـوفـیٰ'' کے اصل معنی لینے اور وصول کرنے کے ہیں۔ (روح قبض کرنا) اس لفظ کا مجازی استعمال ہے نہ کہ اصل لغوی معنی۔

مذکورہ بالا ترجمہ اور تفسیر مولانا مودودی کا ہے۔ اور تقریباً سب ہی عالم اور مفسرین نے ایسا ہی لکھا

ہے۔بالاترجمہ اورتفسیروں میں "متوفیک" کامطلب بیان کیا گیا ہے،جس میں اصلیت کوچھپایا گیا ہے۔اس کامصدر ہے "وفی"۔اس کے معنی ہیں پورا کرنا،اچانک آنا،پوراوصول کرنا،چکانا،وصول کرنا،وقت متعین کرنا،روح قبض کرنا اورموت دینا۔اس لفظ کے اتنے معنی عبارت میں درج الفاظ کے مطابق ہوں گے۔جیسا تغیر ہوگا معنی بھی ویسے ہی ہوں گے۔تاہم اس لفظ کامعنی زندہ اٹھالینا تو کسی طرح بھی درست نہیں۔اگر اس معنی کو درست مان لیا جائے تو ہر آدمی کو اللہ نے زندہ اٹھالیا،پتہ نہیں وہ اتنے آدمی کہاں زندہ ہیں یا حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ فوجی ٹریننگ اسکول میں جدید جنگ کی تربیت حاصل کررہے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ہی واپس آنا ہے،اس صورت میں تو امام مہدی بچھڑ گئے،کیونکہ وہ دنیا میں ہی غار میں غائب ہیں اس لئے وہ اس تربیت گاہ میں نہ گئے۔

متوفیہ، توفیتنی،قرآن میں بہت جگہ آیا ہے اور ہر جگہ اس کے معنی موت ہی ہیں،مگر پتہ نہیں اس آیت میں ایسا کیوں نہ لکھا،جبکہ کئی عالموں نے اس آیت میں بھی وفات سے ہی مراد لیا ہے۔مگر ایک سازش کے تحت ہم مفہوم بدل دیتے ہیں۔لفظ "وفیٰ" کے معنی قرآن سے دیکھا جائے:-

سورۃ نساء(۴)آیت ۹۷:-جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں،جب فرشتے ان کی روح (توفٰهم) قبض کرتے ہیں----

سورۃ الاعراف (۷) آیت ۳۷:-یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض (يَتَوَفَّوْنَهُمْ) کرنے آئیں گے----

آیات میں لفظ "وفیٰ" ہے،اس کا ترجمہ روح قبض کرنا لکھا ہے پھر سورۃ مائدہ آیت ۱۱۷ میں اس لفظ کامعنی اُٹھالینا کس قاعدے سے لکھا ہے؟(دیکھو آیات ۸:۵۰،۱۶:۳۲،۳۹:۴۲،۴۷:۲۷)

آیت میں درج دوسرے لفظ "مکر" پرغور کیا جائے،اس لفظ کا مطلب خفیہ تدبیر ہے۔اس آیت میں اللہ نے لفظ 'مکر' کو استعمال کرکے یہ بتلایا ہے کہ یہودیوں نے ایک خفیہ تدبیر کی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کو قتل کردیں،مگر اللہ نے ان کی کاٹ کرکے ایک خفیہ تدبیر کی۔حضرت کوموت دے کر اس کے بعد ان کے جسم کو بھی غائب کردیا،اور کافروں سے پاک کردیا،اگر اللہ موت دے کر جسم کو رہنے دیتا،تو کافر ان کے جسم کے ساتھ بھی ظلم کرتے،ناپاک کرتے،جیسا ظالم لوگ کرتے ہیں۔ظالم تو قبروں سے ہڈیاں نکال کر ان کی بے عزتی کرتے ہیں،ان کو ناپاک کرتے ہیں،تاریخ اس کی شاہد ہے۔اگر حضرت کا جسم بے روح ان ظالموں کو مل جاتا

تو ضرور اس جسم کو ناپاک کرتے یا ان کے عقیدت مند ان کی قبر بنا کر پوجنا شروع کردیتے۔ویسے ان کے مجسمے کو آج بھی پوجا جاتا ہے،اس لئے اللہ نے فرمایا ہے کہ اے عیسیٰؑ تم فکر نہ کرو میں تم کو موت دیکر تمہارا جسم بھی غائب کردوں گا اور تمہیں بلند کردوں گا(جیسا کہ آج حضرت عیسیٰؑ بلند ہیں)اور جسم کو اٹھالوں گا۔لفظ پاک بھی غور طلب ہے کہ تم کو پاک کردوں گا۔کیا عیسیٰؑ ناپاک تھے؟یا ان لوگوں کی طرح گنہگار تھے؟(نعوذ)جس کی وجہ سے اللہ ان کو پاک کررہا ہے؟یہ بات نہیں ہے۔بلکہ عیسیٰؑ نہ تو ناپاک تھے اور نہ ہی ان لوگوں کے ساتھ گناہ کرتے تھے،وہ بالکل پاک وصاف تھے۔مطلب یہ ہے کہ اللہ یہ فرمارہا ہے کہ میں ان کو تمہارے بے روح جسم سے بھی ہاتھ نہ لگانے دوں گا،تم کو قتل تو کیا کریں گے۔تم کو موت دے کر تمہارا جسم بھی غائب کردوں گا،اور یہ لوگ تمہارے ہم شکل کو پھانسی دے کر شبہ میں گرفتار ہوجائیں گے اور گمان کریں گے کہ ہم نے عیسیٰؑ کو قتل کردیا اور اس شبہ میں مسلمان بھی گرفتار ہونگے۔

بات آگے بڑھاتے ہوئے دوسری آیت پرغور کریں اور زیادہ تر اس آیت پر ہی زور دیا جاتا ہے،اس آیت پر پہلے بحث ہوچکی ہے۔اس آیت کا ترجمہ علماء حضرات نے کیا کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے۔علماء نے جو ترجمہ کیا ہے وہ بھی اس عقیدہ کو زندہ رکھنے کے لئے کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ابھی زندہ ہیں اور پھر واپس آئیں گے،اور ہر اہل کتاب اس پر ایمان لائے گا،اس کی موت سے پہلے۔تو گویا حضرت عیسیٰؑ کے بعد کوئی اہل کتاب نہ رہے گا،جو ان پر ایمان نہ لائے گا؟کیا حضرت عیسیٰؑ سب کے بعد انتقال فرمائیں گے؟مگر آیت کا صحیح ترجمہ درج ذیل ہے:-

"جو حقیقت میں اہل کتاب ہے وہ محمدﷺ پر ایمان لائے گا اپنی موت سے پہلے"

ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق ہر نبی کو سچا ماننا ہے تب ہی ایمان مکمل ہے۔یہ نہیں کہ کسی کو مانو اور کسی کو نہ مانو۔بلکہ سب کو مانو۔مگر سب کو نبی مانتے ہوئے پیروی صرف حضرت محمدﷺ کی شریعت کی کرنی ہے،جو ملت ابراہیم ہوتے ہوئے،سب نبیوں کی شریعت ہے۔اس لئے آخری نبی پر ایمان لانا ہے اپنی موت سے پہلے،حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ دنیا میں آنے کا انکار صرف میں ہی نہیں کررہا قرآن بھی یہی جان کاری دیتا ہے،کہ حضرت عیسیٰؑ کوموت آچکی۔

مسیح موعود کے بارے میں حدیثوں کا انکار کرنے والے عالم جن پر تکفیر نہیں۔شیخ عبدہ مصری،سید رضا مصری،شیخ شلتوت اور ہندوستان کے علامہ اقبال وغیرہ مولانا محمد عثمان فارقلیط مرحوم کا اعتراف حق رسالہ

تجلی دیوبند فروری ۱۹۷۵ء صفحہ ۷۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں "پھر بھی قابل غور ہے کہ حیات بعد الممات کا یہ نظریہ خالص اسلامی نظریہ ہے(یعنی مرنے کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا)عیسائیوں میں حیات بعد موت کا جو تصور مذہبی عقائد کا جزو ہے اس کی بنیاد حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ زندہ ہونے کے ایک مفروضہ واقع پر ہے،یعنی ایک تاریخی وقوع پر جس کے متعلق یقین کیا جاتا ہے کہ دو ہزار سال پہلے ہوا تھا" کتاب تلاش اقبال باب حیات اور موت کا اسلامی نظریہ اور سائنس صفحہ ۲۳۹۔اس کے متعلق علامہ اقبال کا شعر بھی ہے۔ع

کیا آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے؟

یا مجدد،جس میں ہوں ابن مریم کے صفات

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ایک حوالہ اور ہے جو مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط سابق ایڈیٹر روزنامہ الجمیعۃ دہلی میں تحریر کرتے ہیں،گو میں نے اصل روزنامہ میں نہیں دیکھا دوسرے حوالہ سے لکھ رہا ہوں،مگر حقیقت ہے۔

"قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کی دعوت ہمارے لئے نہ تھی صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔وہ ہمارے رسول ہیں،مگر ان کی ہدایات اور تعلیم ہمارے لئے نہ تھی،پھر نہ معلوم کیوں یہ سمجھ لیا گیا کہ ایک اسرائیلی نبی حضور ختمی مآبﷺ کے بعد اسلام کا سارا کاروبار سنبھالیں گے اور امت محمدیہ کا کوئی فرد اتنا بھی نہیں کرسکتا کہ حضرت عیسیٰؑ کی جگہ وہ کام انجام دے جس سے حضورﷺ کی شان بڑھے اور ایک اسرائیلی نبی،نبی آخرالزماں پر فوقیت لے جائے"۔آگے چل کر وہ رقم طراز ہیں "اگر بقول علماء کرام حضرت عیسیٰؑ حضورﷺ کے بعد آئے تو خاتم النبیین کا تاج ان کے سر پر رکھا جائے گا اور آنحضرتﷺ کا ختم نبوت کا عقیدہ غلط ہوجائے گا۔پس جو شخص بھی حضرت مسیح کو آنحضرتﷺ کے بعد لاتا ہے،وہ ختم نبوت کا منکر ہے"۔

اگر قادیانی اس لئے کافر ہیں کہ وہ آنحضرتﷺ کے بعد مرزا صاحب کو مسیح موعود اور بروزی نبی مانتے ہیں تو ہمارے علماء بھی کافر قرار پائے،کیونکہ وہ بھی حضرت عیسیٰؑ کو لاکر ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں۔یہ علماء حضرات مسیح کو لاکر انہیں نبی بھی مانتے ہیں اور ان کو صاحب وحی بھی مانتے ہیں اور حضرت جبرائیل کو وحی لانے والا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ان علماء نے خاتم المرسلین کے بعد ایک حقیقی نبی کو واپس لاکر نبوت کا سارا کاروبار جاری کردیا پھر بھی وہ ختم نبوت کے منکر نہیں"؟(ماہنامہ شبستان اردو ڈائجسٹ نئی دہلی نومبر ۱۹۷۴ء)

سورۃ نساء(۴)آیت ۱۵۷-۱۵۹:-اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے مگر گمان کی پیروی ہے۔انہوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا،بلکہ اللہ نے ان کے مرتبہ کو بلند کیا۔اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے محمدﷺ پر ایمان نہ لے آئے(یعنی جو اہل کتاب ہے،حقیقت میں محمدﷺ پر ضرور ایمان لائے گا)۔

ان آیات میں اللہ نے یہود کے اس باطل نظریہ کی پھر تردید کی ہے،جس میں وہ کہتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کردیا۔اللہ کے اس فرمان کو ہم پہلے ہی مان لیتے،جس میں اللہ نے کہا تھا کہ اے عیسیٰؑ میں خفیہ تدبیر سے تم کو موت دیکر یا تمہارا وقت پورا کرکے تمہارے جسم کو بھی ان ظالموں کی نظروں سے چھپادوں گا۔اور بے روح جسم کو بھی غائب کردوں گا۔

اس طرح بات صاف ہوگئی کہ حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا گیا۔اللہ نے ان کے عقیدے کی تردید کی ہے۔یہ تو نہیں کہا کہ میں نے عیسیٰؑ کو زندہ اٹھالیا ہے،اور پھر واپس کردوں گا ٹریننگ دے کر،مگر ہم نہیں مانتے۔اس کے بعد دوسری آیت سے اس عقیدے کی بالکل قلعی کھل جاتی ہے۔اگر کوئی اتنے پر بھی نہ مانے تو اس کا اللہ ہی محافظ ہے۔

سورۃ مائدہ(۵)آیت ۱۱۶-۱۱۸:-اور(وہ وقت قابل ذکر ہے)جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰؑ ابن مریم!کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے ساتھ مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرلو؟(حالانکہ تم نے ایسا نہیں کیا میں جانتا ہوں)وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے،مجھے کب حق تھا کہ میں ایسی بات کہتا،جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا۔جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے علم میں ہے،میں اسے نہیں جانتا،بے شک تو علام الغیوب ہے۔میں نے ان سے کچھ نہیں کہا،بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔اور جب تک میں ان میں رہا ان کی خبر رکھتا تھا۔جب تو نے مجھے وفات (توفیتنی) دے دی تو،تو اُن کا نگراں تھا،اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے(تیری مہربانی)۔بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

سورۃ مائدہ آیت ۱۱۷ میں ایک لفظ (توفیتنی) آیا ہے جس کا مطلب ہے پورا کرنا،اچانک آنا،پوراوصول کرنا،چکانا،وقت متعین کرنا اور وفات بھی اس کا مطلب عام ہے،مگر 'اٹھالینا' تو کسی طرح بھی نہیں ہو

سکتا، عالموں نے جو ترجمہ 'اٹھالینا' لکھا ہے، اگر اس کو بھی تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے، جب کہ غلط ہے، تو عام بول چال میں بھی موت کو 'اٹھالینا' بھی کہتے ہیں۔ جیسے کوئی آدمی جب بیماری وغیرہ سے پریشان ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ 'اے مالک مجھے اٹھالے' یعنی موت دے دے۔ یا کوئی آدمی مر جاتا ہے اور بعد کو اس کا عزیز اس کے کسی عزیز سے معلوم کرتا ہے کہ بھائی فلاں کا کیا حال ہے (تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ بھائی ان کو تو اللہ نے اٹھالیا۔ اس کا مطلب بھی موت ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ 'اٹھالینا' کا مطلب موت ہی ہے۔ زندہ اٹھالینا تو اس کا مطلب لینا غلط ہے۔

دوسری بات اس کا مطلب جاننے کے لئے صلوٰۃ جنازہ میں ایک لفظ (فتوفه توفیته) ہے 'اللّٰھم من احیته منا فاحیه علی الاسلام و من توفیته منا فتو فه علی الایمان''۔ الٰہی تو ہم میں سے جس کو زندہ رکھے تو اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو موت دے تو اس کو ایمان پر موت دے۔ اس دعا میں ہر آدمی کم علم والا ہو یا عالم ہو توفیته (توفیتنی) کا مطلب موت لیتا ہے۔ کوئی یہاں اٹھالینا نہیں کہتا، اگر اٹھالینا ہوتا تو قبر کو کیوں کھود کر دفن کیا جاتا ہے، ہر آدمی کو اللہ عیسیٰؑ کی طرح اٹھالیتا ہے تو پھر دفنانے کی کیا ضرورت ہے؟ سب آدمی اوپر عیسیٰؑ کے پاس زندہ ہیں، اور پھر آکر موت کا مزہ چکھیں گے۔

ایک بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تک کسی نے ان کے بارے میں یہ نہیں کہا تھا کہ حضرت اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان کی زندگی میں تو کچھ ان کو نبی تسلیم کرتے تھے اور زیادہ تر ان کو جھوٹا تسلیم کرتے تھے اور اس بات پر ہی انہوں نے ان کو قتل کرنے کی تدبیر کی تھی۔ اللہ کے بیٹے والی بات تو بہت بعد کی ہے، جو قرآن میں لکھا ہے کہ اللہ ایک سوال کرے گا کہ اے عیسیٰؑ کیا تم نے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ معبود بنا لو۔ اس کا جواب صاف لکھا ہے کہ ''اے اللہ! ہرگز نہیں! میں نے تو وہی کہا جو تو نے حکم دیا۔ جب تک میں رہا ان پر باخبر رہا''۔

یعنی ایسی بات انہوں نے نہیں کہی اور نہ اللہ نے ہی یہ حکم دیا۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو کس طرح؟ کیا وہ اپنی نبوت لئے ہوئے یا امتی بن کر۔ اگر امتی بن کر آنا ہے تو ضروری ہے کہ قرآن کو پڑھیں گے اور قرآن کو پڑھنے کے بعد ہر بات ان پر ظاہر ہو جائے گی کہ واقعی عیسائیوں نے مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ خدا بنا لیا تھا اور اس وقت عیسائیوں کے عقیدے کو بھی دیکھیں گے۔ قرآن پڑھنے اور دیکھنے کے بعد حضرت کا جواب یہ ہونا چاہئے کہ 'ہاں اے اللہ! جب تو نے

مجھے اٹھالیا تھا، تو بعد کو انہوں نے مجھے اللہ بنالیا تھا، میں نے یہ بات اس وقت کہ جب تو نے مجھے دوبارہ اپنے دین کو غالب کرنے کے لئے بھیجا تھا، قرآن میں پڑھی تھی''۔ مگر جواب یہ نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ ''مجھے خبر نہیں''۔ قرآن پڑھنے اور دیکھنے کے بعد یہ کہنا کہ ''مجھے خبر نہیں''۔ تو اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جان بوجھ کر جھوٹ بولیں گے (بخاری) (نعوذ)۔

اور امام بخاری کو اپنی بخاری شریف میں ایک حدیث حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ کی طرح بنا کر لکھ دینی چاہئے تھی کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے، ایسے ہی عیسیٰؑ بھی ایک جھوٹ بولیں گے۔ اگر انہوں نے نہ لکھی تو بعد والوں کو لکھنی چاہئے، عقیدہ مضبوط ہو جائے گا کہ نبی بھی جھوٹ بولتے ہیں اور تقیہ کرتے ہیں۔ اور بخاری شریف بھی مکمل ہو جائے گی۔ اور اسی طرح آیت رجم لکھ کر قرآن کو بھی مکمل کرو۔ کیا خیال ہے؟ نوٹ:- روایت یہ لکھنی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی ایک جھوٹ بولیں گے حشر کے میدان میں اللہ کے سامنے محمد ﷺ نے خبر دی ہے، جس کے راوی فلاں فلاں ہیں۔

اس آیت میں وفات کا لفظ آنے سے اور دوسری آیات سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ نہیں ہیں اور نہ ہی انہیں واپس آنا ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو اللہ اس بات کی قرآن میں تصدیق کر دیتا کہ اے عیسیٰؑ تم کو اس وقت زندہ اٹھا رہا ہوں اور پھر واپس بھیجوں گا۔ مگر یہ کچھ نہیں اس کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ قرآن شاہد ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں آئے گا۔ ثبوت پیش ہے۔

سورۃ احزاب (۳۳) آیت ۴۰:- (لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین یعنی نبوت کے سلسلے کو ختم کر دینے والے ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

آخری نبی ہونے کی دلیل میں نے اپنی کتاب ''تلاش رسول'' میں لکھی ہے ملاحظہ ہو۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرما دیا کہ دین اسلام مکمل ہو گیا۔ جب دین مکمل ہو گیا تو محمد ﷺ کے بعد کسی بھی نبی کے آنے کی گنجائش نہیں، یہ حقیقت ہے۔ اور جو کوئی اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں۔ مگر عالم اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں اور دوبارہ دنیا میں آئیں گے، اور اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اللہ جس کو نبوت دیتا ہے، وہ اس منصب پر تاحیات سرفراز رہتا ہے، یہ منصب واپس نہیں لیا جاتا۔ تو ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت باقی ہے، اور اسی حالت میں ان کو واپس آنا ہے نبوت کے ساتھ۔ تو ایسی حالت میں یہ تسلیم کرنا

پڑے گا کہ آخری نبی محمدؐ نہ ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ ہوئے۔ قرآن کی یہ بات کہ آخری نبی حضرت محمدؐ ہیں، غلط ثابت ہوتی ہے (نعوذ)۔

ہم اس سازش کو ابھی تک نہیں سمجھے۔ یہ عیسائیوں اور شیعہ حضرات کی سازش ہے۔ وہ یہ کہ عیسیٰؑ کو اس طرح پیش کرو کہ حضور ﷺ سے بالا ہو جائیں، اور یہ ظاہر کریں کہ دیکھو اے مسلمانوں! جب تمہاری حالت بالکل خراب ہو جائے گی، تب بھی ہمارے عیسیٰؑ ہی تمہارے کام آئیں گے، یعنی اکیلے تم کچھ بھی نہ کر سکو گے۔ حضرت عیسیٰؑ کو تلاش کرو گے تو وہ ایک مسجد کے مینار پر ملیں گے۔ تم منت خوشامد کر کے اتارو گے، اور وہی تم کو دجال کے ظلم سے نجات دلائیں گے۔

ان سب باتوں سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ آخری نبی حضرت عیسیٰؑ ہوئے۔ ادھر آخری امام جو کسی غار میں غائب ہیں، کو بھی ان کے ساتھ اس معرکہ میں شامل کیا گیا ہے کہ وہ بھی حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی کشتی کو پار لگا دیں گے۔ مگر یہ سب ایک فریب ہے۔ جب ایک صاحب شریعت نبی زندہ ہے تو اس کی زندگی میں دوسرا نبی جو صاحب شریعت اور صاحب کتاب بھی ہو کیسے آ سکتا ہے؟ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تک حضور ﷺ کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر آنا بھی تھا تو مددگار کے طور پر جیسے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارون، کیا ان باتوں پر بھی غور نہیں کیا؟ اس لئے عیسیٰؑ کے آنے کا سوال ہی نہیں۔ آخری نبی محمد ﷺ ہیں۔ عیسیٰؑ کے زندہ ہونے کا عقیدہ غلط ہے۔ عیسیٰؑ کی موت ہونے پر ان کا بعد ہو چکا اور بعد ہونے پر ہی محمدؐ آئے۔ علما حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اپنی نبوت کے ساتھ آئیں گے، مگر شریعت محمدیؐ کی پیروی کریں گے۔ اس کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے اور حضورؐ کا کیا عمل ہے؟ وہ بھی دیکھ لیا جائے:-

سورۃ صف (۶۱) آیت ۶:- اور (وہ وقت یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا 'اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو حفاظت کے درمیان طاقتور ہاتھوں میں توریت سے تمہارے پاس موجود ہے اور ایک رسول کے آنے کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا'۔ پھر جب وہ محمد ان کے پاس کھلی نشانیاں (یعنی قرآن) لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔

دوسری جگہ ہے کہ محمد ﷺ پر ایمان لانا ہے۔ غور یہ کیا جائے کہ بعد کا مطلب کیا ہے؟ بعد کا مطلب یہی ہے کہ جب عیسیٰؑ کو موت آجائے، تب بعد ہوگا اور حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بعد حضرت محمد ﷺ آئیں

گے۔ جس کی شہادت قرآن دے رہا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات ہو چکی اور بعد ہو گیا۔ تب ان کے بعد محمد ﷺ آئے اور محمد ﷺ کا بھی انتقال ہو چکا۔ مسلمانوں نے کیا لکھا ہے؟ پھر ایک بار دیکھیں کہ ''حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں۔ اللہ نے زندہ اٹھالیا آسمان پر۔ اور وہاں ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں، اور وہ پھر واپس آ کر اسلام کو غالب کریں گے۔ ہر اہل کتاب ان پر ایمان لائے گا''۔ اس طرح لکھنا غلط ہے۔

اور بھی بہت کچھ ہے جو اس مضمون میں درج ہے۔ ان باتوں کو ہی دلیل بنا کر غلام احمد قادیانی نے اپنے کو مسیح موعود اور مہدی ثابت کیا ہے، جو غلط ہے اور اس کو غلط مان کر ہی سابق فرقے 'قادیانی' کو کافر بتا رہے ہیں۔ اور حقیقت میں قادیانی کافر ہیں۔ جب قادیانیوں پر جن عقائد کو ماننے کے لئے کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا تو اسی عقیدہ پر تقریباً ہر عالم قائم ہے، تو وہ عالم حضرات کیا ہیں؟ جواب درکار ہے۔ اس کے بعد اب تھوڑا قادیانی فرقے کے بارے میں لکھا جا رہا ہے۔

(۱۹)

قادیانی

اس کتاب کے مقدمہ اور باب مسیح موعود میں سابق علماء کرام کے خیالات لکھے گئے ہیں۔ ان میں تقریباً سب باتیں مل جائیں گی، جن سے مرزا غلام احمد نے اپنے کو مسیح موعود، مہدی اور بروزی نبی کے مقام پر فائز کر لیا ہے۔ اگر پہلے سے مواد فراہم نہ ہوتا تو مرزا غلام احمد کو یہ ہمت ہی نہ ہوتی کہ وہ اس مقام کا دعویدار ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلوں نے سیدھے طور پر اس مقام پر آنے کی ہمت نہ کی، انہوں نے دوسری اصطلاحات سے کام چلایا۔ مثلاً :- الہام، کشف، خواب، قطب، غوث، ابدال، محدث اور مجدد جیسی اصطلاحات سے کام چلایا۔ جبکہ بین السطور دیکھنے سے یہی کچھ ہے، جو مرزا غلام احمد نے کہا ہے۔ جو کہ بالکل غلط ہے اور اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے، جو کفر تک لے جاتا ہے۔ ذیل میں قادیانیوں کی کتابوں سے کچھ لکھا جا رہا ہے، ملاحظہ ہو:-

ایک کتاب جس کا نام ہے 'اختتامی خطاب' امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بر موقعہ جلسہ سالانہ U.K 2010 کے صفحہ ۵ پر سورۃ جمعہ کی آیت ۳ پیش کرتے ہیں،

''آخرین منهم لما یلحقوا بهم'' سچ ہے اور یقیناً سچ ہے کہ زمین وآسمان ٹل سکتے ہیں لیکن خداتعالیٰ کے کلام کو کبھی نہیں ٹالا جاسکتا تو پھر اس آیت کا مصداق بنتے ہوئے، آنے والے مسیح موعود نے آنحضرت ﷺ کی غلامی میں نبوت کا اعزاز پانے کے بعد ایسی مخالفت کا سامنا کرنا تھا، اور کیا۔ اور آپ کی جماعت آج تک کر رہی ہے اور یہی مومنین کی جماعت سے روا رکھا جاتا ہے۔ مرزا نے اس آیت کو اپنے لئے استعمال کیا ہے، جب کہ یہ آیت اور اس سے پہلی آیت کچھ اور ظاہر کر رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

سورۃ جمعہ (۶۲) آیت ۲۔ کہو وہی تو ہے جس نے مکہ والے امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے (محمد ﷺ کو) بنا کر بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیتیں یعنی قانون پڑھتے ہیں، اور ان کو پاک کرتے ہیں، اور اللہ کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں، اور اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں تھے (لیکن حق کی تلاش میں تھے)۔

سورۃ جمعہ (۶۲) آیت ۳:- اور اللہ نے اس رسول کو (نہ کہ غلام احمد قادیانی کو) اور لوگوں کی طرف بھی بھیجا ہے، جو ابھی ان سے نہیں ملے (مگر شامل ہوتے رہیں گے) اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

سورۃ جمعہ کی آیت ۳ کے ایک جزؤ کو غلام احمد نے اپنے حق میں پیش کیا ہے، جو غلط ہے۔ اس حصہ کو آیت ۲ اور ۳ کے پورے مضمون سے ملا کر دیکھو، کیا اس سے غلام احمد ثابت ہوتا ہے یا محمد ﷺ۔ ان آیات سے محمد ﷺ ہی ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے غلام احمد کا فرمان غلط ہے۔

صفحہ ۸:- اس لئے کہ تمام نعمت کی صورتیں دراصل دو ہیں۔

اول- تکمیل ہدایت۔

دوم- تکمیل اشاعت ہدایت۔

اب تم غور کر کے دیکھو، تکمیل ہدایت تو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کامل طور پر ہو چکی، لیکن اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تھا کہ تکمیل اشاعت ہدایت کا زمانہ دوسرا زمانہ ہو۔ جب کہ آنحضرت ﷺ بروزی رنگ میں ظہور فرماویں اور وہ زمانہ مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ''لیظهره علی الدین کله ''(الصف ۱۰) اس کی شان میں فرمایا گیا ہے۔ (تمام مفسرین نے بالاتفاق اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے زمانہ سے متعلق ہے)

باب مسیح موعود میں سابق مفسرین جن کے بارے میں غلام احمد نے لکھا ہے کہ تمام مفسرین نے بالاتفاق اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے زمانہ سے متعلق ہے۔ یقیناً یہ کہنے میں غلام احمد سچا

ہے۔ اس لئے کہ علماء حضرات بھی یہی کہتے ہیں کہ دین کو غالب مسیح موعود کریں گے۔ تاہم یہی آیت نہیں بلکہ اور بھی آیات ہیں جن کو عالموں نے مسیح موعود کے بارے میں لکھا ہے، مگر یہ لکھنا غلط ہے۔ ان آیات کو نازل کر کے محمد ﷺ کا کام بتایا گیا ہے نہ کہ مسیح موعود کا۔ یہی وہ بات ہے جس کو دلیل بنا کر غلام احمد نے اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ لیکن اس کوشش میں سابقہ علماء بھی برابر کے شریک ہیں۔ دین مکمل محمد ﷺ پر ہو گیا۔ پھر تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت سے کیا مراد؟ مطلب اگر یہ مان لیا جائے تو محمد ﷺ پر دین مکمل نہیں ہوا تھا اللہ کی بات غلط ثابت ہو رہی ہے (نعوذ)۔ مگر دین مکمل محمد ﷺ پر ہو گیا اس کے خلاف جو بھی کچھ کہتا ہے وہ غلط ہے۔

صفحہ ۹:- ''غرض جس قدر آئے دن نئی ایجادیں ہوتی جاتی ہیں اسی قدر عظمت کے ساتھ اور اظہار پیش گوئی مسیح موعود کے زمانہ کی تصدیق ہوتی جاتی ہے اور اظہار دین کی صورتیں نکلتی آتی ہیں۔ اس لئے یہ وقت وہی وقت ہے جس کی پیشین گوئی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ''لیظهره علی الدین کله'' کہہ کر فرمائی تھی یہ وہی زمانہ ہے، ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی'' (سورۃ المائدہ آیت ۴) کی شان کو بلند کرنے والا اور تکمیل اشاعت ہدایت کی صورت میں دوبارہ اتمام نعمت کا زمانہ ہے۔ اور پھر یہ وہی وقت اور جمعہ ہے جس میں ''و آخرین منهم لما یلحقوا بهم '' (سورۃ الجمعہ آیت ۲) کی پیشگوئی پوری ہوتی ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کا ظہور بروزی رنگ میں ہوا (مسیح موعود غلام احمد نعوذ) اور ایک جماعت صحابہ کی پھر قائم ہوگی۔ دوسرے معنی میں محمد کا ''اوتار'' مسیح موعود غلام احمد (نعوذ)۔

مذکورہ بالا مضامین میں غور کیجئے کہ غلام احمد کہاں سے کہاں جا رہا ہے اور اس کو سہارا دینے والے کون لوگ ہیں؟

کتاب کا صفحہ ۱۰:- ''غرض یہ پیشگوئی کہ ایک گروہ پرانے مسلمانوں میں سے اس سلسلے احمدیہ میں داخل ہوگا اور ایک گروہ نئے مسلمانوں میں سے یعنی یورپ اور امریکہ اور دیگر کفار کی قوموں میں سے اس سلسلے کے اندر اپنے تئیں لائے گا۔ پچیس برس بعد اس زمانے سے کہ جب خبر دی گئی پوری ہوئی کہ یاد رکھو کہ جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں، عربی زبان میں اس پیشین گوئی کے یہ لفظ ہیں، جو وحی الٰہی نے میرے اوپر ظاہر کئے جو براہین احمدیہ میں حصص سابقہ میں آج سے پچیس برس پہلے شائع ہو چکے ہیں، ''ثلة من الاولین وثلة من الاخرین ''(سورۃ واقعہ (۵۶) آیات ۳۹-۴۰)۔ یعنی اس سلسلے میں داخل ہونے والے دو فریق ہوں گے۔ ایک

پرانے مسلمان، جن کا نام اولین رکھا گیا جواب تک (اس وقت تک جب آپ نے یہ لکھا تھا فرمایا کہ) ''تین لاکھ کے قریب اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں'' (اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کروڑوں میں داخل ہو چکے ہیں)۔

جن آیات ۴۰-۳۹ کو غلام احمد نے اپنے لئے استعمال کیا ہے ان سے یہ کہیں نہیں ثابت ہوتا کہ یہ آیات غلام احمد کے لئے اس دنیا کی بشارت والی آیات ہیں، بلکہ یہ آیات سورۃ واقعہ ۵۶ -۳۹-۴۰ خاص طور سے جنت میں داخل ہونے والوں کے لئے ہیں اور اس پوری سورۃ میں جنت اور دوزخ کا نقشہ سامنے آتا ہے نہ کہ غلام احمد کی نبوت کی شہادت یا پیشگوئی کا۔ ذیل میں ان دونوں آیتوں کے ساتھ آیت ۳۸-۴۱ اور ۴۲ بھی ملاحظہ ہو:-

سورۃ واقعہ (۵۶) آیت ۳۸:- (لاصحاب الیمین) دائیں بازو والوں کے لئے (نعمتیں)۔

سورۃ واقعہ (۵۶) آیت ۳۹:- (ثلة من الاولین) بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے۔

سورۃ واقعہ (۵۶) آیت ۴۰:- (وثلة من الاخرین) اور بہت سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔

سورۃ واقعہ (۵۶) آیت ۴۱:- (واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال) اور بائیں بازو والے، افسوس بائیں بازو والوں پر۔

سورۃ واقعہ (۵۶) آیت ۴۲:- (فی سموم وحمیم) وہ گرم لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے۔

ان آیات میں جنت اور دوزخ کا حال بیان ہوا ہے کہ جنت میں جانے والے اور دوزخ میں جانے والے۔ اور پوری سورۃ میں یہی کچھ بیان ہے۔ غلام احمد نے اپنے لئے ان آیات کو استعمال کر کے ایک بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ کیا اس نے قرآن نہیں پڑھا؟ یا وہ یہ سمجھتا تھا کہ جو میں لکھ دوں وہ حقیقت ہے۔ اور کسی نے قرآن کو دیکھا نہیں یا دیکھا ہے تو کوئی سمجھتا نہیں؟ جو بھی غلام احمد نے لکھا ہے وہ سب کِذب ہے اور اس کی ہر بات جھوٹ ہے، کیونکہ وہ خود جھوٹا ہے۔

صفحہ ۱۱:- تب انہی دنوں میں آسمان سے ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی جائیگی اور خدا اپنے منہ سے اس فرقہ کی حمایت کے لئے ایک قرنا بجائے گا اور اس قرنے کی آواز سے ہر ایک سعید اس فرقہ کی طرف کھنچا آئے گا۔

صفحہ ۱۲:- بجز ان لوگوں کے جو شقی ازلی ہیں جو دوزخ میں بھرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ''قرآن شریف کے اس میں الفاظ یہ ہیں 'ونفخ الصور فجمعنهم

جمعا' (الکہف ۹۹) اور یہ بات کہ وہ نفخ ہے کیا؟ اور اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ اس کی تفصیل وقتاً فوقتاً خود ظاہر ہوتی جائے گی۔ مجملاً صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ استعدادوں کو جنبش دینے کے لئے کچھ آسمانی کاروائی ظہور میں آئے گی اور ہولناک نشان ظاہر ہوں گے۔ تب سعید لوگ جاگ اٹھیں گے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے۔ کیا یہ وہی زمانہ نہیں جو قریب قیامت ہے؟ جس کی نبیوں نے خبر دی ہے؟ اور کیا یہ وہی انسان نہیں جس کی نسبت اطلاع دی گئی تھی کہ اس امت میں وہ مسیح ہو کر آئے گا جو عیسیٰ بن مریم کہلائے گا؟

یہ ہے غلام احمد کا قول۔ اس آیت کو اس نے اپنے حق ہونے کے بارے میں لکھا ہے، جو بالکل جھوٹ ہے اور کہنے والا جھوٹا کذاب ہے۔ ذیل میں آیت ملاحظہ ہو:-

سورۃ کہف (۱۸) آیت ۹۹:- وترکنا بعضهم یومئذ یموج فی بعض ونفخ فی الصور فجمعنهم جمعاً ہ

ترجمہ:- اس روز (یعنی قیامت کے دن) ہم ان لہروں، یاجوج ماجوج کو چھوڑ دیں گے کہ موج در موج لہروں کی طرح ایک دوسرے سے گتھ جائیں گی، اور صور پھونک دیا جائے گا اور ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے۔

یہ آیت بھی قیامت کا منظر بیان کر رہی ہے کہ اس دن لہریں امل پڑیں گی یعنی قیامت کے دن اور صور پھونک دیا جائے گا اور سب لوگ شروع سے آخر تک کے جمع کر لیے جائیں گے، حساب کے لئے۔ اور پھر جنت یا دوزخ ٹھکانا ہے۔ لیکن غلام احمد نے اس آیت کو بھی اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے (جب کہ غلط ہے) کہ غلام احمد کے لئے ہے تو اس کے فوراً بعد قیامت آنی ہے اور سب لوگ جمع ہو کر حساب کتاب دیں گے۔ مگر ابھی تک یہ نہیں ہوا، تو گویا اللہ کا وعدہ غلط ہے (نعوذ) اللہ کا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا، سچ ہے۔ اور یہ دعویٰ پورا ہوگا۔ قرب قیامت یعنی قیامت کے روز۔ اس لئے غلام احمد جھوٹا ہے۔ اس کے کہنے کے مطابق ابھی تک یاجوج ماجوج ظاہر نہیں ہوئے۔

صفحہ ۱۳ پر براہین احمدیہ، حصہ پنجم، روحانی خزائن، جلد ۲۱ صفحہ ۱۰۸-۱۰۹:- پھر آپ براہین احمدیہ کا ایک جگہ حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوسری نسبت یہ الہام ہے، جس کے شائع کرنے پر بیس برس گزر گئے، اور وہ یہ ہے ''فقدلبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون ''یعنی ان مخالفین کو کہہ دے کہ میں چالیس برس تک تم میں ہی رہتا رہا ہوں۔ اور اس مدت دراز تک تم مجھے دیکھتے رہے ہو کہ میرا کام افتراء اور دروغ نہیں ہے، اور خدا نے ناپاکی کی زندگی سے مجھے محفوظ رکھا ہے۔

تو پھر جو شخص اس مدت دراز تک یعنی چالیس برس تک ہر ایک افتراء اور شرارت اور مکر اور خباثت سے محفوظ رہا اور کبھی اس نے خلقت پر جھوٹ نہ بولا، تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ برخلاف اپنی عادت قدیم کے اب وہ خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے لگا۔

ہاں یہ حقیقت ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اور اللہ پر افتراء کر رہے ہو۔ کیونکہ جس آیت کو اپنے لئے دلیل میں پیش کر رہے ہو، وہ نبی آخر الزماںؐ کے لئے ہے، اگر تم وہ نبی ہو تو ٹھیک ہے، مگر تم وہ نہیں ہو۔ تم کو زیادہ دن نہیں ہوئے، اور پنجاب کے گاؤں قادیان میں پیدا ہوئے، اور یہ آیت اس وقت نبیؐ پر نازل ہوئی تھی، جب آپ مکہ میں تبلیغ دین کر رہے تھے، اور نبی عیسیٰؑ کی سابقہ زندگی کو پیش کر رہے تھے، جس کو اللہ نے وحی کے ذریعہ نازل کیا تھا، تو کیا تم اس زمانہ میں تھے؟ اور یہ بھی ظلم کر رہے ہو کہ آیت کا ایک ٹکڑا غلط طریقہ سے پیش کر رہے ہو۔

قارئین کے لئے ذیل میں پوری عبارت درج کی جا رہی ہے، ملاحظہ ہو، اور فیصلہ ہو کہ غلام احمد کیا ہے؟ سچا ہے یا جھوٹا؟

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۱۵:- جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھکر سنائی جائیں گی تو وہ لوگ جن کو (مرنے کے بعد) ہمارے سامنے آنے کی امید نہیں (رسول سے) کہیں گے (چونکہ اس قرآن میں ہمارے بتوں کی برائی ہے) اس لئے تم اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ (جس میں ہمارے بتوں کی برائی نہ ہو) کہدینا کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں، میں تو اس حکم کا پابند ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں مجھ پر عذاب کا بہت بڑا دن نہ آجائے۔

جو مخالف لوگ کہتے تھے اس کے جواب میں نبی کا یہ جواب۔ اور پھر کہا جو آیت ذیل میں درج ہے:-

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۱۶:- یہ بھی کہدو! کہ اگر اللہ چاہتا تو (نہ تو) میں ہی یہ (کتاب) تم کو پڑھ کر سناتا اور نہ وہی تمہیں اس سے واقف کراتا۔ میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں (اور کبھی ایک کلمہ بھی غلط نہ کہا تم نے مجھے امین اور صادق کہا) بھلا تم سمجھتے نہیں۔

ان آیات کو پڑھنے کے بعد ہر آدمی یہ جان لیگا کہ ان آیات کا تعلق محمد ﷺ سے اس وقت کا ہے جب یہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔ اور آج تقریباً ۱۴۴۰ سال گزر چکے، لیکن غلام احمد نے اپنے لئے لکھا ہے۔ تو کیا

اس وقت محمد ﷺ پر نازل نہ ہوتے ہوئے غلام احمد پر نازل شدہ ہیں؟ اور کیا غلام احمد ہی محمد ہیں؟ (نعوذ)۔

قاری غور کریں کہ غلام احمد کہاں جا چکا ہے؟ اس کو قرآن میں تحریف کرتے ہوئے بھی ڈر نہ لگا؟ مذکورہ بالا قرآن کی تین آیات لکھی گئیں، جن کو غلام احمد نے اپنی تائید میں لکھا ہے، مگر آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ اس نے ان آیات میں تحریف کی ہے، یہ آیات اس کے بارے میں نہیں ہیں، بلکہ یہ تو محمد ﷺ کے لئے ہیں۔ قرآن کا ہر قاری یہی بتائے گا، مگر غلام احمد کی جسارت کہ اس نے ان کو اپنے لئے استعمال کیا اور ان لوگوں کے حال پر بھی افسوس ہے جو غلام احمد پر ایمان لا چکے ہیں اور ان آیات کو قرآن میں نہیں دیکھتے۔ اب یہ دیکھا جائے کہ وہ خوابوں، الہام، کشف، اور مفروضہ پیش گوئیوں کا کس حد تک سہارا لیتا ہے۔

صفحہ ۱۷-۱۹:- الجزائر کی ایک فیملی نے ایم ٹی اے کے ذریعہ اپنے ایک چودہ سالہ بچے کے ذریعہ بیعت کی تھی۔ اور جب میں اٹلی گیا ہوں تو وہاں مجھے وہ فیملی ملی بھی تھی، انہوں نے اپنے بچے کا خواب سنایا کہ ان کے بیٹے کو کینسر تھا، ایک دن اس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے اتر رہے ہیں۔ تب دوسرے دن اس نے اپنے والد صاحب کو بتایا، پر انہوں نے اس کی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ کچھ ہی دن بعد وہ ڈش انٹینا پر ٹی وی دیکھ رہا تھا، ریموٹ سے چینل بدل رہا تھا کہ اچانک ایم ٹی اے نظر آیا اور حضرت مسیح موعود کی تصویر دیکھتے ہی بچے نے کہا یہ تو وہی شکل ہے، جو حضرت عیسیٰ کی، جو میں نے خواب میں دیکھی تھی، تب اس کے والد نے کہا کہ اس کو دیکھنا چاہئے۔ اس کے بعد پھر انہوں نے عربی پروگرام دیکھنا شروع کیا اور پھر سارے خاندان نے بیعت کرلی۔ اور اس بچے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس سارے خاندان کی ہدایت کا ذریعہ پیدا کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بچے کو کینسر سے شفا بھی ہوگئی۔

صفحہ ۱۸:- پھر شبان تہامی صاحب ہیں وہ لکھتے ہیں کہ ماہ اگست میں نماز تہجد کے بعد نماز فجر کا انتظار کر رہا تھا کہ نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک منادی بلند مگر خوبصورت اور میٹھی آواز میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ کے بندوں اٹھو اور نبی کا استقبال کرو۔ اس وقت میں نے پاکستانی کپڑوں سے ملتے جلتے اچھے کپڑے پہنے تھے، جو میں نے پہلے کبھی نہیں پہنے تھے۔ کہتے ہیں اس وقت خواب میں باہر نکلا تو دائیں بائیں حد نظر تک پھیلا ہوا ہجوم دیکھا جہاں لوگ قطاروں میں کھڑے تھے۔ ان میں سبز لباس پہنے ہوئے بچے بھی تھے۔ آسمان کا رنگ اس قدر نیلا تھا کہ پہلے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ بہت سے ایسے پرندے بھی دیکھے جو پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ ان کی چونچیں لمبی تھیں۔ وہ ہمارے اوپر اڑتے تھے۔ چونچوں سے پانی کے قطرے ہم پر گرتے تھے، جس سے پیاسے اپنی پیاس

اور بھوکے اپنی بھوک مٹاتے۔ ہم ایسے راستے پر چل رہے تھے، جس کے آخر میں خانہ کعبہ تھا۔ جس پر نیا غلاف چڑھایا گیا تھا، اور چاند بھی اس پر اپنی خوبصورت روشنی ڈال رہا تھا۔ قافلے کے شروع میں ایک شخص اونٹنی پر سوار تھا جس کے ہاتھ میں سوٹی اور کندھوں پر چادر رکھی تھی۔ روشنی کے پیچھے گھوڑوں کی قطار تھی، جس پر خوبرو لوگ تھے، جن میں سے صرف ایک شخص کو پہچان سکا جو کہ خلیفہ رابع تھے۔ اونٹنی سوار حضرت مسیح موعودؑ تھے، جنہیں سب لوگ پہچان رہے تھے اور حضور کو ہاتھ ہلا کر سلام کر رہے تھے۔ بعض کہہ رہے تھے کہ یہ موسیٰ ہیں۔

صفحہ ۱۹:- ان کا عصا موسیٰ یا حضرت شعیبؑ کے عصا جیسا ہے۔ بعض نے کہا کہ عیسیٰ ہیں بعض نے کہا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی پر سوار ہیں۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کا نور اور ظل ہوں۔ تب مختلف جہات سے لاالہ الہ اللہ اور بعض دیگر آیات قرآنیہ پر مشتمل نعرے بلند ہوئے، یہاں تک کہ خود میں نے اپنی آواز سوتے میں سنی، بلکہ اپنی آواز سن کر اٹھ گیا۔

اسی طرح اور بہت سے خوابوں کا ذکر کیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ غلام احمد کے لئے خوابوں سے تائید مل رہی ہے، اور لوگ خواب دیکھ کر اس پر ایمان لا رہے ہیں۔ مگر اللہ نے نبی کے بارے میں ابوجہل، ابولہب وغیرہ کو کوئی خواب نہیں دکھایا۔ گویا محمد ﷺ کی اہمیت اللہ کی نظر میں غلام احمد سے کم تھی؟ (نعوذ)۔ پیش گوئی ملاحظہ ہو:-

صفحہ ۲۱-۲۳:- فرمایا! اور اس طرح پر بدی اور گناہ سے چھڑا کر نیکی اور راستی کی طرف رجوع دیوے، سوعین ضرورت کے وقت میں میرا آنا ایسا ظاہر ہے کہ میں خیال نہیں کرسکتا کہ بجز سخت متعصب کے کوئی اس سے انکار کرسکے۔ اور دوسری شرط یعنی یہ دیکھنا کہ نبیوں کے مقرر کردہ وقت پر آیا ہے یا نہیں۔ یہ شرط بھی میرے آنے پر پوری ہوگئی ہے۔ کیونکہ نبیوں نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ جب چھٹا ہزار ختم ہونے کو ہوگا تب مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ جو قمری حساب کے رو سے چھٹا ہزار جو حضرت آدمؑ کے ظہور کے وقت سے لیا جاتا ہے، مدت ہوئی، ختم ہو چکا ہے۔ اور شمسی حساب کی رو سے چھٹا ہزار ختم ہونے کو ہے۔ ماسوا اس کے ہمارے نبی ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ہر صدی کے سرے پر ایک مجدد آئے گا، جو دین کو تازہ کرے گا۔ اور اب اس چودھویں صدی میں سے اکیس سال گزر ہی چکے ہیں، اور بائیس واں گزر رہا ہے۔ اب کیا یہ اس بات کا نشان نہیں کہ وہ مجدد آگیا۔

نوٹ:- غلام احمد اور مسلمانوں کو بس اتنا معلوم ہے کہ حضرت آدمؑ کو تقریباً چھ ہزار سال گزر رہے ہیں۔ تو افسوس ہے ان کی عقلوں پر کہ حضرت آدمؑ کو نہ معلوم کتنے دن ہو گئے؟ جس کی تحقیق ہو رہی ہے۔ چھ ہزار سال کا

مفروضہ بیان غلط ہے۔ اور نہ ہی محمد ﷺ نے یہ فرمایا کہ مجددہوں گے اور اس وقت وہ مجدد غلام احمد ہے۔

صفحہ ۲۲:- آج آپ لوگوں کی حاضری اس بات کی گواہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ یقیناً خدا کے فرستادہ اور اس کے بھیجے ہوئے ہیں۔

غلام احمد ایک آیت اور پیش کر کے اس کو اپنے حق میں دلیل بناتا ہے ملاحظہ ہو:-

صفحہ ۲۵-۲۶:- سورت الحاقہ (۶۹) آیت ۴۵ تا ۴۷:- **ولو تقول علینا بعض الاقاویل لا اخذنا منه با لیمین ہ ثم لقطعنا منه الوتین ہ**

ترجمہ:- یعنی اگر یہ نبی ہمارے پر افتراء کرتا تو ہم اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پھر اس کی وہ رگ کاٹ دیتے جو جان کی رگ ہے۔

یہ آیت اگرچہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس کے معنوں میں عموم ہے اور اس عموم کو ثابت کرنے کے لئے سورت بنی اسرائیل کی آیت ۲۴ پیش کرتے ہیں '**فلا تقل لهما اف و لا تنهر هما وقل لهما قولاً كريما** '' یعنی اپنے والدین کو بیزاری کا کلمہ مت کہو اور ایسی باتیں ان سے نہ کرو جس میں ان کی بزرگی کا لحاظ نہ ہو۔

اس آیت کے مخاطب تو آنحضرت ﷺ ہیں لیکن دراصل مرجع کلام امت کی طرف ہے۔ اس طرح اگر مرزا کی بات تسلیم کرلی جائے تو زیادہ تر احکام محمد ﷺ کو مخاطب کر کے فرمائے گئے ہیں، اور پورا قرآن ہی محمد ﷺ سے خطاب ہے۔

تو یہ کوئی دلیل نہیں ہوئی جس کو غلام احمد پیش کر رہا ہے۔ اس لئے سورۃ الحاقہ کی آیات صرف اور صرف محمد ﷺ کے لئے خاص ہیں، اور کسی اور کے لئے نہیں۔ اگر کسی اور کے لئے مانا جائے تو نہ معلوم کتنے آدمی اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں اور بولتے رہیں گے؟ مگر ان کا کوئی بھی نقصان بظاہر نہیں ہوتا اور اپنی زندگی کی مدت پوری کر کے وفات پا جاتے ہیں اور پاتے رہیں گے۔ ہاں اگر قرآن میں مخاطب محمد ﷺ نہ ہوتے بلکہ غلام احمد ہوتا تو مانا جاسکتا تھا، مگر ایسا نہیں ہے۔ پھر اس آیت میں عموم ثابت کرنا قرآن میں تحریف کے مترادف ہے۔

غلام احمد اپنی تائید میں ایک بزرگ کا کشف پیش کرتا ہے:-

صفحہ ۴۰:- حضرت مسیح موعود نے اپنی کتاب میں ایک اور بزرگ کا ذکر کیا ہے جو میں نے لیا ہے۔ آپ فرماتے

ہیں کہ دوسرے پیر صاحب العَلَم ہیں، جو بلاد سندھ کے مشاہیر مشائخ میں سے ہیں، جن کے مرید ایک لاکھ سے کچھ زیادہ ہوں گے، اور باوجود اس کے وہ علوم عربیہ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں اور علماء راسخین میں سے ہیں، چنانچہ انہوں نے جو میری نسبت گواہی دی ہے وہ یہ ہے "...." جس کا ترجمہ یہ ہے:-

"یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو عالم کشف میں دیکھا۔ پس میں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیا یہ جھوٹا اور مفتری ہے یا صادق ہے؟ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ صادق ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس میں نے سمجھ لیا کہ آپ حق پر ہیں اب بعد اس کے ہم آپ کے امور میں شک نہیں کریں گے اور آپ کی شان میں ہمیں کچھ شبہ نہیں ہوگا اور جو کچھ آپ فرمائیں گے ہم وہی کریں گے۔

نوٹ:-مشائخ کے مرید ایک لاکھ سے زیادہ ہیں، تو ان کے بال بچے بھی ہوں گے۔ اس طرح ان کی تعداد تقریباً چار یا پانچ لاکھ ہوگی، تو وہ بھی سب غلام احمد کے مرید ہو گئے ہوں گے اور ان پر ایمان لے آئے ہوں گے، جیسے مشائخ ایمان لائے۔ کیونکہ پیر کی بات کو مرید مسترد نہیں کر سکتا۔ اس طرح سندھ میں بہت قادیانی ہونے چاہئے، مگر نظر نہیں آتے۔ کیا بات ہے؟ بات یہ ہے کہ غلام احمد دھوکا دے رہا ہے۔ غلام احمد کی ایک اور حرکت ملاحظہ ہو:-

کتاب مسئلہ ختم نبوت اور جماعت احمدیہ، شائع کردہ نظامت نشر و اشاعت قادیان کا صفحہ۴-۵:-

یہ دونوں قسم کی نبوتیں (یعنی خواہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی) آنحضرتؐ سے پہلے خدا تعالیٰ کی طرف سے براہ راست بغیر کسی گزشتہ نبی کے واسطہ اور طفیل کی شرط کے ملا کرتی تھیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے ان دونوں قسموں کی نبوت کا دروازہ بند ہو گیا اور ایک تیسری قسم کی نبوت کا دروازہ کھولا گیا، جو غیر تشریعی ظلی نبوت ہے۔ یعنی ایسی نبوت جو نہ تو شریعت والی ہے اور نہ براہ راست ملنے والی۔ بلکہ غیر تشریعی اور آنحضرت ﷺ کے وسیلہ وطفیل اور فیضان سے ملنے والی نبوت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "**ومن یطع اللہ و الرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا**" سورۃ نساء آیت ۶۹)

ترجمہ:-یعنی جو اطاعت کریں گے اللہ اور اس کے رسول (یعنی محمد ﷺ) کی تو یہ لوگ ان میں سے ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا (یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں، اور صالحین میں سے) اور اچھے ہیں یہ لوگ رفیق۔

اس آیت میں لفظ "**مع الذین**" ہے جس کا مطلب ہے "ان کے ساتھ"۔ لیکن غلام احمد نے ترجمہ کیا ہے "ان میں سے" جو غلط ہے۔ غالباً "ان میں سے" لکھنے کا مطلب مرزا کا یہ ہے کہ نبیوں میں سے ہوں گے۔ اب اس آیت کا صحیح ترجمہ ملاحظہ ہو:-

سورۃ نساء (۴) آیت ۶۹:-جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے (یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین کے ساتھ ہوں گے) جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اور کیسے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے ایسے اچھے ساتھی ہوں۔

اس طرح غلام احمد آیات کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ اس نے تیسری نبوت کو جاری کیا ہے۔ آگے آنے والے شاید چوتھی یا پانچویں، وغیرہ بھی جاری کر دیں۔ اللہ رحم کرے۔

کتاب مسئلہ ختم نبوت اور جماعت احمدیہ میں عالموں کے قول اور خواب کشف کافی لکھے ہیں، جو صفحہ۹ سے ۱۳ تک پھیلے ہیں۔ ان میں سے ایک کو نقل کر رہا ہوں، یہ قول میں نے اور حوالوں سے بھی سنا ہے، دوسرے عالموں کے قول کی مجھے تصدیق نہیں ہے اس لئے اس کو نہیں لکھ رہا جو لکھ رہا ہوں وہ ذیل میں ملاحظہ ہو:-

صفحہ۱۳-۱۴:-ابن ماجہ کتاب الجنائز میں جو صحاح ستہ میں حدیث کی بڑی معتبر کتاب ہے، آنحضرت ﷺ سے مندرجہ روایت آئی ہے۔

حدیث:-حضور ﷺ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات پر فرمایا۔ "**لو عاش (ابراہیم) لکان نبیا**" یعنی اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا۔

اس حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے بعد مشہور محدث ملا علی قاریؒ اپنی کتاب موضوعات کبیر صفحہ نمبر ۵۱ تا ۵۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "**قلت مع ھذا لو عاش ابراھیم وصار نبیاً وکذا لو صار عمر نبیاً لکان من اتباعه ﷺ فلا ینا قض قوله خاتم النبیین اذ المعنیٰ انه لا یاتی نبی ینسخ ملته ولم یکن من امته**"۔ یعنی میں کہتا ہوں اس کے ساتھ اگر ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے، نیز اگر عمر نبی ہو جاتے تو نبی کریم ﷺ کے متبعین میں سے ہوتے، پس یہ آیت خاتم النبیین کے مخالف نہیں، کیونکہ خاتم النبیین کے معنیٰ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے، اور آپ کی امت سے نہ ہو۔

ہمارے (یعنی قادیانیوں کے) مخالف علماء کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ نبوت کے خلاف عموماً آیت خاتم النبیین اور حدیث لانبی بعدی میں پیش کی جاتی ہے۔ مگر مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ ان سے مراد فقط یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد تشریعی نبوت بند ہے اور یہی حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب ہے۔ درحقیقت بزرگان ملت میں سے کسی ایک مسلم بزرگ کا بھی کوئی ایسا قول پیش نہیں کیا جا سکتا، جس سے آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت غیر تشریعی، جو آنحضرت ﷺ کی اتباع میں ملے، بند قرار دی گئی ہو۔ آنحضرت ﷺ نے ایک طرف تو یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور دوسری طرف مسیح موعودؑ کی آمد کی بشارت دیتے ہوئے اسے چار دفعہ نبی اللہ کہہ کر پکارا (دیکھو مسلم شریف، نزول عیسیٰ) ان دونوں قسم کی احادیث کی تطبیق کرتے ہوئے علماء سلف اسی نتیجے پر پہنچے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کے بند ہونے سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد تشریعی نبوت بند ہے اور مسیح موعودؑ چونکہ آپکی شریعت کا خادم ہوگا اس لئے اس کی نبوت نہ آیت خاتم النبیین کے منافی ہے اور نہ حدیث لانبی بعدی کے مخالف۔ پس اگر حضرت مسیح موعودؑ پر اس عقیدہ کی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگانا درست ہے، تو اس کی زد سے بزرگان سلف بھی بچ نہیں سکتے۔ (اقتباس ختم)

نوٹ:-ہاں آپ نے صحیح فرمایا! اگر اس عقیدے کو مان کر مسیح موعود کافر ہے تو سلف بھی کافر ہیں، بالکل درست ہے۔ جو کچھ لکھا ملتا ہے وہ قرآن اور رسول ﷺ فرمان کے خلاف ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کو زندہ رکھنے والے ہوں یا موت کے قائل ہوں، جو بھی ان کو دوبارہ دنیا میں لا کر کاروبار نبوت جاری رکھتا ہے، بھلے ہی وہ نبی کے ظل ہوں، سب کافر ہیں، اس لئے حضرت عیسیٰؑ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آسکتے، وہ تو بس حشر کے دن ہی اور سب روحوں کے ساتھ زندہ ہو کر میدان حشر میں کھڑے ہوں گے۔

اس کتاب کے صفحہ ۷ا پر غلام احمد کی ایک اور قلابازی جس میں وحی کا دروازہ کھلا رکھا ہے، ملاحظہ ہو:-جس کامل انسان پر قرآن شریف نازل ہوا، وہ خاتم الانبیاء بنے۔ مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا۔ بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے۔ بجز اس کے مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کی امت کے لئے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں۔ ایک وہی ہے، جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے، جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے۔ اور اس کی ہمت اور ہمدردی نے امت کو ناقص حالت پر چھوڑنا نہیں چاہا اور ان پر وحی کا دروازہ

جو حصول معرفت کی اصل جڑ ہے، بند رہنا گوارہ نہیں کیا۔ ہاں اپنی ختم رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لئے یہ چاہا کہ فیض وحی آپ کی پیروی کے وسیلے سے ملے۔ اور جو شخص امتی نہ ہو اس پر وحی کا دروازہ بند ہو۔

یہ رہا غلام احمد کا عقیدہ کہ وحی کا سلسلہ جاری ہے اور الہام و کشف بھی۔ تو اور کافری کیا ہے؟ جن عالموں کا آپ نے ذکر کیا اور جن کا ذکر نہ کیا جن کو میں نے اس کتاب کے مقدمہ میں درج کیا ان سب نے ہی آپ کو یہ کہنے کی ہمت فراہم کی ہے کہ "کہ میں غلام احمد مسیح موعود ہوں، جو بالکل اسلام سے خروج ہے (نعوذ باللہ)۔

اس کتاب کا صفحہ۱۸ بھی ملاحظہ ہو:-پس ایسا شخص خدا تعالیٰ کی جناب میں پیارا ہو جاتا ہے اور خدا کا پیار یہ ہے کہ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کو اپنے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف کرتا ہے (گویا ہم کلام ہوتا ہے (نعوذ) اور اس کی حمایت میں اپنے نشان ظاہر کرتا ہے اور جب اس کی پیروی کمال کو پہنچتی ہے تو ایک ظلی نبوت اس کو عطا کرتا ہے، جو نبوت محمدیہ کا ظل ہے، یہ اس لئے کہ تاکہ اسلام ایسے لوگوں کے وجود سے تازہ رہے، اور تا اسلام ہمیشہ مخالفوں پر غالب رہے۔

اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نبوت کا دروازہ بند نہیں ہے، تو غلام احمد بتائے کہ آپؐ کے بعد کون اور کب نبی ہوگا؟ اس کی پہچان کیا ہے؟ کون سا زمانہ ہوگا؟ کیا یہ نبوت صرف آپ تک ہی محدود رہی اور بعد میں بند ہو گئی؟

ایک اور کتاب "جماعت احمدیہ کا تعرف" مرتبہ مکرم مولانا محمد کریم الدین صاحب شاہد کا اقتباس بھی ملاحظہ ہو:-صفحہ۲-۳:-الغرض اس تمام پس منظر سے دو باتیں نہایت وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہیں کہ انیس ویں صدی میں پیدا ہونے والی تمام مذہبی تحریکات اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ ہر مذہب کے پیروکاروں میں ایک شدید بے چینی، اضطراب، اور مایوسی پائی جاتی تھی اور ہر مذہب والے اپنے اپنے رنگ میں ایک عظیم روحانی مصلح کے منتظر اور محتاج تھے۔ اور دوسری بات یہ کہ سوائے جماعت احمدیہ کے اور کسی تحریک کے بانی کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں پایا جاتا کہ اس کو خدا کی طرف سے کھڑا کیا گیا ہے۔ چنانچہ بانی جماعت احمدیہ فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ نے اس زمانہ کو تاریک پا کر اور دنیا کو غفلت اور کفر اور شرک میں غرق دیکھ کر اور ایمان اور صدق اور تقویٰ اور راست بازی کو زائل ہوتے ہوئے مشاہدہ کر کے مجھے بھیجا ہے تاکہ دوبارہ دنیا میں علمی اور عملی اور اخلاقی اور ایمانی سچائی قائم کرے" آئینۂ کمالاتِ اسلام، صفحہ۲۵۱۔

اسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ:-''اوراس مطلب کے لئے خدانے مجھے مامور کیا ہے کہ میں ان سب غلطیوں کودور کر کے اصلی اسلام پھر دنیا میں قائم کروں ''

احمدی اور غیر احمدی میں کیافرق ہے؟

صفحہ۱۶:-

بانی جماعت احمدیہ کا پیغام صرف مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ مغرب و شرق کی تمام اقوام آپ کی مخاطب ہیں۔یعنی آپ موعود اقوام عالم ہیں۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں''میں ان گنا ہوں کو دور کرنے کے لئے جس سے زمین پُر ہو گئی ہے، جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں،ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں، جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا،یا یوں کہنا چاہئے کہ روحانی حقیقت کی رو سے میں وہی ہوں، یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں بلکہ وہ خدا جو زمین وآسمان کا خدا ہے،اس نے مجھ پر ظاہر کیا ہے۔اور ایک دفعہ نہیں، بلکہ کئی دفعہ مجھے بتایا ہے کہ تو ہندوؤں کے لئے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے (سارا قصہ ہی ختم ہو گیا)(لکچر سیالکوٹ،صفحہ۲۰)۔

صفحہ۶ ملاحظہ ہو:-''۲۰۰۳ء میں آپ کی وفات کے بعد حضرت مسیح موعودؑ پانچویں خلیفہ سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ایداللہ تعالیٰ تخت خلافت پر متمکن ہوئے، جو بانی جماعت احمدیہ کے پر پوتے ہیں اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے الہامات میں یہ خوش خبری موجود ہے''انی معک یا مسرور' یعنی اے مسرور! میں تیرے ساتھ ہوں ۔

یہ کس کتاب میں ہے؟ گویا اللہ نے وحی کے ذریعہ مسرور کو یہ بتایا (نعوذ)۔لکھنا تو اور تھا،مگر یہ مضمون لمبا ہوتا جارہا ہے۔اس لئے اس کو بند کر کے دوسرے مضامین لکھنا ہیں۔مگر تھوڑا اور ملاحظہ ہو:-

اختلافی مسائل اور مسلک تو اسلام میں بہت ہیں جو پرانے ہو چکے ہیں اور پرانے ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اصل مذہب بن گئے اور انہوں نے آپس میں اندر خانہ ایک فیصلہ کرلیا ہے کہ نہ تم ہم کو کانا کہو اور نہ ہم تم کو اندھا کہیں، بلکہ ہر ایک سب کو برحق بتلایا کرے اور مسلمانوں کو خوب دھوکہ دو اور اپنا پیٹ بھرو۔اپنے کو حق ظاہر کرنے کے لئے ایک روایت بھی بنا رکھی ہے کہ''اختلاف امت رحمت ہے''۔مگر اللہ اور رسول کہتا ہے کہ اختلاف امت زحمت ہے اور اللہ سے دوری اور شرک ہے۔یہ سب باتیں قرآن میں ہیں،مگر ہم قرآن کو نہیں

مانتے۔اور اندھی تقلید کررہے ہیں۔پرانے مذہبوں کے علاوہ دو اختلاف یا مذہب ابھی حال کے ہیں۔جن کے پیچھے پہلے اتحادی اکھٹے ہو کر ان سے جنگ کے لئے تیار ہیں۔وہ اختلاف کیا ہیں؟ ایک تو ان میں فرقہ اہل قرآن ہے،جس نے نماز کے تین وقت بتائے تھے جب کہ قرآن نماز کے پانچ وقت ظاہر کرتا ہے،اور ایک تہجد۔لیکن اب اس فرقہ نے نماز جو مسجد میں پڑھی جاتی ہے اس کا ہی انکار کردیا، جب کہ قرآن مسجد والی صلوٰۃ کا حکم دے رہا ہے،اور یہی صلوٰۃ آدمی کو نیک بناتی ہے۔اس وقت جب آدمی نماز پڑھتے وقت ہوش میں ہو اور جو مسجد میں پڑھا اس کو سمجھا۔اور باہر آ کر اس کے مطابق عمل کیا، تب نیک بنتا ہے لیکن اہل قرآن نے اس کا انکار کیا ہے۔اور یہ انکار قرآن کا انکار ہے اور قرآن کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

دوسرا فرقہ قادیانی ہے۔جس کا بانی غلام احمد ہے جو محمدﷺ کو آخری نبی تسلیم نہ کرتے ہوئے نبوت کو جاری رکھتا ہے۔جس کے بارے میں اسی باب میں تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔مگر نبوت کا دروازہ کھلا رکھنے میں غلام احمد اکیلا نہیں ہے،اس سے پہلے بزرگ بھی اسی طرح لکھ رہے ہیں،فرق اتنا ہے کہ ان میں یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ اپنے کو اس مقام پر فائز کرلیں،مگر ان کی تحریر سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔اس لئے غلام احمد کے ساتھ ان بزرگوں کی بھی پکڑ ہونا ضروری ہے۔

اسلام دین کو اللہ نے مکمل اور غالب کردیا محمدﷺ اور قرآن نے یہ بھی بتادیا کہ شروع سے آخیر تک جو بھی نبی ہوا ہے ان سب کو موت آچکی۔اور محمدﷺ کو بھی موت آگئی۔قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں،جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ دین مکمل نہ ہوا یا کوئی نبی دوبارہ اس دنیا میں واپس آ کر دین کو مکمل اور غالب کرے گا۔حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بھی قرآن بتاتا ہے کہ ان کو موت آچکی، وہ دوبارہ اس دنیا میں آ کر کاروبار نہیں کریں گے۔ ہر ایک روح کو قیامت کے دن زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہونا ہے،اپنے حساب کتاب کے لئے۔

سورۃ مائدہ آیت ۳ میں دین مکمل ہو گیا۔سورۃ بقرہ آیت ۲۰۸ میں ہے کہ ایمان والو پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ۔یعنی جو قرآن کہتا ہے اس کو مان لو قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ غیب کوئی نہیں جانتا۔قرآن میں یہ بھی درج ہے کہ محمدﷺ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، وہ اللہ کے رسولﷺ اور خاتم النبین ہیں۔ نبوت جاری ہونے یا محمد کا ظلی نبی ہونے کا قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں۔اس میں تو یہ ہے کہ دین مکمل ہو گیا۔ جب مکمل ہو گیا تو کسی بھی طرح کے نبی آنے کی گنجائش نہیں۔حدیث بھی انکار کرتی ہے ملاحظہ ہو:-

بخاری، جلداول، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر۹۷۲:-حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا پہلے بنی اسرائیل کے انبیا لوگوں پر حکمراں ہوا کرتے تھے۔ایک نبی کا وصال ہوتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہوتا۔ لیکن یادرکھو میرے بعد ہرگز کوئی نبی نہیں ہے،ہاں عنقریب خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے،لوگ عرض گزار ہوئے کہ آپ ہمیں ان کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا یکے بعد دیگرے ہر ایک سے بیعت کرتے رہنا اور ان کی اطاعت کا حکم ادا کرتے رہنا۔پس اللہ تعالیٰ جو انہیں حکمراں بنائے گا۔وہی حقوق کے بارے میں ان سے باز پرس کرے گا۔

یہ رہی حدیث، یعنی محمدﷺ کے بعد کوئی کسی بھی طرح کا نبی نہیں اور قرآن بھی یہی فرماتا ہے۔

سورۃ فتح آیت ۲۸ اور سورۃ توبہ کی آیت میں ہے کہ رسولﷺ دین اسلام کو غالب اور مکمل کرنے والے ہیں نہ کہ عیسیٰ موعودؑ۔

لیکن غلام احمد نے مفروضہ روایات، خواب، غلط تراجم اور تفاسیر اور پہلے بزرگوں کی تحریروں سے اپنے کو نبی، کرشن، مسیح موعودؑ بنا کر کھڑا کردیا، جو غلط ہے اور غلام احمد کذاب ہے۔

ان باتوں کو دھیان میں رکھ کر ہر آدمی اپنے حالات درست کرلے تو اللہ مدد کرے گا۔ایک بات پر اور غور کرو۔یہود اور نصاریٰ کی کتابوں میں رسول آنے کی پیش گوئی ہے، کیونکہ نبوت ختم نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی دین مکمل اور غالب ہوا تھا۔اس لئے آنے والے نبی کے لئے پیش گوئی تھی۔سو محمدﷺ آگئے اور دین مکمل غالب ہو گیا،نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔قرآن میں درج ہے کہ محمدﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں، نہ تشریعی نہ غیر تشریعی۔لیکن کسی بھی یہودی یا عیسائی نے حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ کے بعد کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں نبی بن کر آگیا ہوں۔مگر اسلام میں انکار ہونے کے باوجود پتہ نہیں کتنے آدمیوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں مہدی ہوں اور میں مسیح موعودؑ۔ایسا کیوں؟ جب کہ اس امت میں یہ ہمت کسی کو نہ ہونی چاہئے۔وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے یہاں روایات، تراجم، تفاسیر اور بزرگوں کے قول میں اس کی گنجائش ہے۔وہ یہ کہ مہدی ہوں گے اور مسیح موعودؑ حاضر ہوں گے۔ان اقوال کو ہم فرمان رسول سمجھ کر سینوں سے لگا رکھتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ یہ دونوں ہستیاں آ کر ہماری حالت کو ٹھیک کردیں گی۔ہم کو کوشش کرنی بے کار ہے۔ان باتوں کو دیکھ کر جب بھی کبھی مسلمان پریشان ہوتا ہے اور انتظار کرتا ہے امام مہدی اور مسیح موعودؑ کا تو جھٹ کوئی چالاک آدمی دعویٰ کردیتا ہے کہ میں مہدی ہوں یا میں مسیح موعود ہوں اور اب تو کرشن ہونے کا بھی دعویٰ ان کے ساتھ شامل ہو

گیا۔مگر یہ سب غلط ہے۔کوئی ایسا نہیں آئے گا۔اس لئے غلام احمد کا دعویٰ باطل ہے۔اس کے فریب سے اللہ بچائے۔(تقبل)

(۲۰)

معراج

تراجم، تفاسیر، احادیث وغیرہ میں معراج کی جو تفصیل درج کی گئی ہے، وہ قرآن سے مختلف ہے۔ گویا قرآن کی بات غلط نظر آئی، تو ان عالموں نے ان کتابوں میں معراج کی صحیح حقیقت درج کردی، اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے ملاحظہ ہو:-

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۱:-پاک ہے وہ ذات جو لے گیا رات میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی مسجد یعنی مسجد اقصیٰ تک، جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبیﷺ کو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، لیکن رائج الوقت تراجم اور تفاسیر کیا کہتے ہیں؟ لکھا جارہا ہے:-

بخاری، جلد دوم، کتاب المناقب، صفحہ۴۵۹، حدیث ۱۰۶۸:-حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب قریش نے (واقعہ معراج کے سلسلے میں) مجھے جھوٹا بتایا تو میں حجر کے مقام پر کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کردیا۔پس اس کی جو نشانیاں وہ پوچھتے میں اس کی طرف دیکھ کر بتادیتا تھا۔

معراج شریف ۱۰۶۹:-حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت مالک بن صعصعہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے انہیں معراج شریف کا واقعہ یوں سنایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا اور کبھی اس کی جگہ حجر فرماتے۔تو میرے پاس ایک آنے والا آیا۔پھر اس نے کچھ کہا جو میں سن رہا تھا۔پھر اس نے یہاں تک میرا جسم چیرا، میں نے جارود سے اس کا مطلب پوچھا، جو میرے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے،انہوں نے بتایا کہ''حلق سے ناف کے

نیچے تک" اوراس نے (حضرت انس سے) زیر ناف تک سنا ہے۔پھر میرا دل نکالا گیا۔اس کے بعد سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا۔پھر میرے دل کو دھوکر اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا۔اس کے بعد میرے پاس ایک سفید جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔تو جارود نے ان سے کہا کہ اے ابو ہمزہ! کیا وہ براق تھا؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا کہ ہاں وہ (جانور) اپنا ایک ایک قدم حد نظر سے برابر دور رکھتا تھا۔ پھر میں اس پر سوار ہو گیا اور حضرت جبرائیلؑ مجھے لے کر چل پڑے۔یہاں تک کہ پہلا آسمان آ گیا۔پس دروازہ کھلوانا چاہا تو کہا کون ہے؟ جواب دیا جبرائیل ہے۔پوچھا گیا، آپ کے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا محمد مصطفیٰ علیہ ﷺ ہیں۔پوچھا، کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا ہاں۔کہا گیا، خوش آمدید۔کیسا اچھا آنے والا آیا ہے۔پس دروازہ کھول دیا گیا۔جب میں اوپر گیا تو دیکھا کہ حضرت آدمؑ تشریف فرما ہیں۔کہا یہ آپؐ کے والد حضرت آدمؑ ہیں انہیں سلام کر لیجئے۔پس میں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر کہا صالح بیٹے اور صالح نبی مرحبا۔پھر اوپر چڑھ کر دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ ملے۔یہی سوال و جواب ہوا۔پھر تیسرے آسمان پر حضرت یوسف ملے اور یہی سوال و جواب۔پھر چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ ملے اور یہی سوال و جواب ہوا۔پھر پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ ملے اور یہی سوال و جواب ہوا۔پھر چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ ملے اور یہی سوال و جواب۔حضرت موسیٰ رونے لگے اور کہا یہ لڑکا میرے بعد مبعوث فرمایا گیا ہے، لیکن میری امت کی نسبت اس کے امتی زیادہ تعداد میں داخل جنت ہوں گے۔پھر ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیمؑ ملے اور یہی سوال و جواب ہوا۔اس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ ظاہر فرمایا گیا تو اس کے پھل (بیر) مقام ہجر کے مٹکوں جیسے تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے، کہا گیا یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے۔اس کی چار نہریں تھیں۔دو ظاہری اور دو باطنی۔میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ نہریں کیسی ہیں؟ جواب دیا گیا کہ باطنی نہریں تو جنت کی ہیں اور ظاہری نہریں نیل اور فرات کی ہیں۔پھر مجھ پر بیت المعمور ظاہر فرمایا گیا۔پھر میرے سامنے ایک برتن میں شراب اور دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد پیش کیا گیا۔میں نے دودھ لے لیا کہا یہ فطرت ہے۔لہٰذا آپ اور آپ کی امت فطرت پر قائم رہیں گی۔پھر مجھ پر رات دن میں پچاس نمازیں فرض فرمائی گئیں، جب میں واپس لوٹا اور میرا گذر حضرت موسیٰ کے پاس سے ہوا تو پوچھا کہ آپ کو کس چیز کا حکم دیا گیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ روزانہ پچاس نمازیں پڑھنے کا۔کہنے لگے کہ آپ کی امت روزانہ پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔اور خدا کی قسم میں اس چیز کا آپ سے پہلے تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل

کے ساتھ اس امر کی بڑی کوشش کر کے دیکھ لی ہے۔آپ واپس جائیں اور تخفیف کرائیں۔تو محمد ﷺ واپس گئے، اور جاتے رہے تو ہر بار میں دس دس نمازیں کم ہوئیں اور آخر میں صرف پانچ رہ گئیں۔

نوٹ:-(۱) گویا اللہ نے اپنا حکم بدل دیا (نعوذ) جبکہ قرآن شاہد ہے کہ اللہ کی بات بدلی نہیں جاتی۔

(۲) واپسی میں محمد ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوئی، جب کہ ساتویں آسمان پر موسیٰ سے پہلے حضرت ابراہیمؑ تھے، ان سے ملاقات کیوں نہ ہوئی؟ اگر ایسی بات ہوتی تو اس کمی کو حضرت ابراہیمؑ ہی بتا دیتے اور ایک آسمان کی بھاگ دوڑ بچ جاتی۔

(۳) کیا حضرت موسیٰ کی شریعت میں پچاس نمازیں تھیں؟

(۳) موسیٰ سے منسوب کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے رسول نے محمد ﷺ کی رہنمائی کی۔

(۴) بیت المقدس جانے سے بھی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہود کے فرضی قبلہ کی حیثیت مکہ والے کعبہ سے زیادہ ہے۔اور جس ہیکل سلیمانی کو کعبہ بتایا جا رہا ہے اور جس مسجد میں نماز پڑھانے کو لکھا ہے، دونوں وہاں موجود نہیں تھے۔

(۵) کیا معراج سے پہلے محمد ﷺ اور سارے سابق نبی نماز نہیں پڑھتے تھے؟ ضرور پڑھتے تھے۔قرآن شاہد ہے اور قرآن میں درج ہے، وہی پہلی کتابوں میں درج تھا، اور وہی شریعت محمد ﷺ کو دی گئی۔اس لئے پانچ نماز پہلے سے رائج ہیں، معراج میں پچاس نمازوں والی بات غلط ہے، اللہ کی بات نہیں بدلی جاتی۔

(۶) قرآن میں درج ہے کہ محمد ﷺ کو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے مسجد اقصیٰ لے گیا اور وہاں پر اپنی نشانیاں دکھائیں جب کہ حدیث میں لکھا ہے کہ جبرائیل لے گئے۔

(۷) سورۃ نجم میں ہے کہ جبرائیل کو محمد ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ پر دوسری بار اصلی شکل میں اترتے دیکھا، اگر ساتھ گئے تھے تو قرآن کی بات غلط ثابت ہو رہی ہے۔اب ذیل میں کچھ تفصیل لکھی جا رہی ہے، ملاحظہ ہو:-

مسجد اقصیٰ کو ترجموں میں بیت المقدس لکھا گیا ہے جو یروشلم میں ہے، اگر بیت المقدس ہی مانا جائے تو محمد ﷺ کا جانا صرف بیت المقدس جو ملک شام میں ہے تک ہی رہتا ہے، آگے کو نہیں۔مگر قرآن مسجد اقصیٰ تک بتاتا ہے۔اس لئے مسجد اقصیٰ بیت المقدس ہرگز نہیں ہے۔وہ بیت المقدس جس کا نام مسجد اقصیٰ رکھا گیا ہے وہ تو فلسطین کے شہر یروشلم میں واقع ہے۔وہاں پر عبادت گاہیں نبیوں نے بنوائی تھیں، جو بعد کو ظالم بادشاہوں نے برباد کر دیں۔روایت میں ہے کہ معراج کی رات کو محمد ﷺ نے بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ میں

سب نبیوں کو نماز پڑھائی اور پھر اوپر آسمان پر تشریف لے گئے، مگر وہ مسجد جس میں نماز پڑھانا لکھا ہے اس وقت موجود ہی نہ تھی، اور نہ آج ہے۔آج جس مسجد کو مسجد اقصیٰ کہتے ہیں وہ تو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں بنوائی تھی۔جس کا نام پہلے مسجد عمر تھا۔بعد میں اس مسجد کی جگہ پر خلیفہ بنی امیہ مروان اور ولید نے ایک شاندار مسجد تعمیر کر دی، اور سحرہ بھی بنوایا۔بیان یہ کیا جاتا ہے کہ جب یروشلم کو فتح کیا گیا تو اس وقت وہاں کے پادری نے کہا کہ ہم شہر کی چابی تمہارے امیر کے سپرد کریں گے۔تب حضرت عمرؓ وہاں گئے اور شہر کے اندر مسلمان داخل ہوئے۔جب نماز کا وقت آیا تو جگہ کی تلاش ہوئی۔پادری نے کہا کہ آپ نماز چرچ میں ہی پڑھ لیں۔مگر عمرؓ نے یہ مناسب نہ سمجھا اور کوئی خالی جگہ کی تلاش کی تو ایک جگہ ملی۔جس میں کوڑا وغیرہ پڑا تھا۔کیونکہ خالی جگہ پر ایسا ہی ہوتا ہے۔عمرؓ نے اس جگہ کو صاف کرا کے وہاں نماز پڑھی۔پھر بعد کو اس جگہ پر ایک مسجد بنائی گئی، جس کا نام مسجد عمرؓ رکھا گیا اور بعد کو یہی مسجد، مسجد اقصیٰ کہلائی۔وہی مسجد جس کو بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے اگر معراج کے وقت موجود تھی، تو اس کا رخ کعبہ کو ہے۔اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ محمد ﷺ سے پہلے بھی قرآن کے مطابق ملت ابراہیم پر ہونے سے ہر نبی کا قبلہ کعبہ ہی تھا، جو مکہ میں ہے۔اس لئے محمد ﷺ نے بھی شروع سے نماز کعبہ رخ ہی پڑھی ہے۔بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نہیں پڑھی۔اس لئے اس بارے میں جتنی روایات ہیں وہ سب محل نظر ہیں۔اس رخ کے بارے میں "منظم مفہوم القرآن اردو ہندی" میں سورہ بقرۃ میں بحث ہو چکی ہے، یہ مفہوم میں نے ہی لکھا ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مسجد اقصیٰ معراج کے وقت موجود نہیں تھی۔وہ بعد میں بنی اور قرآن میں مسجد اقصیٰ لفظ دیکھ کر مسلمانوں کو حقیقت سے دور کرنے کے لئے اس مسجد عمر کا نام مسجد اقصیٰ رکھ کر معراج سے جوڑ دیا گیا، جس کو مسلمانوں نے بغیر تحقیق کے یہودیوں کی برتری ثابت کرنے کے لئے مان لیا، اگر مسجد اقصیٰ موجود تھی تو فتح کے وقت نماز پڑھنے کے لئے کسی جگہ کی تلاش کی ضرورت نہیں تھی۔مسلمان فوراً اس مسجد میں ہی جا کر نماز پڑھتے۔جس میں محمد ﷺ نے نماز پڑھائی تھی۔معراج سے فتح یروشلم تک نہ معلوم کتنے مسلمانوں نے اس جگہ کو دیکھ لیا ہوگا، اور عمرؓ کو معلوم تھا کہ نبیؐ نے یروشلم کی مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھائی ہے، مسجد موجود ہے۔فوراً کہتے، چلو وہاں چل کر نماز پڑھیں گے۔تلاش کا کیا مطلب؟ لیکن ایسا نہیں ہے۔کوئی قول کتابوں میں درج نہیں۔اس لئے ثابت ہوا کہ فتح بیت المقدس یعنی فتح یروشلم کے وقت وہاں کوئی مسجد نہیں تھی۔اور نہ ہی محمد ﷺ معراج میں وہاں گئے، آپ تو کعبہ سے سیدھے مسجد اقصیٰ (سدرۃ المنتہیٰ) گئے، جس کی تصدیق قرآن اور درج روایت کر رہی ہیں۔حقیقت میں مسجد اقصیٰ وہ جگہ

ہے، جو بہت دور کنارا بعید، جہاں اللہ محمد ﷺ کو لے گیا۔جس کی تشریح سورہ نجم میں آیات کرا رہی ہیں۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۶:-وہ بڑا صاحب قوت ہے، وہ سامنے کھڑا ہوا۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۷:-وہ بالائی افق پر تھا۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۸:-پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۹:-یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلے پر رہ گیا۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۱۰:-تب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی، جو کچھ بھی وحی اسے پہنچائی۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۱۱:-دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۱۲:-کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۱۳:-اور ایک مرتبہ اور اترتے دیکھا۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۱۴:-سدرۃ المنتہیٰ آخری حد، پردے کے پاس۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۱۵:-جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۱۶:-اس وقت سدرۃ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا، یعنی پردے پر۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۱۷:-نگاہ نہ چندھیائی نہ حد سے آگے بڑھا۔

سورۃ نجم (۵۳) آیت ۱۸:-اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

سورت نجم کی آیتوں نے سورۃ الاسریٰ کی آیت ا کی تشریح کر دی۔کہ محمد ﷺ کہاں گئے تھے؟ یعنی سدرۃ المنتہیٰ تک۔سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ وہ یہ کہ آخری حد پر وہ پردہ جس پر پھولوں کی جھالر ہو اور انسان کی جانے کی آخری حد۔اور اللہ کے انوار اور تجلیات سے ڈھکا ہوا۔اس کا مطلب بیری کا درخت لینا سیاق و سباق کے خلاف ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ نے محمد ﷺ کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں، جیسے جنت الماویٰ اور حضرت جبرائیل کو اصلی شکل میں وغیرہ وغیرہ۔یہ ہے حقیقت معراج کی، جو خانہ کعبہ سے سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی، نہ کہ کعبہ سے بیت المقدس تک۔عالموں نے تفسیر میں نشانیوں کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ بیت المقدس میں نبیوں کی قبریں ہیں اور باغ وغیرہ، کیا یہ درست ہے؟ کیا قبروں کی زیارت کرانا ہی مقصود تھا؟ اگر تھا تو مزاروں پر جانا درست ہے۔مگر یہ سب کچھ نہیں درست وہ ہے، جو کچھ میں نے لکھا ہے۔

دوسری قابل اعتراض بات یہ ہے (۱:۱۷) کے ترجمہ میں ایک ترجمہ "سبحان الذی" کا

مطلب ''وہ شخص'' لکھا ہے۔کیا اللہ کو شخص کہا جا سکتا ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ محمد ﷺ کو جبرائیلؑ لے گئے، جب کہ قرآن میں ہے کہ اللہ لے گیا۔جبرائیل ساتھ نہیں گئے، بلکہ انہیں وہاں اترتے دیکھا۔روایات میں ہے کہ محمد ﷺ کو سب سے تیز سواری دی گئی، جو کسی کو نہیں دی گئی۔مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ امام تو آسمان پر بعد میں گئے اور مقتدی پہلے سے ہی آسمان پر پہنچ گئے؟ اور جب محمد ﷺ جاتے ہیں تو ہر آسمان میں نبیوں سے بات ہوتی ہے،تو وہ کس سواری سے گئے؟ یا محمد ﷺ کہیں آرام کرنے لگے تھے؟قرآن کہتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر آدمی کی روح عالم برزخ میں رہتی ہے، مگر یہاں لکھا ہے کہ نبی آسمان پر جسم کے ساتھ ہیں،یہ کیا معاملہ ہے؟

باتیں اور بھی ہیں مگر وہ اس لائق نہیں کہ ان پر کچھ لکھا جائے۔پڑھنے والوں نے پڑھا ہوگا،ان سب باتوں پر غور کرو اور قوم کو ایک ایسی صاف ستھری بات دو، جس کو یہ قوم کسی دوسری قوم کے سامنے پیش کرے،اور وہ اس کو حقیقت جان کر اسلام میں شامل ہو جائے۔نہ کہ اس اسلام میں جو لکھ رکھا ہے اس لکھے کو دیکھکر وہ خود بھی رُکتا ہے اور دوسرے کو بھی روکے گا۔ذیل میں رائج الوقت ترجمہ پھر لکھا جا رہا ہے:-

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ا:-پاک ہے وہ ذات، جو اپنے بندے کو رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا، جو ملک شام میں ہے۔

کیا یہ بیت المقدس والا ترجمہ ٹھیک ہے؟اگر ہاں تو محمد ﷺ کا جانا صرف بیت المقدس (یروشلم) تک ہی ہو جاتا ہے، آگے جانے کا انکار ہے۔کیا کبھی اس بات پر غور کیا ہے؟

(۲۱)

استبراء

انسانی زندگی میں ایک موقع ایسا بھی آتا ہے کہ اس کو ہجرت کرنی پڑتی ہے یا کسی دوسری پریشانی کی وجہ سے سکونت ترک کرنی پڑتی ہے۔ایسے افراد میں مرد،عورت دونوں زد میں آتے ہیں۔اگر عورت ایسے حالات سے دوچار ہوتی ہے اور اس کو دوسری جگہ نکاح کرنا پڑتا ہے تو اس کے لئے ایک قانون ہے ''استبراء'' کا۔یعنی ایک حیض سے اس کے رحم کی جانچ کی جاتی ہے،اگر حیض آجاتا ہے تو وہ حاملہ نہیں ہے،نکاح ہو سکتا ہے اور اگر حیض نہیں آتا تو وہ حاملہ ہے اور اس کا نکاح بچہ پیدا ہونے کے بعد ہوگا یہ قانون کیسے بنا قرآن کی آیت پیش ہے۔

سورۃ طلاق (۶۵) آیت ۴:-اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے،اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی تین مہینہ ہے) اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کرے گا۔

اس آیت میں حمل والی عورت کی عدت وضع حمل بتائی گئی ہے اس آیت سے ہی غیر معاشرے سے آئی عورت سے نکاح کرنے کے لئے استبراء کا قانون بنایا گیا ہے، جو درست ہے۔لیکن تاریخ اور روایات سیرت کی کتابوں میں درج ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جویریہ اور حضرت صفیہ سے نکاح گرفتار ہونے کے چند دن کے بعد ہی کر لیا تھا،حضرت صفیہ سے تو جنگ سے واپسی پر راستے میں ہی نکاح کر لیا تھا،اور ولیمہ بھی راستے میں ہی کیا تھا۔اور حضرت جویریہ سے مدینہ میں۔جبکہ ان کا استبراء نہیں ہوا۔اور جویریہ کسی دوسرے صحابی کے حصہ میں آگئی تھیں۔تو اس نے مفروضہ قانون کے تحت ضرور مباشرت کی ہوگی،اور صفیہ کا معاملہ بھی یہی ہے۔تو ضروری تھا کہ نبیؐ درج قرآن قانون کی پابندی کرتے،انہوں نے ہر قیمت پر قانون کی پابندی کی ہے،

تو اس قانون کی بھی پابندی کی ہے۔اس لئے نبیؐ نے یہ نکاح نہیں کئے اگر یہ نکاح کرتے تو قرآن کی خلاف ورزی کرنے کے مرتکب ہوتے۔اور اس خلاف ورزی کی سزا ملتی، دوسری بات یہ کہ سورۃ احزاب میں درج ممانعت کے ہوتے ہوئے نبیؐ ۷ھ میں نکاح نہیں کر سکتے تھے۔اس طرح لکھنا نبی ﷺ کے کردار کو داغ دار کرنا ہے۔جس کو شتم کہتے ہیں ایسے شاتم رسول کو سزا ملنی چاہئے۔روایات نے قرآن کو مجبور بنا کر رکھ دیا ہے۔ اب عوام فیصلہ کرے کہ درست کیا ہے؟ قرآن یا روایت۔

(۲۲)

زانی کی سزا

قرآن نے انسانی زندگی گزارنے کے لئے جو ضابطہ حیات قرآن کی شکل میں اپنے نبیؐ کے ذریعہ دیا ہے اس میں ہر ضروری بات کی تفصیل کر دی ہے اور نبیؐ نے اپنے قول اور عمل سے اس کی تشریح کر دی ہے۔ جس تشریح کو سنت کا درجہ حاصل ہے۔ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ سنت قرآن سے باہر نہیں ہے قرآن کے اندر ہے،اس لئے جو قرآن ہے وہی سنت ہے،اور جو سنت ہے وہی قرآن ہے ۔اب دیکھا جائے زنا کے بارے میں کہ قرآن کیا بتاتا ہے اور روایات جس کو مفروضہ سنت کا درجہ دیا گیا ہے اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے،ان میں کوئی تضاد تو نہیں،آیات اور روایات پیش ہیں ملاحظہ ہو:-

سورۃ نور (۲۴) آیت ا:-یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اسے ہم نے فرض کیا (کہ اس کے احکام کی پابندی کی جائے) اور اس میں ہم نے صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں شاید کہ تم سبق لو۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۲:-زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین (قانون) کے معاملہ میں تمہارا ہاتھ نہ پکڑے،یعنی ان پر ترس نہ آئے۔اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو،اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۳:-بدکار مرد تو بدکار یا مشرک عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور سے نکاح نہیں کرتی،اور یہ مومنوں پر حرام ہے۔

اس مسئلہ پر لکھنے سے پہلے دیگر آیات بھی لکھی جا رہی ہیں۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۲۵:-اور جو شخص تم میں اتنی مالی وسعت نہ رکھتا ہو کہ پاک عفیفہ آزاد خاندانی مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکتا ہو،اسے چاہئے کہ تمہاری ان مومنہ نوجوان نکاح کے لائق عورتوں سے نکاح کر لے جو تمہاری مملکت ایمان (حفاظت) میں ہوں اور مومنہ ہوں۔اللہ تمہارے ایمان کا حال جانتا ہے تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو،لہٰذا ان کے سرپرست (حاکم) کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کر لو اور معروف طریقہ سے ان کے مہر ادا کر دو، تاکہ وہ حصار نکاح میں محفوظ (محصنات) ہو کر رہیں، نہ کہ اعلانیہ بدکاری کرنے والیاں، نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں بن جائیں۔پھر جب وہ حصار نکاح میں محفوظ (محصنات) ہو جائیں اور اس کے بعد بد چلنی کی مرتکب ہوں،تو ان پر اس سزا کی (عذاب) نسبت آدھی سزا ہے، جو آزاد شادی شدہ (محصنات) عورتوں کے لئے مقرر ہے۔یہ سہولت تم میں ان لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے جس کو شادی نہ کرنے سے بند تقویٰ کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو لیکن اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

سورۃ احزاب (۳۳) آیت ۳۰:- نبی کی بیویو! تم میں سے جو کسی صریح فحش حرکت کا ارتکاب کرے گی تو اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا۔اللہ کے لئے یہ بہت آسان ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۳۲:-اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی (فحش) اور بری راہ ہے۔

سورۃ نور کی آیت ۲ میں زانی مرد اور عورت کی سزا اللہ نے سو (۱۰۰) کوڑے بتائی ہے۔آیت میں یہ کوئی قید نہیں ہے کہ عورت آدمی شادی شدہ ہیں یا نہیں،صرف ایک بات زانی بتائی ہے۔اگر یہ سزا غیر شادی شدہ کی ہوتی تو اللہ ضرور آیت میں وضاحت کرتا کہ یہ سزا غیر شادی شدہ کی ہے اور شادی شدہ کی سنگساری ہے۔مگر آیت میں کوئی قید نہیں صرف زانی کی سزا ہے اور حقیقت میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی یہی سو (۱۰۰) کوڑے کی سزا ہے۔مگر ہمارے یہاں اللہ کے فرض کئے ہوئے قانون کو یہ کہہ کر بدل دیا کہ محمد ﷺ نے شادی شدہ کی سزا سنگسار بتائی ہے۔اور وہ آیت تلاوت میں منسوخ ہو گئی حکم باقی ہے۔اور اس آیت کا مطلب بتایا جاتا ہے کہ بوڑھی عورت آدمی (الشیخ والشیخۃ) زنا کرے تو اس کو سنگسار کر دو اور مار دو۔

بخاری میں حضرت عمرؓ کی زبانی کہلایا گیا ہے کہ مجھے خوف ہے کہ لوگ یہ کہکر گمراہ نہ ہو جائیں کہ ہم سنگسار والی (آیت رجم) آیت قرآن میں نہیں پاتے، جب کہ یہ آیت محمد ﷺ پر نازل ہوئی تھی،آپؐ نے اس پر عمل کیا اور ہم نے اس کو یاد کیا اور عمل کیا۔(بخاری پارہ ۲۸ کتاب المحاربین حدیث نمبر ۱۷۳۰)

ایک حدیث نسائی میں ہے اس کو بھی ملاحظہ کریں۔ نسائی میں ابی بن کعب کی روایت ہے کہ سورۃ احزاب، سورۃ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی بڑی تھی اس میں آیت رجم بھی تھی۔ لیکن اس کی بہت سی دوسری آیتوں کے ساتھ یہ بھی اٹھائی گئی۔ اس روایت کی سند کو حافظ ابن کثیر نے حق قرار دیا ہے۔ یہ سورۃ ۵ھ میں مدینہ میں نازل ہوئی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ یہ اقرار کر رہے ہیں کہ آیت رجم نازل ہوئی تھی اور اب قرآن میں نہیں ہے۔ تو قرآن میں لکھی کیوں نہیں گئی، جبکہ عمرؓ کے کہنے پر ہی ابوبکرؓ کے حکم سے قرآن جمع ہو کر لکھا گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ قرآن عثمانؓ نے جمع کیا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ محمد ﷺ کی حیات میں ہی قرآن جمع ہو چکا تھا۔ اور وہ چار صحابی تھے جنہوں نے لکھا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قرآن محمد ﷺ کی حیات مبارک میں ہی آپ کی نگرانی میں لکھا جا چکا تھا اور قرآن کی جلدیں ہر جگہ محفوظ حالت میں ہی جا چکی تھیں۔ نہ ابوبکرؓ نے جمع کیا نہ عثمانؓ نے، یہ سب روایتیں موضوع ہیں۔ اور بخاری میں جن چار صحابیوں کا ذکر ہے تو انہوں نے اپنے طریقہ سے انفرادی طور پر اور ان کے ساتھ دیگر نے بھی قرآن لکھ لیا تھا۔ بھلا ایک اتنی اہم کتاب، ضابطہ حیات جو قیامت تک رہنا ہے، محمد ﷺ منتشر حالت میں چھوڑ کر کیسے رخصت ہو سکتے تھے؟ اس طرح کی باتیں ایک زبردست سازش ہیں۔ دین مکمل ہونے کا مطلب کیا ہے؟ یہی تو ہے کہ ہر بات صحیح طریقہ سے ہو جائے۔ اس لئے قرآن لکھا جا چکا تھا۔ نہ تو آیت رجم نازل ہوئی، نہ اس پر کسی نے عمل کیا، نہ ہی کوئی آیت منسوخ ہے۔ اب دیکھا یہ جائے کہ قرآن کی روشنی میں زانی کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے ہے یا سنگسار کر کے ماردینا؟

سورۃ نساء آیت ۲۵ میں شادی شدہ مملکت ایمان کی سزا زنا کرنے پر آدھی بتائی گئی ہے۔ اور سورۃ احزاب کی آیت ۳۰ میں شادی شدہ کی سزا دوگنی بتائی گئی ہے، اس آیت میں زنا کی جگہ لفظ فحش آیا ہے، جو لفظ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۰ میں زنا کے لئے آیا ہے، ایسے ہی عذاب کا لفظ سورہ نور کی آیت ۲۵ میں کوڑوں کی سزا کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اب ایمان داری سے فیصلہ ہونا ہے کہ سزا کونسی ہے اگر شادی شدہ کی سزا 'رجم' تسلیم کر لی جائے، جیسا کہ رائج ہے، تو رجم میں آدھی اور دوگنی کیسے ہوگی؟ دوگنی، آدھی یا چوتھائی تو اس عدد کی ہو سکتی ہے جس کی تعداد معلوم ہو اور جس کی تعداد معلوم نہ ہو تو اس کی آدھی یا دوگنی کیسے ہو سکتی ہے؟ جب کہ سنگساری میں زانی کو پتھر مارتے مارتے ہی ختم کر دیا جاتا ہے۔ وہ پہلے پتھر میں بھی مر سکتا ہے اور دو سو پتھروں کے بعد بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ پتھروں کا وزن بھی مختلف ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں پتھروں کی سزا دوگنی یا آدھی

کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے ثابت ہوا کہ رجم کی سزا کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ صرف اور صرف سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا ہے، چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ روایات میں کہا گیا ہے کہ آیت رجم توریت میں ہے۔ اور محمد ﷺ نے اس کو دیکھ کر ہی زانی کو یہ سزا دی اور مقرر کی۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس سزا کو دینے کے بعد محمد ﷺ نے کہا کہ اے اللہ! میں نے تیرے اس حکم کو زندہ کیا، جس کو وہ مٹا چکے تھے۔

کیا توریت میں آج یہ آیت ہے؟ اگر ہے یا تھی تو قرآن میں کیوں نہیں؟ جب کہ قرآن ہی سے ثابت ہے کہ جو شریعت پہلے رسولوں کی تھی وہی محمد ﷺ کی ہے۔ اور جو قرآن میں ہے وہی پہلی کتابوں میں تھا۔ مگر پہلوں نے بدل دیا (دیکھو آیات ۲۴:۱۳، ۲:۱۳۰، ۱۳۵-۱۳۶، ۳:۱۳، ۹۵:۳) یہ آیات قرآن میں ہیں، اور ہم پڑھتے بھی ہیں پھر ہم غور کیوں نہیں کرتے؟ کیا ہمارے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ آیت رجم توریت میں بھی نہیں تھی۔ توریت میں سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا تھی۔ علاوہ ازیں محمد ﷺ اور امت محمد ﷺ کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ ''آپ لوگ جو بھی فیصلہ کرو اس قرآن کے مطابق کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ اگر اس کے مطابق عمل اور فیصلہ نہ کرو گے تو تمہارا شمار، کافروں، ظالموں، اور فاسقوں میں ہوگا''۔

تو اس حکم کے ہوتے ہوئے محمد ﷺ فرضی تحریف شدہ توریت کی طرف کیوں دیکھ سکتے تھے؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ محمد ﷺ قرآن کے علاوہ کسی اور کتاب کی طرف دیکھتے۔ پھر بھی جو اس اصل توریت میں تھا وہ سب قرآن میں آ گیا تو قرآن ہی اصل ہوا۔

ایک بار حضرت عمرؓ ایک نسخہ توریت یا انجیل کا لے آئے۔ اس کو محمد ﷺ نے دیکھا اور معلوم کیا، عمرؓ یہ کیا ہے؟ تو عمرؓ نے بتایا کہ یہ فلاں کتاب ہے، تو محمد ﷺ نے کہا کہ اے عمرؓ اگر اس وقت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی قرآن کو ہی پڑھتے، اور محمد ﷺ پر ایمان لاتے۔ یہ سن کر عمرؓ نے وہ نسخہ ضائع کر دیا۔

یہ پڑھنے کے بعد بھی ہم نے محمد ﷺ کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیں جو ناممکن ہیں۔ جو کچھ ہم پڑھتے چلے آ رہے ہیں، جس کے لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہی درست ہے، اگر کوئی اس کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ سنت کو نہیں مانتا، اور سنت کو نہ ماننے والا اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اس لئے ڈر کی وجہ سے کسی میں یہ ہمت نہیں ہو پاتی کہ اس لکھے ہوئے کو چیلنج کر دے۔ اگر کبھی کسی نے یہ ہمت کی بھی تو اس کا جینا دوبھر کر دیا۔ اس پریشانی کو دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گیا اور گاڑی اسی راستے پر چلتی رہی جس پر چلا دی ہے، جس سے وہ صحیح مقام پر نہیں پہنچتی اور قوم برباد ہو رہی ہے۔ درست بات قرآن میں ہے اور وہی حقیقی سنت ہے۔ غلط سنت کو تسلیم کرنے کا

مطلب یہ ہوا کہ محمد ﷺ اور صحابہ پر ایک غلط الزام لگ رہا ہے۔ یہ ایک تہمت ہے اور تہمت لگانے والوں پر اسی (۸۰) کوڑے لگنے چاہئیں، سورۃ نور کی آیت ۵ کے مطابق ہر اس آدمی کو جو اس الزام لگانے میں شامل ہے۔

محمد ﷺ نے وہ عمل کیا اور فرمایا جو ان پر وحی آئی تھی اس کے خلاف ایک بھی عمل نہیں کیا اور نہ ہی کہا۔ ایسے ہی صحابہ نے وہ عمل کیا جو محمد ﷺ نے بتایا اور وہ قرآن میں محفوظ ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب مرحوم نے بھی تدبر قرآن جلد ۵، صفحہ ۳۶۶ میں روایت رجم اور سنگسار کو غلط بتایا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں بھی سنگسار کی سزا کو غلط لکھا ہے۔ انہوں نے بھی کوڑے لگانے والی سزا کو کہا ہے، جو قرآن میں ہے۔ جس جملہ کو آیت رجم کے نام سے منسوب کیا گیا ہے، جس سے شادی شدہ کی سزا رجم بتائی جاتی ہے۔ اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں، جس کا مطلب شادی شدہ ہوتا ہو۔ مفروضہ جملہ میں 'الشیخ و الشیخۃ' ہے، یہ جس کا مطلب بوڑھا اور بوڑھیا اور وہ بھی بہت زیادہ عمر رسیدہ تو کیا بہت زیادہ عمر رسیدہ آدمی یا عورت زنا کر سکتے ہیں؟ ذرا غور تو کرو۔ شادی شدہ مرد عورت کی عربی۔ ''متزوج۔ متزوجۃ'' ہے، لیکن اس فرضی جملہ میں بوڑھا، بوڑھی ہے، تو کیا اس طرح لکھنے سے وہ جملہ غلط ثابت نہیں ہو رہا؟

سورۃ نور کی آیت ۳ میں ہے زانی مرد زانیہ یا مشرک عورت سے ہی نکاح کرتا ہے اور زانیہ عورت زانی یا مشرک مرد سے ہی نکاح کرتی ہے۔ جو جیسا ہوتا ہے ویسے ہی کو پسند کرتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ زانی مرد اور عورت نکاح تو جب ہی کریں گے جب زندہ رہ جائیں گے اور رجم میں تو زندہ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، پھر وہ نکاح کیسے کریں گے؟ کیا قبر میں نکاح کریں گے؟ یا عالم برزخ میں؟ زندہ رہنے کا امکان کوڑوں میں ہے۔ اس لئے یہ ثابت ہوا کہ زانی کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے ہے، چاہے وہ شادی شدہ ہے یا کنوارا اور اس کے آدھے پچاس (۵۰) اور دوگنے دو سو (۲۰۰) ہوئے۔

درست فیصلہ عوام کرے کہ کیا ہے؟ کوڑے یا سنگسار؟

(۲۳)

اہل کتاب سے شادی

ائمہ فقہ نے اہل کتاب سے شادی کو جائز کہا ہے اور اس فتویٰ کے ہوتے ہوئے مسلمان اہل کتاب عورت سے شادی کرتے ہیں۔ کسی بھی فرقہ کے عالم سے اگر سوال کیا جائے کہ حضرت یہ شادی جائز ہے؟ تو فوراً کہتا ہے کہ ہاں کیوں کہ قرآن اور سنت نے اجازت دی ہے۔ اور انہیں کی تائید میں قرآن کی آیت پیش کی جاتی ہے، جو درج ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو:-

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۵:- آج تمہارے لئے سب پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب مومن کا کھانا بھی تم کو حلال اور تمہارا کھانا انہیں حلال کر دیا ہے۔ پاک دامن اہل کتاب مومن عورتیں بھی حلال ہیں، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی، جب کہ ان کا مہر دے دو۔ اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی۔ اور جو شخص ایمان کا دشمن ہو، اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

اس آیت میں اہل کتاب مومن عورتوں سے نکاح حلال بتایا گیا ہے، نہ کہ کافر اور مشرک سے۔ اور قرآن نے اہل کتاب مومن اور مشرک کی کیا تعریف کی ہے؟ وہ بھی جان لیا جائے۔ پہلے یہ کہ مشرک مرد عورت سے شادی کے بارے میں قرآن میں کیا ہے؟ ملاحظہ کیجئے:-

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۲۲۱: - تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں، ایک مومن غریب بے سہارا عورت، مشرک آزاد مالدار عورت سے بہتر ہے، اگر چہ وہ تمہیں بہت پسند ہو اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن عبد مشرک سے بہتر ہے، اگر چہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ وہ لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے (اذن وقانون) سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے تو قع ہے کہ وہ سبق لیں گے۔

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۱۰۷:-(اے رسول!تم کفار سے) کہوتم اس قرآن کو مانو یا نا مانو (اس قرآن کی صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا) لیکن جن لوگوں کو اس سے پہلے کتاب کا علم دیا گیا تھا،انہیں جب یہ کلام پڑھکر سنایا جاتا ہےتو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں (یعنی اس قرآن کو مان کر محمدﷺ پر ایمان لے آتے ہیں)۔

سورۃ سجدہ (۳۲) آیت ۱۵:- ہماری آیات پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جن کو یہ آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہےتو سجدے میں گر پڑتے ہیں،یعنی فرمانبرداری کرتے ہیں۔عاجزی کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۸۳:-اور جب وہ (اہل کتاب) اس کلام کو سنتے ہیں جو اللہ کے رسول محمدﷺ پر نازل ہوا ہے،تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔کیونکہ انہوں نے اس کلام کی سچائی کو پالیا ہے۔وہ بول اٹھتے ہیں یا اللہ!ہم تیرے کلام پر ایمان لے آئے ہیں۔پس (سچائی کی) گواہی دینے والوں میں ہمارا نام بھی لکھ لے۔

سورۃ (۵) مائدہ آیت ۵۱:-اے ایمان والو!یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ،وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں،اور جو تم میں سے اس حکم سے روگردانی کرے گا یعنی ان کو دوست بنائے گا تو وہ ان میں سے ہی ہے۔بے شک اللہ کا قانون ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۵۷:-اے ایمان والو!جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں،ان کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے،دوست نہ بناؤ اور مومن ہو تو اللہ کے اس حکم کی خلاف ورزی سے ڈرتے رہو۔

نوٹ:-اللہ نے یہود اور نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع کیا ہے،جو حق ہے۔مگر افسوس ہمارے عالم ان سے شادی کرنے کو جائز بتارہے ہیں۔جبکہ رشتہ داری کا بندھن تو دوستی سے بھی اہم ہوتا ہے،دوست تو باہر ہی رہے گا مگر رشتہ دار تو گھر کے اندر جائے گا،اور اس کی لڑکی جو گھر کے اندر ہے (سیاسی نقطۂ نظر سے)،جو زیادہ تر رازوں سے واقف ہے،وہ ہر راز اپنی قوم تک پہنچادے گی (ایک مثال فلسطینی رہنما یاسر عرفات کی ہے،جس کی بیوی یہودی تھی اور اسے زہر دے کر مارا گیا)۔اسلئے اہل کتاب کافر سے شادی حرام ہے۔

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۷۲:-وہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح 'اللہ' ہیں،حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے،اے بنی اسرائیل!اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔جو شخص اللہ

کے ساتھ شرک کرے گا،اللہ اس پر جنت کو حرام کردے گا،اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۷۳:-وہ لوگ بھی کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔حالانکہ وہ اللہ تین میں کا تیسرا نہیں اکیلا ہے۔اللہ یقیناً اکیلا ہے۔اور سنو!اگر وہ لوگ ایسے قول سے باز نہیں آئے،توان میں سے جو لوگ کافر ہوتے ہیں،وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔

سورۃ القصص (۲۸) آیت ۵۱:-اور ہم پے درپے ان لوگوں کے لئے اپنا کلام بھیجتے رہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

سورۃ القصص (۲۸) آیت ۵۲:-جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی ان میں کے ایمان دار اس پر ایمان لے آتے ہیں۔

سورۃ القصص (۲۸) آیت ۵۲:-اور جب یہ قرآن ان کو سنایا جاتا ہے جو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لے آئے،بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے اور ہم پہلے ہی سے مسلم ہیں۔

سورۃ توبہ (۹) آیت ۳۰:-یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے،اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔یہ ان کی باتیں صرف منہ سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ان سے پہلے کافروں نے جیسی باتیں کی تھیں وہ لوگ ان کی نقل کررہے ہیں،ان کو اللہ ہلاک کرے،وہ کہاں بہکے جارہے ہیں۔

سورۃ توبہ (۹) آیت ۳۱:-انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے ساتھ رب بنا رکھا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی (رب بنا رکھا ہے)۔

سورۃ نور (۲۴) آیت ۳:-بدکار مرد تو بدکار یا مشرک عورتوں کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت بھی بدکار مرد یا مشرک مرد کے سوا نکاح نہیں کرتی اور یہ مومنوں پر حرام ہے۔

سورۃ الممتحنۃ (۶۰) آیت ۱۰:-مسلمانو!جو مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آجائیں ان (کے ایمان) کی جانچ کرلیا کرو (یوں تو) ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے تا ہم تمہارے لئے ضروری ہے،ان کا امتحان کرلو،اس لئے معلوم ہوجائے کہ انہوں نے گناہوں سے بھی ہجرت یعنی توبہ کرلی ہے یا وہ مومن کے پردے میں منافق ہیں؟

آیات بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ اہل کتاب مومن عورت سے نکاح ہوسکتا ہے۔اور یہ بھی وضاحت

ہے کہ مشرک وکافر عورت سے نکاح حرام ہے،وہ اس لئے کہ کافر ومشرک ہمیشہ مومنوں کے دشمن رہتے ہیں اور ہر طرح کا نقصان پہنچانا چاہتے ہیں،یہاں تک کہ ایمان سے بھی دور کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اور اگر وہ پاس رہتے ہیں تو جاسوسی کر کے ہر طرح کا نقصان کرتے ہیں،اس لئے نکاح اور دوستی میں ملاپ بڑا سوچ سمجھ کر کرنا ہے۔اللہ نے ہر طرح کی نصیحت قرآن میں دے دی ہے،ادھر آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کافر ومشرک ہیں کیونکہ وہ عیسیٰ اور عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا اور اللہ (نعوذ) مانتے ہیں اور یہ بھی آیات میں بتایا گیا ہے کہ جو عورتیں مومن ہجرت کر کے آئیں ان کا امتحان کرلو۔جب مومن عورتوں کا بھی امتحان ہونا ہےتو مشرک اور کافر کو بغیر امتحان کے کیسے نکاح میں لایا جاسکتا ہے؟ جبکہ ان سے نکاح ہی حرام ہے۔نکاح اس وقت ہوسکتا ہے جب ایمان لے آئیں،اور ایمان کی کسوٹی پر پوری اتر جائیں۔کیونکہ عورت مرد کی ہمراز ہوتی ہے۔اگر وہ کافر ومشرک ہوں گی تو ان کی ہمدردی کافر ومشرک قوم کے ساتھ ہوگی اور وہ سب راز کی باتیں اپنی قوم کو پہنچادیں گی۔اس لئے ان سے نکاح ہر قیمت پر حرام ہے۔اور یہ بھی کہا ہے کہ جو ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔اور اس کے اعمال برباد ہو جائیں گے۔جو کہ بڑا خسارہ ہے۔

جس آیت میں اہل کتاب کی عورتیں اور کھانا حلال بتایا گیا ہے ان اہل کتاب کی تعریف قرآن کی آیات سے ظاہر ہو رہی ہے،یعنی یہ کہ وہ ایسے ایمان دار اہل کتاب ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن کی آیات پڑھ کر نصیحت کی جاتی ہےتو فوراً ان کو قبول کر کے سجدے میں گر جاتے ہیں،یعنی مسلم ہو جاتے ہیں۔کیونکہ وہ پہلے سے ہی مومن تھے۔ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے۔اور جب وہ مسلمان ہو چکے تو ان کے لئے مسلم عورتیں بھی حلال ہیں۔لیکن اس کے خلاف ہر زمانہ میں مسلم حکمرانوں نے غیر مسلم عورتوں کو جو کافر اور مشرک اہل کتاب تھیں،کو اپنے حرم میں جگہ دی۔ان کو اپنے مذہب پر رہتے ہوئے جو اللہ کے قانون کے خلاف ہے۔اور ایسا کرنے پر جو نقصان بتائے ہیں وہ ان عورتوں کی وجہ سے ہوتے رہے ہیں،اور مسلم طاقت و معاشرہ کمزور ہوتا رہا ہے،اور دین میں ایسا بگاڑ آگیا کہ اب اس کا علاج ہونا مشکل ہو رہا ہے،اور یہاں تک بگاڑ آگیا کہ مسلم عورتیں بھی بلا روک ٹوک غیر مسلموں سے شادی کر رہی ہیں۔مرد تو پہلے سے ہی کر رہے تھے عورتیں بھی اس دوڑ میں شامل ہوگئیں۔اس طرح بظاہر عملی زندگی میں اسلام بے دخل نظر آرہا ہے۔تاہم پھر بھی ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ ہم مسلم مومن ہیں اور دوسرے کافر۔لیکن یہ قول غلط ہے۔حقیقت میں قرآن کے خلاف کام کرنے والا ہر آدمی کافر،ظالم،فاسق ہے،چاہے زبان سے کچھ بھی کہتا ہو،زبانی دعویٰ سے مسلم مومن نہیں ہوتا۔بلکہ

قرآن کے مطابق عمل کرنے سے مسلم مومن ہوتا ہے۔اور مومن کے عمل کو ہی اللہ قبول کرتا ہے۔زبانی دعویٰ کو اللہ قبول نہیں کرتا۔ایسے دعوے کو تو اللہ نے مسترد کر دیا ہے۔اس آیت کے تحت جس میں کہا گیا ہے کہ:-

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۶۲:-کوئی یہ کہے کہ میں مسلم ہوں،عیسائی ہوں،یہودی ہوں،ستارہ پرست ہوں،ایسے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا جب تک کہ انسان اللہ پر،روز آخرت پر،یعنی اللہ کی کتاب پر (اور محمدﷺ پر) ایمان لاکر اس پر عمل نہ کرے گا وہ مومن نہیں ہے۔

زبان سے چاہے کوئی اپنے کو مومن کہے،زبانی دعویٰ کی کوئی اہمیت نہیں۔اہمیت قرآن کے مطابق عمل کی ہے۔اس لئے غیر مسلم اہل کتاب سے جو نکاح جائز کیا گیا ہے،وہ حرام ہے۔نہیں کرنا چاہئے۔جس سورۃ مائدہ کی آیت ۵ سے اہل کتاب عورت سے نکاح جائز بتایا گیا ہے،اس میں صاف نظر آرہا ہے کہ وہ عورت پاک دامن مومن ہونا چاہئے۔ یہ ایک کسوٹی ہے۔فقیہ،مولوی،مفتی کسوٹی نہیں ہے،اگر وہ مومن ہے تو نکاح ہوسکتا ہے،کافر ہےتو نہیں۔اللہ نے اہل کتاب یہودی و عیسائی کو کافر ومشرک کہا ہے۔تو پھر کس قانون سے مسلم علماء نے ان سے شادی کو جائز کر رکھا ہے؟ یہ تو خلاف اسلام ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ ایسی غیر مسلم عورتوں کی اولاد کو ولی عہد مقرر کیا گیا،اور پھر امیر ہونے کے معاملہ میں کافی تنازع رہا ہے،جس سے مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوتی رہی ہے،کیونکہ ان اولادوں اور عورتوں کی ہمدردیاں اپنے ننہال اور میکہ سے وابستہ رہتی ہیں۔اس لئے وہی قانون قابل عمل وعقیدہ ہے جو اللہ کی کتاب میں ہے۔باقی باطل ہے۔اس لئے اہل کتاب ومشرک وکافر مرد وعورت سے نکاح حرام ہے۔ اور اللہ کے قانون کی صریح خلاف ورزی ہے۔

(۲۴)

ماملکت ایمان

فقہ اور ترجمہ روایات کی اصطلاح میں ماملکت کو 'ہاتھ کا میل' ''لونڈی'' ''کنیز'' لکھا گیا ہے اور اس سے بلا نکاح مباشرت جائز بتائی گئی اور اس (مباشرت) کو کرتے ہوئے محمد ﷺ کو بھی لکھا گیا ہے کہ ان کے حرم میں تین، چار کنیزیں (لونڈی) تھیں، جن سے آپ کا تعلق بغیر نکاح کے مباشرت کا تھا (نعوذ باللہ) ان سے اولاد بھی پیدا ہوئی۔ لکھا ہے، کہ ماریہ قبطیہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا مگر وہ بچپن میں ہی انتقال کر گیا۔ اس اصطلاح اور مفروضہ عمل کو جواز بنا کر ہر زمانہ میں امراء نے بغیر نکاح کے کنیزوں کی ایک فوج اپنے حرم میں رکھی اور ان کنیزوں سے اولاد بھی پیدا ہوتی رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل کتاب مشرک و کافر عورتیں بھی ان کے حرم میں رہی ہیں، اور ان کی اولادوں کو ولی عہد بھی بنایا گیا، جو بعد میں امیر و خلیفہ بھی ہوئے۔ امیر، خلیفہ بننے میں جنگ و جدل کی بھی نوبت آتی رہی ہے۔ جس کی وجہ سے حکومت اسلامیہ آئے دن کمزور ہوتی رہی اور آج یہ حالت ہے کہ ۵۸ مسلم ممالک ہونے کے باوجود اس قوم کی دنیا میں کوئی گنتی نہیں ہے۔ ذلت کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ بلکہ اس حد سے بھی آگے پہنچ گئی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کسی اور قوم کی ایسی مثال نظر نہیں آتی کہ ۵۸ حکومتیں اور تقریباً ایک ارب ساٹھ کروڑ کی آبادی ہوتے ہوئے ایسا ہوا ہو۔ اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی یہ قوم اپنی حالت بدلنے کو تیار نہیں ہے، اور فقہ میں درج قانون کو ہی مان رہی ہے۔ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ قرآن میں یہ لکھا ہے تو جواب وہی آیا 'آباء پرستی، علماء پرستی' یعنی کھلا شرک۔

کہتے ہیں کہ کیا وہ امام بزرگ جاہل تھے؟ ان کا بنایا ہوا ہر ایک قانون، قرآن و سنت کے مطابق ہے، اور حق ہے۔ جب کہ ہر ایک فقہ مختلف ہے۔ غور کرنے والی بات یہ ہے کہ قرآن کے قانون میں کس طرح اختلاف ہو سکتا ہے؟

اسی لئے رائج الوقت فقہی قوانین یکسر قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ اب دیکھا جائے کہ ماملکت ایمان کیا ہے؟ اور کس سے نکاح ہو سکتا ہے، کس سے نہیں؟ کیا بغیر نکاح کے کسی عورت سے مباشرت جائز ہے؟

اور کیا غلام کنیز بنانے کی اجازت ہے؟ جوابات ملاحظہ ہوں:-

سورۃ محمد (۴۷) آیت ۴:- تو جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو تو گردنیں مارنا، یعنی کاٹنا ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو جائیں، مخالفانہ کارروائیاں کرنے کی طاقت ختم ہو جائے، وہ ایسی حالت میں ہو جائیں کہ اپنے ہتھیار ڈال دیں۔ یعنی جنگ بند ہو جائے تو ان کو گرفتار کر لو۔ امن ہونے کی حالت میں معاہدہ امن ہو جائے تو ان قیدیوں کو (اپنے قیدیوں کے بدلے میں) چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو اور اگر کسی پر رقم نہیں ہے تو رحم کر کے چھوڑ دو، (ہر حال میں قیدیوں کو رہائی ملنی ہے) اور اگر اللہ چاہتا تو آپ ہی بدلہ لے لیتا۔ مگر یہ آپس میں جنگ اس لئے ہوتی ہے کہ ایک دوسرے سے جانچے جاؤ کہ کون مومن ہے اور کون منافق۔ جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے مارے جائیں گے اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہیں کرے گا۔

مندرجہ بالا آیات میں صاف ہے کہ ہر حالت میں جنگی قیدیوں کو رہا کیا جانا چاہئے فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ کے رحم کے ساتھ، یا قیدیوں کے بدلے میں قیدی۔ تو پھر غلام یا کنیز بنانے کا سوال کہاں سے آ گیا؟ اور وہ بھی بغیر نکاح کے کنیز کے ساتھ مباشرت؟ یہ تو قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن کا حکم صاف ہے کہ کسی بھی عورت سے مباشرت نکاح کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ ہاں جن عورتوں کو اللہ نے نکاح کے لئے حرام قرار دیا ہے، ان سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس حکم کے ہوتے ہوئے محمد ﷺ اور دوسرے مومن صحابہ اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ مگر افسوس صد افسوس تاریخ میں لکھا ملتا ہے کہ محمد ﷺ نے اور ان کے صحابہ نے اور ان کے بعد خلفاء اور دوسرے مسلمانوں نے غلام اور کنیز آپس میں تقسیم کئے۔ اور غلاموں سے خدمت لی اور عورتوں سے بغیر نکاح مباشرت کی، کیا اس خلاف قرآن عمل کو محمد ﷺ اور دوسرے مومن صحابہ یا خلفاء راشدین کر سکتے تھے؟ جیسا کہ لکھا ملتا ہے کہ غلام کنیز بنانے کا کام جاری رہا۔ ہرگز نہیں! ان حضرات نے یہ غلام کنیزیں بنانے کا کام نہیں کیا، اور نہ ہی اللہ اور رسولؐ نے اس کام کی اجازت دی۔

لیکن اس کے باوجود آج بھی ڈھکے چھپے یہ کام جاری ہے، وہ الگ بات ہے کہ موجودہ زمانہ میں حقوق انسانی کے خلاف آواز اٹھانے والی تنظیموں کی وجہ سے کھل کے عام آدمی یہ کام نہیں کر پا رہا ہے۔ ورنہ دیکھا جائے تو اس زمانے کے مسلم اور غیر مسلم امراء و رؤساء، جن تک قانون کی پہنچ نہیں ہے، اس کام کو کر رہے ہیں (ہر آدمی اور مسلم حکومتوں کے سربراہان) ان کے حرم میں غلام کنیز موجود ہیں، اور ان میں عورتوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ جن میں بیشتر یہودی اور عیسائی عورتیں ہیں (واضح ہو کہ مغرب عیاشی کا ایک بہت بڑا اڈا ہے

) جنہوں نے مسلم حکمرانوں اور غیر مسلم امیروں کو اپنی مٹھی میں جکڑ رکھا ہے اور امریکہ و اسرائیل کھل کے اپنا کھیل ان لوگوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں، جن سے ان کو کام لینا ہے۔ یاسر عرفات جو فلسطین کا ایک بڑا لیڈر تھا، اس کی بیوی یہودی تھی، مسلمان اس کو حرام بھی نہیں سمجھتا۔ اب بھی یہی رٹ ہے کہ غلام کنیز بنانا جائز ہے اور کنیز سے بغیر نکاح مباشرت بھی۔ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ قرآن کس حد تک ہماری رہنمائی کر رہا ہے:-

سورۃ نساء (۴) آیت ۲۲:- اور جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا۔ مگر جاہلیت میں جو ہو چکا سو ہو چکا۔

نوٹ:- یہ نہایت بے حیائی اور ناخوشی کی بات تھی۔ اور بہت بُرا دستور تھا۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۲۳:- مسلمانو! تم پر حرام کر دی گئیں تمہاری مائیں (ماں باپ کی مائیں) بیٹیاں (بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں) تمہاری بہن، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں، تمہاری بھانجیاں، تمہاری دودھ پلانے والی مائیں، دودھ شریک بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں، تمہاری بیویوں کی لڑکیاں، جنہوں نے تمہارے یہاں پرورش پائی ہے، اگر تم نے ان بیویوں سے مباشرت کی ہو۔ ہاں اگر مباشرت نہ کی ہو تو ان سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں، اور دو بہنوں سے اکٹھا نکاح کرنا بھی تم پر حرام ہے (اس سے پہلے) جو ہو چکا، سو ہو چکا۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۲۴:- اور شادی شدہ عورتوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، سوائے ان شادی شدہ نو مسلم ماملکت عورتوں کے جو مسلمان ہو کر تمہاری ملکیت یعنی تمہاری حفاظت میں آ جائیں۔ بھلے ہی ان کے شوہر پیچھے موجود ہوں (مگر ان کا امتحان کر لو۔ دیکھو سورۃ ۶۰:۱۰) اور ان سے نکاح کر لو۔ یہ اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے۔ اور لکھ دیا ہے۔ مذکورہ بالا عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں شرط یہ ہے کہ تم ان سے نکاح کی طلب اپنے مالوں کے ساتھ کرو، اور غرضِ نکاح عمر بھر نکاح میں رہنا ہو، نہ کہ صرف شہوت رانی (یعنی متعہ کرنا)، یہ حرام ہے۔ پھر ان عورتوں سے جن سے نکاح کا فائدہ اٹھاؤ، تو ان کے مہر جو مقرر کئے گئے ہوں انہیں دے دیا کرو، اور اس امر میں تم پر کوئی حرج نہیں کہ مہر مقرر ہو چکنے کے بعد کسی بات پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ، (یعنی کچھ رقم تمہاری بیویاں تمہیں اپنی مرضی سے واپس کر دیں یا تم کچھ اور بڑھا دو) بے شک اللہ سب سے بڑھ کر جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۲۵:- اور جو کوئی تم میں سے اس چیز کی طاقت نہ رکھے کہ وہ نکاح کرے خاندانی آزاد عورتوں سے تو وہ کافر معاشرے سے آئی ہوئی نو مسلمہ خاتون (ماملکت ایمان) سے جو تمہاری حفاظت میں ہوں اور نکاح کے لائق ہوں، مومنہ عورتوں سے نکاح کرے (جن کا امتحان ہو چکا ہو)، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، پھر تم کافر معاشرے سے آئی ہوئی نو مسلمہ (ماملکت ایمان) عورتوں کے ساتھ ان کے مالکوں کی رضامندی (یعنی شعبہ کے حاکم کی رضامندی) کے ساتھ نکاح کر لو، اور ان کے مہر معروف طریقہ سے ادا کرنا۔ وہ نکاح دائم میں رکھی جانے والی ہوں نہ کہ مستی کرنے والی، اور نہ چھپی یاری کرنے والی۔ پھر جب وہ نکاح کر لیں اور اس کے بعد بے حیائی کریں تو ان کے لئے اس سزا سے نصف سزا مقرر کی جاتی ہے، جو خاندانی آزاد شریف عورتوں کے لئے مقرر ہے، یہ حکم تم میں سے اس کے لئے ہے، جسے جنسی بے راہ روی کا اندیشہ ہو، اور اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے، اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

آیات بالا کی روشنی میں یہ دیکھا جائے کہ کیا ''ماملکت ایمان'' یا ''ماملکت یمین'' سے مراد لونڈی غلام یا ہاتھ کا میل ہے؟ ان الفاظ کا مطلب لونڈی غلام یا ہاتھ کا میل نہیں ہے، بلکہ اس مفہوم سے تو اس اصطلاح کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ لونڈی غلام کا تصور قرآن کے صد فیصد خلاف ہے۔ معاشرے میں لونڈی غلام کی درآمد کے صرف دو راستے ہیں۔ پہلا یہ کہ غنڈے لوگ بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں اور ان کو بیچ دیتے ہیں۔ وہ بچے لونڈی غلاموں کی جگہ پر کام کرتے رہے ہیں۔ دوسرا راستہ ہے جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنانے کا، لیکن قرآن نے دونوں راستوں کو بند کر دیا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۷۰:- اور ہم نے عزت دی، آدم کی اولاد کو۔

نوٹ:- اللہ نے جس کو عزت دی ہو اس کو ذلیل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لئے اسلام کے نقطہ نظر سے یہ راستہ بھی بند ہو گیا۔

سورۃ محمد (۴۷) آیت ۴:- پس جب تمہاری ان کافروں سے مڈبھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے، یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو، تب قیدیوں کو مضبوط باندھ لو۔ اس کے بعد جب لڑائی بند ہو جائے یعنی فریق مخالف اپنے ہتھیار ڈال دے اور معاہدہ امن کر لے تو تمہیں اختیار ہے کہ قیدیوں کو احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر (یا اپنے قیدیوں کے بدلے میں چھوڑ دو)۔

یہ ہے قرآن کا حکم جنگی قیدیوں کے لئے یعنی ان کو ہر حالت میں رہائی ملنی ہے ۔اس مسئلہ کو دوسرے پہلو سے دیکھا جائے ، جیسا مروجہ فرضی تاریخ سے ثابت ہو رہا ہے کہ مسلم اقتدار کے دور میں جو محمد ﷺ سے شروع ہوتا ہے اور خلافت کے خاتمہ تک نظر آتا ہے، میں جنگی قیدیوں کو تقسیم کیا گیا اور ان کو لونڈی غلام کی حیثیت سے رکھا گیا اور لونڈیوں سے بغیر نکاح مباشرت بھی ہوتی رہی اگر اس کو درست مان لیا جائے تو جو حق مسلمان اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں وہ دوسروں کو بھی دینا ہوگا، یعنی دوسرے فریق کے پاس بھی مسلم مرد عورت قیدی ہو سکتے ہیں، ایسی حالت میں جب مسلمان قیدیوں کو آپس میں مال غنیمت کے طور پر تقسیم کر کے لونڈی غلام بناتے ہیں تو فریق ثانی بھی یہی عمل کرے گا ۔اور مسلم عورتوں سے وہ مباشرت کرے گا، اور بے عزت کرے گا، کیا مسلمان یا کوئی بھی غیرت مند قوم اس امر کو برداشت کرے گی؟ شاید نہیں !تو پھر محمد ﷺ اور خلفاء راشدین اس کام کو کیسے کر سکتے تھے؟ انہوں نے یہ غلط کام نہیں کیا ۔بعد میں نفس پرستوں نے اس کام کو جاری کر دیا اور غضب یہ کیا کہ اس کو محمد ﷺ سے منسوب کر دیا، یہ منسوب کرنا محمد ﷺ اور اسلام کی کردار کشی ہے جس کی سزا ملنی چاہئے ،اور مل رہی ہے کہ آج مسلم قوم ذلیل وخوار ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا ۔قرآن کے حکم کے مطابق امن ہونے پر قیدیوں کو رہا کیا ۔ہاں جنگ جاری رہنے تک وہ قیدی قید میں رہیں گے اور عزت کے ساتھ رہیں گے، ان کو ذلیل نہیں کیا جائے گا (تاریخ گواہ ہے کہ قیدیوں سے اس حسن سلوک کی وجہ سے بھی اسلام کے خلاف نفرت، محبت میں تبدیل ہوئی، اور بے شمار بے دینوں نے اسلام کے خلاف لڑنے کے باوجود اسلام قبول کیا اور اسلام کے سچے خادم بنے ۔

قرآن کی ایک اور آیت کا مفہوم لکھا جا رہا ہے جس میں یہ ہے کہ تم کسی کے معبودوں کو برا نہ کہو ۔اگر کہو گے تو بدلے میں وہ اللہ کو برا کہیں گے ۔(سورۃ انعام (۶) آیت ۱۰۸) ایسے ہی محمد ﷺ نے کہا کہ وہ شخص بڑا بد بخت ہے جو اپنے والدین کو گالی دے ۔صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ !ایسا تو کوئی بھی نہ کرے گا ۔تو محمد ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے والدین کو برا بھلا کہے گا تو بدلے میں وہ آدمی اس کے والدین کو برا بھلا کہیگا ۔

دیکھئے اللہ اور اس کے رسول کی کیسی اچھی تعلیم ہے، اس تعلیم کے ہوتے ہوئے محمد ﷺ یا دوسرے مسلمان کیسے ایسے عمل کر سکتے تھے جن کی اجازت قرآن نہیں دے رہا ۔بلکہ سختی کے ساتھ منع کر رہا ہے ۔غلط عمل

ان کے ساتھ منسوب کرنا ان کی سیرت کو داغ دار کرنا ہے، اس پر غور کرنا بہت ضروری ہے ۔

ماملکت کیا ہے؟ وہ لکھا جا رہا ہے :-

سورۃ محمد کی آیت ۴ میں درج ہے کہ جب تم قیدی باندھ لو اور لڑائی ختم ہو جائے اور امن ہو جائے تو ان قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دو یا جن پر فدیہ کی رقم نہیں ہے ان کو احسان کر کے چھوڑ دو یا اپنے قیدیوں سے تبادلہ کر لو ۔گویا ہر حال میں آزاد کرنا ہے ۔اسلام نے غلامی کے رواج کو ختم کیا پھر یہ کنیز اور غلاموں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔مغرب نے ۱۸۰۰ء میں اس مسئلہ پر توجہ دی، جہاں زمانہ قدیم سے غلاموں کا رواج تھا، اب وہاں تقریباً یہ مرض ختم ہو گیا ہے ۔مگر جس قوم کی دینی کتاب میں اس مسئلہ کو ختم کرنے کا حکم دیا ہے، وہ قوم اب بھی غلاموں اور کنیزوں کی حامی ہے ۔یہ ایک شرمناک بات ہے ۔اسلام نے ان کو آزاد کرنے کا ایک اور طریقہ بتایا ہے، جو کفارے کے طور پر عمل میں آتا ہے، ان کے لئے جو پہلے سے غلام چلے آ رہے تھے ۔

مگر قرآن نے تو یہ نوبت بھی نہیں آنے دی اور پہلے ہی آزاد کرنے کو کہا ۔لیکن قرآن کا ایک حکم ہے کہ کفارے میں غلام بھی آزاد کیا جا سکتا ہے اور روزے بھی رکھے جا سکتے ہیں، اور محتاجوں کو کھانا بھی کھلایا جا سکتا ہے، اور کپڑے بھی دئے جا سکتے ہیں ۔اس زمانے میں اگر کوئی یہ کہے کہ غلام کو ہی آزاد کیا جائے گا، تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو قرضدار ہے وہ غلام جیسی زندگی گزار رہا ہوتا ہے ۔اس لئے اس قرض دار کا قرضہ ادا کر کے یا معاف کر کے اسے آزادی دلا دو ۔

بہر حال اللہ نے ہر پہلو کو روشن کیا ہے کہیں جھول نہیں رکھا ۔اور سب سے بڑی بات تو احسان کرنا ہے ۔ان رہا کئے ہوئے مرد یا عورتوں میں سے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو مسلم معاشرے اور تعلیم سے متاثر ہو گئے ہوں اور اسلام قبول کر لیا ہو ۔یا اسلام تو قبول نہ کریں، لیکن کافر معاشرہ میں واپس جانے کو بھی تیار نہ ہوں یا ان کا وہاں کوئی سہارا ہی نہ رہ گیا ہو ۔تو ایسی حالت میں وہ اسلامی حکومت کے زیر نگرانی علاقہ میں رہیں گے اور ان کو حکومت اپنی ولایت یعنی اپنی حفاظت وعہد میں لے لیگی ۔ان میں جو مرد یا عورتیں آپس میں یا پہلے سے رہنے والوں سے نکاح کرنا چاہیں (جو مسلمان ہو جائیں) جیسا کہ سورہ نساء کی آیت ۲۵ میں بتایا گیا ہے تو وہ اس مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی ہیں ۔ایسے ان کا مرد بھی حاکم کی اجازت کے ساتھ، جن کو حکومت نے اس محکمے کا حاکم مقرر کیا ہے نکاح کر سکتا ہے ۔ایسی صورت حال میں بھی صرف ایک نکاح کی اجازت ہے ۔سورۃ نساء کی آیت ۳ میں بھی صرف ایک نکاح کی اجازت ہے ۔عام حالت میں سورۃ نور کی آیت ۳۲ کے ذریعہ بھی ایسی

عورت کو نکاح کی اجازت دی ہے ۔نکاح کے لائق جوان عورت اگر نکاح کرنا چاہے تو تم ان کو نکاح سے مت روکو، کیا تم اپنے دنیاوی فائدے کے لئے ان کو جائز کام سے روکو گے؟ اگر تم ایسا کرو گے تو تم گنہگار ہو گے ۔

یہ ہے ماملکت ایمان کا قرآنی مفہوم ۔یعنی جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہوں یعنی جو تمہاری زیر نگرانی تمہارے میثاق میں ہوں ۔وہ غلام کنیز بن کر نہیں رہیں گے بلکہ آزاد ہوں گے ۔صرف حکومت کی دیکھ بھال ہوگی تا کہ ان کو کوئی پریشان نہ کرے، اور جب ان کا امتحان ہو جائے اور وہ اپنے کو وفادار ثابت کر دیں تو پھر وہ برابر کے شہری ہوں گے، وہ ماملکت نہیں رہیں گے ۔ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو سب کے ہیں ۔اور ان کو ایک شناختی کارڈ دیا جائے گا کہ یہ اب اس ملک کے شہری ہیں ۔فرق اگر ہوگا تو صرف عمل سے ہوگا ۔سورۃ نساء کی آیت ۲۵، سورۃ مومنون کی آیات ۵-۶-۷، سورۃ معارج کی آیات ۲۹-۳۰-۳۱ کے مطابق بغیر نکاح کنیز سے مباشرت کرنا حرام ہے ۔آیات میں کہا گیا ہے کہ نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہاری حفاظت میں ہوں، یعنی ماملکت ایمان اور قائدے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو (سورۃ نساء آیت ۲۵) ۔

مگر نفس پرستوں نے انہیں کنیز کا نام دے دیا ہے اور نکاح سے انکار کیا ہے اور ظلم یہ بھی کیا ہے کہ محمد ﷺ کو بھی اس خلاف قرآن عمل میں شامل کر لیا؟ یہاں تک کہ ان کنیزوں سے آپؐ کے بچے بھی ثابت کئے (نعوذ باللہ) ۔اگر بغیر نکاح کے کنیز سے مباشرت کی اجازت ہوتی تو سورۃ نساء کی آیت ۲۵ میں یہ قید نہ ہوتی کہ اگر تم کو خاندانی آزاد عورت نہ ملے تو ماملکت ایمان سے نکاح کرو، حاکم کی اجازت سے ان کے مہروں کے ساتھ ۔بلکہ کہا یہ جاتا کہ اگر خاندانی آزاد عورت نہ ملے تو ماملکت ایمان سے ہی بغیر نکاح کے اپنی خواہش پوری کر لو ۔جب کہ آیت میں نکاح کی شرط ہے ۔

اس سے ثابت ہوا کہ بغیر نکاح مباشرت نا جائز ہے، حرام ہے ۔اسلام میں غلام کنیز کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔اگر گھریلو کام کاج کے لئے کوئی عورت رکھی جائے گی تو وہ ملازمہ ہوگی نہ کہ کنیز اور اس سے مباشرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ہر مسئلہ پر غور کرنا چاہئے قرآن کی روشنی میں ۔نہ کہ کسی روایت یا تاریخ کی کتابوں سے ۔ماملکت ایمان کا معنی ہے، وہ چیز ،جس کے مالک ہوئے تمہارے داہنے ہاتھ، یعنی جو تمہاری حفاظت میں ہو ۔

ماملکت کے تین مفہوم پیش ہیں :-

(۱) زمانہ نزول قرآن سے پہلے جو خریدے ہوئے مرد وعورت تھے، وہ مملوک کی حیثیت سے رہ رہے تھے اور

ان میں جو عورتیں تھیں، ان سے جنسی تعلقات قائم کئے جاتے تھے ۔رواج زمانہ کے مطابق قرآن نے ان کو توڑا نہیں، کیونکہ اکثر ان میں اولاد والی تھیں ۔بلکہ اسلام نے یہ کیا کہ ان کے نکاح انہیں آدمیوں سے کرا دیے اور ان کو بیوی کے حقوق عطا کئے ۔سورۃ نساء کی آیت ۳ میں ہنگامی حالات کے لئے چار نکاح تک کی اجازت کے ساتھ ۔اور پھر کہا کہ اگر تم کو خوف ہو کہ انصاف نہ ہو سکے گا تو صرف ایک خاندانی آزاد یا ایک ماملکت ایمان سے نکاح کرو ۔اسلام نے خرید کر غلام بنانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ خرید کر آزاد کرنے کا حکم دیا ہے (سورۃ مائدہ آیت ۵۹) ۔

(۲) دوسرے نمبر پر ماملکت ایمان سے قرآن میں وہ عورتیں مراد ہیں، جو غیر اسلامی معاشرے سے مسلمان ہو کر اور ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس آ جائیں ۔اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے سورۃ نساء کی آیات ۲۳-۲۴ پر غور کرنا ضروری ہے ۔جس میں ان عورتوں کی فہرست ہے، جن سے نکاح نہیں ہو سکتا، جن میں شوہر والی عورت بھی ہے ۔مگر شوہر والی ان عورتوں سے نکاح جائز ہے، جو ماملکت ایمان میں ہوں ۔یہ وہ عورتیں ہیں ، جو کافر معاشرے میں شوہر رکھتی ہیں، لیکن مسلمان ہو گئیں اور ہجرت کر کے مسلم معاشرہ میں آ جائیں اور ان کو حفاظت میں رکھا جائے گا ۔وہ آزاد نہیں پھریں گی ۔ایسی عورتوں کے لئے قرآن کی سورۃ الممتحنہ کی آیت ۱۰ میں حکم ہے کہ ان کا امتحان کر لیا کرو ۔کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جاسوس ہوں ۔جب ان کا امتحان ہو جائے اور وہ ٹھیک ثابت ہوں، تو ان سے نکاح کر سکتے ہو، نکاح کی اجازت ہے ۔سورۃ نساء کی آیت ۲۵ میں دیے گئے قائدے کے مطابق بغیر نکاح کے مباشرت جائز نہیں ہے ۔رائج فقہوں میں ماملکت ایمان سے بغیر نکاح جنسی تعلق قائم کرنے کا جو تصور دیا گیا ہے، وہ نہ صرف غلط ہے، بلکہ اس سے اسلام قرآن اور محمد ﷺ کی عظمت داغ دار ہوتی ہے ۔

(۳) ماملکت ایمان سے قرآن میں وہ ملازم مراد لئے ہیں، جو اجرت پر کام کاج کرتے ہیں ۔

سورۃ النحل (؟) آیت ۷۱ :- اللہ نے تم میں سے بعض کو روزی میں فضیلت بخشی ہے (کوئی امیر ہے کوئی غریب) پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جن لوگوں کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنے ساتھیوں کو (ملازم، ماملکت ایمان کو) ان کا حصہ لوٹا دیں جو کہ معلوم ہے، جس سے سب اس روزی میں برابری کریں (وہ یہ سوچیں کہ ہمارے پاس بھی کچھ رقم ہے ۔یہ ہے برابری) تو کیا وہ لوگ اللہ کی ان نعمتوں کے منکر ہیں؟

سورۃ روم (۳۰) آیت ۲۸ :- وہ تمہیں سمجھانے کے لئے خود تمہارے اپنے حالات کی ایک مثال بیان فرماتا

ہے کہ بھلا جو ملازم تمہارے پاس کام کرتے ہیں وہ اس مال میں، جو ہم نے تمہیں دیا ہے کیا وہ تمہارے شریک ہیں؟ کہ تم سب برابر ہو جاؤ۔ اور کیا تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے ہو؟ (یعنی برابر والوں سے) اس طرح ہم عقل والوں کے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں بھی ماملکت ایمان کو بتا دیا ہے کہ ماملکت ایمان کیا ہے؟ ماملکت وہ ہیں جو اجرت پر کام کرتے ہیں۔

ماملکت کے ان تینوں مفہوم سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ماملکت ایمان سے بغیر نکاح کے مباشرت ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں! بغیر نکاح مباشرت جائز کرنے والوں کو اللہ کے حضور جانے اور اس کی پکڑ کا خوف ہونا چاہئے کہ حشر میں کیا جواب دیں گے؟ اس لئے ماملکت سے نکاح تو ہو سکتا ہے، مگر بغیر نکاح مباشرت حرام ہے۔ جو اس کام کو کر رہے ہیں یا جائز بتا رہے ہیں وہ قرآن کے کھلے مخالف ہیں۔ تراجم، تفاسیر اور روایات میں جو اس کام کو جائز کہا گیا ہے وہ صریح غلط ہے۔

(٢٥)

روایات

آخیر میں کچھ روایات بھی درج کی جا رہی ہیں ملاحظہ ہو:-

بخاری، جلد اول، کتاب الاعتکاف، باب ٢٦٦ حائضہ کا معتکف ہونا، حدیث نمبر ١٩٠٠ صفحہ ٢٣٧:- سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ آپ کی زوجہ نے حالت حیض میں اعتکاف کیا اور وہ سرخی اور زردی دیکھتی تھیں، ہم اکثر ان کے نیچے ایک تھال رکھ دیتیں اور وہ نماز ادا کرتیں۔

بخاری، جلد اول، کتاب الوضوء، باب ١٥٨ کھڑے ہونے اور بیٹھ کر پیشاب کرنا، حدیث ٢٢١ صفحہ ١٧٧:- حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی قوم کی کوڑی (جہاں کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا ہے) پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا، پھر پانی منگایا، میں پانی لایا اور آپؐ نے وضو کیا۔

بخاری، جلد اول، کتاب الحیض، باب ٢٠٧ مباشرۃ الحائض، حائضہ عورت سے مباشرت کرنا، حدیث ٢٩٢ صفحہ ١٩٧:- سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور میں ایک ہی برتن سے نہاتے تھے۔ جب ہم دونوں حالت

جنابت میں ہوتے اور حالت حیض میں مجھ سے فرماتے (ازار باندھ لے) تو میں ازار باندھ لیتی اور مجھ سے اختلاط کرتے (فیباشرنی وانا حائض) اور کبھی حالت اعتکاف میں اپنا سر میری طرف نکال دیتے تو اسے دھو دیتی، حالانکہ میں حالت حیض میں ہوتی۔

<u>بخاری، جلد اول، کتاب الحیض، باب ٢٠٧ مباشرۃ الحائض، حائضہ عورت سے مباشرت کرنا، حدیث ٢٩٢ صفحہ ١٩٣:</u>- سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے جب کسی کو حیض آتا، اور رسول اللہ ﷺ مباشرت کرنا چاہتے تو اس کو ازار باندھنے کا حکم دیتے، اس پر حیض کا غلبہ ہوتا۔ ازار باندھنے کے بعد آپؐ مباشرت فرماتے۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں تم میں سے کوئی اپنی خواہش پر قابو نہیں رکھتا، جس قدر رسول اللہ ﷺ کو اپنی خواہش پر کنٹرول تھا۔

نوٹ:- جب خواہش پر بہت کنٹرول تھا، تو پھر مباشرت کیوں؟ قرآن کہتا ہے کہ جب عورت کو حیض آئے تو اس کے قریب نہ ہونا۔ یہ حکم ہے۔ تو پھر محمد ﷺ مباشرت کر سکتے تھے یا اختلاط ہی کر سکتے تھے؟

بخاری، جلد اول، کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث نمبر ٥٠٧ صفحہ ١٧٢:- ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب گرمی کی شدت بڑھ جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔ اور آگ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی۔ میرے پروردگار میرے ایک پہلو نے دوسرے کو کھا لیا، اللہ تعالیٰ نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی، ایک سردی اور ایک گرمی میں، وہی سخت گرمی ہے، جسے تم محسوس کرتے ہو، اور سخت سردی ہے جو تمہیں لگتی ہے۔

بخاری، جلد اول، کتاب الاذان، باب ١٥٤ حدیث ٦٠٨ صفحہ ٢٩٩:- ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (مسجد سے) باہر چلے گئے، حالانکہ اقامت کہی جا چکی تھی اور صفیں درست کی جا چکی تھیں، جب آپؐ واپس آ کر مصلی پر کھڑے ہوئے، ہم انتظار میں تھے کہ آپ تکبیر کہیں گے تو آپؐ (دوبارہ) چلے گئے اور فرمایا یہیں ٹھہرے رہو، ہم کھڑے رہے آپؐ واپس آئے تو آپؐ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپؐ نے غسل کیا تھا۔

بخاری، جلد اول، کتاب الاذان، باب ١٥٤ حدیث ٦٠٨ صفحہ ٣٠٩:- ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نماز کے لئے اقامت کہی جا چکی اور صفیں درست کر لی گئی تھیں، رسول اللہ ﷺ باہر نکلے اور آگے بڑھے تاکہ نماز پڑھائیں) آپؐ حالت جنابت میں تھے (لیکن یاد نہ رہا) فرمایا تم یہیں ٹھہرو، اور چلے گئے) غسل کیا پھر برآمد ہوئے، آپؐ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔

نوٹ:- یا نبیؐ بھول جاتے تھے کہ میں نے مباشرت کی ہے؟ اور مجھے غسل کرنا ہے؟ اور جا کر نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے؟ تب یاد آتا تھا تو واپس جا کر غسل کرتے تھے؟ کبھی ایسا بھی ہوا ہوگا کہ یاد نہ آیا ہوگا اور نماز پڑھا دی ہوگی؟ کیا یہ ممکن ہے؟ ہرگز نہیں! یہ روایات موضوع ہیں۔

<u>بخاری، جلد اول، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ٢٥٢ صفحہ ٥٠٩:- ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ کے پاس ملک الموت کو بھیجا گیا، جب وہ آپؑ کے پاس آیا تو آپؑ نے اسے طمانچہ مارا، اور اس کی آنکھ پھوٹ گئی، وہ اللہ کے پاس گیا اور کہا ــــــــ؟</u>

بخاری، جلد دوم، کتاب بدء الخلق، حدیث نمبر ٣٢٤ صفحہ ١١٢:- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ غروب آفتاب کے وقت نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا؟ کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں عرض گزار ہوا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا بے شک، یہ جا کر عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔ پھر طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت مل جاتی ہے۔ عنقریب ایسا وقت بھی آئے گا کہ وہ سجدہ کرے گا لیکن قبول نہ ہوگا، پھر طلوع ہونے کی اجازت طلب کرے گا لیکن نہیں ملے گی۔ اس سے کہا جائیگا کہ جدھر سے آیا ہے ادھر ہی لوٹ جا۔ تو وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھیراؤ کے لئے، یہ حکم ہے زبردست علم والے کا (سورہ یٰسین آیت ٣٨)''۔

بخاری، جلد دوم، کتاب المغازی، حدیث نمبر ١٤٧٩ صفحہ ٦٥٤:- حضرت بریدہ بن حصیبؓ کا بیان ہے کہ محمد ﷺ نے حضرت علیؓ کو حضرت خالدؓ سے خمس کا مال لینے کے لئے بھیجا، اور میں حضرت علیؓ سے کدورت رکھتا تھا، کیونکہ انہوں نے غسل کیا تھا۔ میں نے حضرت خالدؓ سے بھی اس کا ذکر کیا کہ کیا آپؓ ان کی طرف نہیں دیکھتے؟ جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو میں نے آپؐ کے حضور یہ بات عرض کر دی۔ آپؐ نے فرمایا اے بریدہ! کیا تم علی سے کدورت رکھتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا، علیؓ سے کدورت نہ رکھو، کیونکہ خمس میں ان کا حصہ تو اس سے بھی زیادہ ہے۔

بخاری، جلد دوم، کتاب بدء الخلق، حدیث نمبر ٥٠٠ صفحہ ٢٣٣:- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جادو کر دیا گیا تھا۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ہشام نے میرے لئے خط لکھا کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا اور خوب یاد رکھا اور انہیں حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ پر جادو کیا گیا، جس کے باعث آپؐ یہ سمجھتے کہ میں نے فلاں کام کر لیا ہے، حالانکہ کیا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک روز آپؐ نے اس کے لئے بار بار دعا کی

پھر فرمایا، کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ بات بتا دی ہے، جس میں میری شفا ہے؟ میرے پاس دو آدمی آئے، ایک میرے سر کے پاس آ کھڑا ہوا، اور دوسرا پیروں کی طرف، ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا، انہیں کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے جواب دیا، ان پر جادو کیا گیا ہے، پہلے نے دریافت کیا، جادو کس نے کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا لبید بن عاصم نے۔ پہلے نے پوچھا، کس طرح کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا، کنگھی روئی کے گالے اور نر کھجور کے اوپر والے چھلکے پر۔ پہلے نے سوال کیا، یہ چیزیں کہاں ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا، زروان کے کنویں میں۔ پس نبی کریم ﷺ اس کنویں پر گئے اور واپس تشریف لے آئے۔ واپسی پر آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو بتایا کہ وہاں کی کھجوریں ایسی ہیں، جیسے شیاطین کے سر، حضرت صدیقہؓ نے سوال کیا، آپؐ نے کیا وہ چیز نکلوالیں؟ فرمایا نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے شفایاب کر دیا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ انہیں نکلوانے سے لوگوں میں فساد برپا نہ ہو جائے، اس لئے کنواں ہی بند کروا دیا گیا ہے۔

نوٹ:- قرآن یہ کہتا ہے کہ جو یہ کہتا ہے محمد ﷺ پر جادو کر دیا گیا وہ گمراہ ہے اس کو راہ نہیں ملے گی، دوسری بات یہ کہ عرب کے علاقہ میں پانی کی کمی تھی، پھر اس کنویں کو بند کیوں کیا گیا، جب کہ اور کنواں بنوانا تھا؟

بخاری، جلد سوم، کتاب الطلاق، حدیث نمبر ٢٣٨ صہ ١١٥:- حضرت ابو اسیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ باہر نکلے، یہاں تک کہ ہم ایک باغ میں پہنچے، جس کو شوط کہا جاتا تھا، حتیٰ کہ ہم دو دیواروں کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ پس نبی کریم ﷺ فرمایا کہ یہیں بیٹھے رہنا اور آپؐ داخل ہوئے۔ وہاں جونیہ لائی گئی۔ پس آپؐ ایک کھجور کے گھر میں اترے، جو امیہ بنت نعمان بن شراحیل کا گھر تھا۔ اور اس کے ساتھ اس کی آیا بھی تھی۔ جب نبی کریم ﷺ اس کے پاس داخل ہوئے تو فرمایا 'اپنے آپ کو میرے سپرد کر دو'۔ کہنے لگی کہ کہیں ملکہ بھی اپنے آپ کو کسی بازاری (لــلســـوقة) کے سپرد کر سکتی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ آپؐ نے اپنا دست مبارک بڑھایا تاکہ اس کے سر پر رکھ کر تسکین دیں، لیکن اس نے کہا 'میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں'۔ پس آپؐ نے فرمایا تم نے اس کی پناہ لی ہے جس کی پناہ لی جاتی ہے۔ پھر آپؐ ہمارے پاس باہر تشریف لے آئے اور فرمایا، اے ابو اسید! اس کو رازقی کپڑے کے دو جوڑے دے کر اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔

دوسری روایت میں حضرت سہل بن سعدؓ اور حضرت ابو اسیدؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے امیہ بنت شراحیل سے نکاح کیا، لیکن جب اس کے پاس گئے اور اس کی جانب ہاتھ بڑھایا تو اس نے اسے ناپسند کیا، پس آپؐ نے ابو اسیدؓ کو حکم دیا کہ اسے سامان اور رازقی کپڑے کے دو جوڑے دے دو۔ عبداللہ بن محمدؒ

،ابراہیم بن ابو وزیرؒ،عبدالرحمٰنؒ،حمزہ،ان کے والد ماجد عباس بن سہل بن سعدؓ،حضرت سہل بن سعدؓ اسی طرح روایت کرتے ہیں۔

قرآن میں وصیت کا حکم،لیکن روایت نے اسے منسوخ کیا:-

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۱۸۰:-مسلمانو!تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص محسوس کرے کہ موت کا وقت قریب آ گیا ہے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہے تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے (اگر وہ واقعی ضرورت مند ہوں دوسرے حصہ داروں کے مقابلہ میں تو)معروف طریقہ سے وصیت کرے،یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔

یہ اللہ کا حکم ہے اس پر عمل ہونا چاہئے۔لیکن روایات نے اس آیت کو منسوخ کر دیا ہے ملاحظہ ہو:-

اب تک تو یہ سنا جارہا تھا کہ حدیث قرآن کے مثل ہے،یعنی دونوں ہم پایہ ہیں۔لیکن اب ذرا آگے بڑھئے۔امام اوزاعی کا قول ہے کہ قرآن اس سے زیادہ حدیثوں کا محتاج ہے،جس قدر حدیثیں قرآن کی محتاج ہیں (مختصر جامع البیان العلم،صفحہ ۲۲۳)۔(امام یحیٰ بن کثیر کا قول ہے کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے اور قرآن حدیث پر قاضی نہیں ہے۔یہ بات امام احمد بن حنبلؒ سے کہی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں اتنی جسارت تو نہیں کرسکتا،ہاں یہ کہتا ہوں کہ حدیثیں قرآن کی مفسر ہیں (مختصر جامع البیان العلم صفحہ ۲۲۳)۔یعنی اگر قرآن اور حدیث دونوں متعارض ہوں تو جو فیصلہ حدیث دے اسے قبول کرنا چاہئے،نہ کہ اس فیصلہ کو جو قرآن دے۔حدیث،قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔اتنا ہی نہیں،ان حضرات کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حدیث،قرآن کے حکم کو منسوخ کر سکتی ہے۔علامہ حافظ محمد ایوب مرحوم اپنے کتابچہ ''فتنۂ انکار حدیث میں'' لکھتے ہیں کہ نبیؐ کے قول کے لئے ضروری نہیں کہ وہ قرآن کے مطابق ہو،تب حجت رہے اور مطابق نہ ہو تو حجت نہ رہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے''کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر ن الوصیۃ للوالدین (سورۃ بقرۃ آیت ۱۸۰)تمہارے اوپر والدین کے لئے وصیت فرض ہے۔اگر کسی نے مال چھوڑا ہے،جب کہ اسے موت آئے''۔جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''لا وصیہ للوارث'' وارث کے لئے وصیت نہیں ہے''۔اور تواتر سے ثابت ہے کہ عمل اسی حدیث پر رہا ہے۔یعنی وارث کے لئے وصیت ناجائز قرار دی گئی۔حدیث نے قرآن کو منسوخ کر دیا،اور قول رسول ﷺ قرآن کی آیت کے خلاف،حجت اور موجب عمل

رہا۔صفحہ ۸۵۔

اس روایت سے قرآن کی آیت جو محکم ہے،کو منسوخ کر دیا،اور یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کے علم میں یہ بات نہ آئی کہ یہ آیت غلط دی جارہی ہے۔اس کو راوی یہ کہہ کر منسوخ کر دے گا کہ رسول ﷺ نے اس کو منسوخ کر دیا ہے،جب کہ نبیؐ ایسا قدم ہرگز نہیں اٹھا سکتے تھے،وہ تو اللہ کے حکم کو نافذ کرتے تھے۔اس آیت کے بارے میں جو تفسیر درج ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:-

''وصیت کرنے کا یہ حکم آیت موارث کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا۔اب یہ منسوخ ہے۔نبی ﷺ کا فرمان ہے''ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ، فلا وصیۃ لوارث واخرجہ السنس''۔ بحوالہ ابن کثیر)۔ترجمہ:-اللہ تعالی نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے(یعنی ورثاء کے حصے مقرر کر دئے ہیں)پس اب کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں''۔البتہ ایسے رشتہ داروں کے لئے وصیت کی جاسکتی ہے جو وارث نہ ہوں،یا راہ خیر میں خرچ کرنے کے لئے کی جاسکتی ہے۔یہ اور اس کی زیادہ سے زیادہ حد ثلث (ایک تہائی)مال ہے۔اس سے زیادہ وصیت نہیں کی جاسکتی (صحیح بخاری کتاب الفرائض باب میراث البنات)ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی صفحہ ۷۲۔

یہ رہا روایات اور تفسیر میں درج حکم،یعنی قرآن منسوخ۔کیا ایسی قوم پر اللہ کی رحمت ہوسکتی ہے جو اللہ کے کلام کو ہی مجبور بنادے؟ہرگز نہیں!ذیل میں درج کیا جارہا ہے کہ کیا یہ آیت منسوخ ہے؟یا قائم ہے؟ ملاحظہ ہو:-

آیت میں معروف طریقہ سے وصیت کرنے کا حکم ہے۔مگر علماء کرام نے اس آیت کو منسوخ مانا ہے۔جب کہ ایسا نہیں ہے اور نہ ہی قرآن میں کوئی آیت منسوخ ہے۔اگر کوئی آدمی زندگی میں اپنے خاندان کے حالات کو دیکھ کر اس آیت کے تحت معروف طریقہ سے وصیت کرتا ہے،تو مرنے کے بعد اس کا ترکہ وصیت کے مطابق تقسیم ہوگا۔اور اگر اس نے جان لیا کہ میرے مرنے کے بعد میرے خاندان میں وصیت نہ کرنے سے کسی کی حق تلفی نہ ہوگی،تو وصیت کرنا ضروری نہیں۔مرنے کے بعد اس کا ترکہ سورۃ نساء کی آیات ۱۱-۱۲ کے مطابق تقسیم ہوگا۔اس طرح کوئی بھی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ،اور نہ ہی روایات کو یہ حق ہے کہ کسی آیت کو منسوخ کر سکے۔

مثلاً زید کے چار لڑکے ہیں،تین لڑکے بالغ ہو گئے۔پڑھ لکھ کر شادی ہوگئی اور کاروبار میں باپ

نے خود کفیل کر دیا۔مگر ایک لڑکا چھوٹا ہے اس کے لئے ابھی کچھ نہیں ہوا۔ایسی حالت میں اگر زید کا انتقال ہوتا ہے،تو اس کے مال کی تقسیم سورۃ نساء کی آیات ۱۱-۱۲ کے مطابق کردی جائے گی،یعنی ہر بھائی کو برابر برابر۔مگر اس تقسیم سے چھوٹا لڑکا نقصان میں رہے گا۔اس لئے چھوٹے لڑکے کو اس نقصان سے بچانے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ زید اندازہ کر کے چھوٹے لڑکے کو حساب سے وصیت کر دے۔جس سے وہ زید کے انتقال کے بعد نقصان میں نہ رہے،یہ ہے اس آیت کا مطلب،جس کو ناسمجھی کی حالت میں منسوخ مان لیا گیا ہے۔یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ جو روایات اس آیت کو منسوخ کرنے کے لئے گڑھی گئی ہیں،وہ ہی وضع کی ہوئی ہیں،ایسی روایات کو اپنے ذخیرے سے خارج کر دینا ضروری ہے۔

(۲۶)

قرآنی آیات کی تفسیر روایات کی روشنی میں

روایات کی سب سے زیادہ ضرورت یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کے بغیر قرآن کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا اور ہر آدمی اس دلیل کا قائل ہو جاتا ہے کہ جو تفسیر کسی آیت کی رسول ﷺ نے فرمائی ہے،اس سے بہتر تفسیر کسی اور کی نہیں ہوسکتی،بات معقول ہے،لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیات کی جو تفسیر احادیث میں مذکور ہے۔کیا وہ حقیقت میں رسول ﷺ کی بیان کی ہوئی تفسیر ہے؟لیکن دانشور اس بات سے متفق نہیں ہوسکتے،وہ دانشور خود غور کرنا چاہیں گے کہ کیا احادیث میں درج تفسیر جس کو محمد ﷺ سے منسوب کیا گیا ہے،وہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوتی بھی ہے یا نہیں؟اس سوال کے جواب کے لئے ذیل میں احادیث میں درج تفسیر موجود ہے،ملاحظہ ہو کہ کیا وہ رسول ﷺ کی بیان فرمودہ تفسیر ہے؟

سورۃ احزاب کی آیت ۶۹ میں کہا گیا ہے کہ اے لوگو!جو ایمان لائے ہو۔ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو (طرح طرح کے مطالبات کر کے پریشان کیا تھا) تکلیف دی تھی اور الزام لگائے تھے۔پھر اللہ نے موسی کی مدد کی ان باتوں میں،جو وہ کہتے تھے۔(ان کے غلط مطالبات سے موسیٰ کو جو تکلیف ہوتی تھی اس سے بھی نجات دی) ۔سو اللہ نے اسے اس سے بری کر دیا جو وہ کہتے تھے۔اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت

تھے۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلتے ہوئے اپنے مطالبے کرتے تھے اور ان کو مجبور کرنا چاہتے تھے کہ وہ ایسا کریں،مگر انہوں نے ان کے مطالبوں پر عمل نہ کیا۔بلکہ اللہ نے جو حکم دیا اسے کیا۔اس بات کو یاد دلا کر مسلمانوں سے اللہ کہتا ہے کہ اے مسلمانوں!تم ایسے مطالبے نہ کرنا جیسے بنی اسرائیل نے کئے۔اللہ کو جو قانون دینے ہیں وہ اپنے آپ دے گا،جس کی ضرورت ہے۔بے ضرورت کے قانون دینے کا سوال ہی نہیں۔اس لئے تم اپنی طرف سے کوئی سوال نہ کرنا۔بس نبیؐ کے بتائے ہوئے قانون پر عمل کرتے چلے جاؤ،یہی تمہارے لئے بھلائی ہے۔بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کو کس کس انداز سے ستاتے تھے،اس کی تفصیل قرآن کی متعدد آیات میں موجود ہے۔حضرت موسیٰ جس ہمت اور کوشش سے انہیں فرعون کی غلامی سے نکال کر وادی سینا کی آزاد فضاؤں میں لے کر آئے تھے،یہی ایک واقعہ ایسا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کے عمر بھر شکر گزار رہتے۔لیکن اس کے برخلاف ان کا ردعمل جو سامنے آیا وہ ذیل میں درج ہے:-

سورۃ اعراف (۷) آیت ۱۲۹:-وہ بولے،تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جارہے تھے اور تمہارے آنے کے بعد بھی۔موسیٰ نے کہا قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمہیں زمین میں اس کا جانشین کر دے۔پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۶:-یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لئے زمین کی پیداوار ساگ ترکاری،گیہوں،لہسن،پیاز،دال وغیرہ پیدا کرے۔اور تو ہمیں مصر سے کیوں نکال لایا؟

جب بنی اسرائیل دریا کے پار ہو گئے تو ایک اور مطالبہ کر دیا:-

سورۃ اعراف (۷) آیت ۱۳۸:-اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس پہنچے جو اپنے بتوں کی عبادت کے لئے بیٹھے رہتے تھے۔بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اے موسیٰ!جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں،ہمارے لئے بھی ایک معبود بنادو۔موسیٰ نے کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔جب موسیٰ کوہ طور پر گئے تو ان کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے گوسالہ کی پوجا شروع کر دی۔

سورۃ طٰحہ (۲۰) آیت ۶۸:-موسیٰ افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے اور کہا اے قوم!تم نے یہ کیا کیا؟(جو تم گوسالہ کی پرستش کرنے لگے)

بنی اسرائیل نے پھر مطالبہ کیا:-

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۵۵:-یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے اعلانیہ اللہ کو (تم سے کلام کرتے) نہ دیکھ لیں۔

اس کے بعد موسیٰ نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ تو وہ اس بستی میں داخل نہ ہوئے اور بہانے کرنے لگے۔ پھر سورۃ بقرہ کی آیت ۶۷ میں موسیٰ نے قوم سے ایک گائے ذبح کرنے کو کہا تو وہ یہاں بھی بہانے بازی کرنے لگے بڑی مشکل سے گائے ذبح کی۔ پھر موسیٰ نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ تو وہ کہنے لگے:-

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۲۴:- وہ بولے کہ اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں ہیں، ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے۔ تو تم اور تمہارا اللہ جاؤ، اور لڑو۔ ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

یہ تھی اس قوم کی روش۔ جس سے تنگ آ کر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو؟ یعنی جیسا میں کہتا ہوں ویسا عمل کیوں نہیں کرتے؟ بہانہ کیوں بناتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔

تو جب ان لوگوں نے کجروی کی تو اللہ کے قانون نے ان کے دل ٹیڑھے کر دئے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان سب نافرمانیوں کو دیکھ کر موسیٰ نے سورۃ مائدہ کی آیت ۲۵ میں اللہ سے فریاد کی تھی کہ اللہ! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔ تو اللہ نے ان کو جدا کر دیا۔ یہ ہے بری کرنا۔

بنی اسرائیل کے ان واقعات کو سامنے لا کر قرآن نے جماعت مومنین سے کہا تھا کہ "**لا تکونوا کالذین آذو موسیٰ**" ترجمہ: تم بنی اسرائیل کی سی حرکتیں نہ کرنے لگنا۔ اس سے نبی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا لیکن نافرمان قوم جو نبی کو تکلیف دیتی ہے تباہ ہو جاتی ہے۔

قرآن کی ان آیات کی بیان کردہ تشریحات پر غور کرنے سے آیت زیرِ نظر کا صحیح مفہوم کس طرح واضح ہو جاتا ہے، اس کے مقابلے میں یہ دیکھا جائے کہ احادیث میں اس آیت کی تفسیر کیا بیان ہوتی ہے، جس کو نبی ﷺ سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس دعوے کے ساتھ کہ نبی کی تفسیر ہی قابل قبول ہے۔ بخاری میں درج ہے:-

بخاری، جلد دوم، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر ۶۲۸ صفحہ ۲۹۰:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حضرت موسیٰ بڑے شرمیلے اور ستر پوش تھے، حیا کے باعث کوئی ان کے جسم کا ذرا سا حصہ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بنی اسرائیل نے انہیں ستانے کے لئے کہنا شروع کر دیا کہ یہ کسی بیماری کے باعث جسم کو اتنا چھپاتے ہیں (جب کہ بنی اسرائیل ننگے غسل کرتے، اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے جاتے تھے) انہیں برص ہے یا ان کے خصیے پھول گئے، یا اور کوئی بیماری ہے۔ اللہ کا ارادہ ہوا کہ ان کے الزامات سے حضرت موسیٰ کو بری فرمائے۔ پس ایک روز حضرت موسیٰ نے تنہائی میں جا کر کپڑے اتارے اور ایک پتھر پر رکھ دئے۔ پھر غسل فرمانے لگے۔ جب غسل سے فارغ ہوئے اور کپڑے لینے کے لئے پتھر کی جانب بڑھے تو پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ نے پتھر کو مارنے کے لئے اپنا عصا لیا اور کہتے جاتے، اے پتھر میرے کپڑے، اے پتھر میرے کپڑے) یہاں تک کہ وہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس جا نکلے۔ ان لوگوں نے عریانی کی حالت میں دیکھ لیا کہ ان کی تخلیق تو بڑی حسین ہے، اور لوگ جو الزامات لگاتے ہیں ان کا یہاں نشان تک نہیں ہے۔ پس پتھر ٹھہر گیا اور انہوں نے کپڑے لے کر پہن لئے اور اپنے عصا سے پتھر کی پٹائی کرنے لگے۔ ان کے مارنے کے باعث خدا کی قسم پتھر میں تین چار یا پانچ نشان پڑ گئے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! ان جیسے نہ ہونا، جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تو اللہ نے ان کو بری فرمایا۔ اس بات سے جو انہوں نے کہی اور موسیٰ اللہ کے یہاں آبرو والا ہے (سورۃ احزاب (۳۳) آیت ۶۹)۔

یہ رہی تفسیر کیا ایسی تفسیر محمد ﷺ فرما سکتے تھے؟ ہرگز نہیں! بنی اسرائیل موسیٰ کو جو تکلیف دیتے تھے ان کا ذکر اوپر قرآن کی آیات میں آ گیا، جس سے اللہ نے ان کو بری (جدا) کر دیا اور کہا امت محمد یہ سے کہ تم ایسے مطالبے نہ کرنا، جن سے تمہارے نبی کو تکلیف ہو۔ یہ ہے آیت کا مطلب نہ کہ موسیٰ کے غسل کا۔

اس وقت جو قرآن ہے وہ مکمل ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ اللہ کی حفاظت میں ہے۔ سورت نساء کی آیت ۲۴ اس طرح درج ہے جو کہ حقیقت ہے "**فما استمتعتم به منهن فاٰتو هن اجو رهن فريضة**" ترجمہ:- پھر ان عورتوں میں سے جس سے نکاح کا فائدہ اٹھاؤ تو جو ان کے مہر مقرر کئے گئے ہیں، انہیں دے دیا کرو۔

یہ ہے قرآن میں مکمل آیات، بغیر کسی تحریف کے۔ مگر روایات میں کیا ہے؟ وہ ملاحظہ ہو، جس نے قرآن کو نامکمل کر دیا (نعوذ)۔ ابھی تک معاملہ صرف روایات تک محدود تھا کہ روایات کی کتنی گڑبڑ ی ہے۔

قرآن سامنے نہیں آیا تھا۔ اب دیکھئے اس سلسلے میں کس طرح قرآن کو بھی شک کے دائرے میں لانے کی کوشش کی گئی ہے:-

امام طبری کی تفسیر اہل سنت والجماعت کے یہاں ام التفاسیر کہلاتی ہے۔ اور اس تفسیر اور امام طبری کی تاریخ اور سیرت کی کتاب نے قرآن کو مجبور بنا کر رکھ دیا اور محمدؐ پر غلط الزام لگا کر ان کی کردار کشی کی ہے جو ستم کے درجہ میں آتی ہے۔ اللہ رحم کرے۔ یہ سب سے پہلی مدون تفسیر ہے۔ بعد کی تمام تفسیریں قریب قریب اسی سے ماخوذ ہیں، امام طبری متعہ کی سند کس طرح لاتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں:- ابو ثابت کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ نے مجھے ایک مصحف دیا اور کہا کہ یہ ابی ابن کعب کی قرآت کے مطابق ہے، "یحیٰ بن عیسیٰ جو اس روایت کے ناقل ہیں۔ نصیر بن ابی الاشعث سے ان کا بیان ہے کہ اس مصحف کو نصیر کے پاس دیکھا۔ اس میں لکھا تھا "**فما استمتعتم به منهن الیٰ اجل مسمیٰ**" (یعنی تم عورتوں سے متعہ کرو ایک میعاد مقررہ کے لئے)۔ ابو نصیرہ کی روایت ہے کہ میں نے ابن عباس سے متعہ کے متعلق دریافت کیا انہوں نے کہا کہ کیا تم سورہ نساء کی تلاوت نہیں کرتے؟ میں نے کہا، کیوں نہیں؟ کہا پھر اس میں یہ آیت نہیں پڑھا کرتے "**فا استمتعتم به منهن الی اجل مسمیٰ**"۔ میں نے کہا، نہیں۔ میں اگر اس طرح پڑھتا ہوتا تو آپ سے دریافت کیوں کرتا۔ انہوں نے کہا، اچھا تو معلوم ہونا چاہئے کہ اصلی آیت یونہی ہے۔ عبداللہ علی کی روایت بھی ابو نضرہ سے نقل ہے کہ میں نے ابن عباسؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی "**فما استمتعتم به منهن**"۔ ابن عباسؓ نے کہا "**الیٰ اجل مسمیٰ**"۔ میں نے کہا کہ میں تو اس طرح نہیں پڑھتا۔ انہوں نے تین مرتبہ کہا، خدا کی قسم خدا نے اسی طرح نازل کیا ہے۔ ابو اسحاق کی روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے پڑھا "**فما استمتعتم به منهن الیٰ اجل مسمیٰ**" پانچویں روایت شعبہ کی ہے۔ اور اس میں بھی ابو اسحاق سے روایت ہے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ ابی بن کعب کی قرأت میں یوں ہے۔ "**فما استمتعتم به منهن الیٰ اجل مسمیٰ**"۔ عمرہ بن مرہ کی روایت ہے کہ میں نے سعید بن جبیر کو پڑھتے سنا "**فما استمتعتم به منهن الیٰ اجل مسمیٰ**"۔ یہ اقتباس کسی شیعہ کی کتاب کا نہیں۔ بلکہ سنیوں کے جلیل القدر امام طبری کی تفسیر کا ہے۔ اور جن حضرات کی طرف یہ روایت منسوب ہیں وہ بلند پایہ صحابہ ہیں۔ جو خدا کی قسم کھا کھا کر کہہ رہے ہیں کہ یہ آیت اس طرح نازل نہیں ہوئی تھی، جس طرح قرآن میں درج ہے، بلکہ اس اضافہ کے ساتھ نازل ہوئی تھی، جس سے متعہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ مقام غور ہے کہ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ رہی ہے۔ ان روایات اور تفاسیر کی رو سے یہ ثابت کرنے

کی کوشش کی گئی ہے کہ:-

(۱) جو آیات قرآن میں اس وقت درج ہیں وہ اس شکل میں نازل نہیں ہوئی تھیں، بلکہ مختلف صحابہ کی قراتوں کی رو سے ان کی تنزیلی شکلیں کچھ اور تھیں۔

(۲) خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو مٹھی بھر جو یا آٹے کے عوض عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اور یہ اجازت نبوت کے آخری دور تک جاری رہی۔

(۳) عہد رسالت مآب اور عہد صحابہ کے اسلامی معاشرہ میں متعہ عام تھا۔ اور اس میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی نہ مردوں کو نہ عورتوں کو۔

(۴) اس کے باوجود عہد ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ابتدائی زمانہ تک متعہ برابر جاری رہا۔

(۵) حضرت عمرؓ نے متعہ کو بند کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود (صحابہ) تابعین اور فقہائے مکہ اسے جائز سمجھتے رہے۔

(۶) اور جنہوں نے اسے طوعاً و کرہاً ناجائز سمجھا، وہ بھی یہ کہتے رہے کہ عمرؓ نے خدا کی ایک بہت بڑی نعمت کو روک دیا۔

چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری صفحہ ۲۷۵ میں لکھتے ہیں کہ محدث عبد الرزاق نے اپنی کتاب میں ابن جریج سے اور انہوں نے عطا سے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ متعہ کا جائز ہونا خدا کی طرف سے اپنے بندوں پر رحمت کی حیثیت رکھتا تھا اگر عمرؓ نے اس کی ممانعت نہ کر دی ہوتی تو کبھی کسی کو زنا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

کیا آپ کسی طرح بھی تسلیم کر سکتے ہیں کہ یہ روایات اور تفسیر واقعی رسول اللہ ﷺ کی ہو سکتی ہیں؟ لیکن ان غلط روایات کا انکار کرنے والوں کو منکر حدیث قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

نوٹ:- منکر حدیث کون ہے؟ جو حدیث کا انکار کرے۔ اب سن لیجئے کہ کس کس نے حدیثوں کا انکار کیا ہے، اور کون کون کر رہے ہیں:-

(۱) امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں ملیں، لیکن انہوں نے 2762 قبول کیں اور باقی کا انکار کیا۔

(۲) امام مسلم کو تین لاکھ احادیث ملیں، لیکن انہوں نے ان میں سے 4348 قبول کیں، باقی کا انکار کیا۔

(۳) امام ترمذی کو تین لاکھ ملیں اورانہوں نے ان میں سے 2115 قبول کیں، باقی کا انکار کیا۔

(۴) ابوداؤد کو پانچ لاکھ ملیں، 4000 قبول کیں اور چار لاکھ چھیانوے ہزار حدیثوں کا انکار کیا۔

(۵) ابن ماجہ کو چار لاکھ ملیں، جن میں سے انہوں نے صرف 4000 قبول کیں، اور باقی کا انکار کیا۔

(۶) امام نسائی کو ۲لاکھ ملیں اورانہوں نے 4321 قبول کر کے باقی کا انکار کیا۔

ایسے ہی سنی، شیعہ روایات کا انکار کرتے ہیں، اور شیعہ، سنی روایات کا۔ دیوبندی، بریلوی روایات کا انکار اور بریلوی، سنی روایات کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے ہی ہر فرقہ دوسرے فرقے کی روایات کا انکار کرتے ہیں، اور اس انکار کرنے سے فرقے بنے۔ اس طرح غور و فکر کرنے سے ہر آدمی، ہر فرقہ منکر حدیث ہے۔ اور منکر حدیث ہی نہیں بلکہ منکر قرآن بھی ثابت ہوتا ہے۔ اب بتائیں کہ کیا آج ہمارا فقہ قرآن سے ملتا ہے؟

(۲۷)

حصول جنت۔قرآن اور روایات کی روشنی میں

اسلام نام ہے نظام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا۔ جب جماعت مومنین اس نظام کو قائم کرنے کے لئے اٹھتی ہے، تو دنیا بھر کی شیطانی قوتیں اس کی مخالفت کے لئے امنڈ آتی ہیں۔ اس جماعت کو ان قوتوں کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کو قائم کرنے اور مستحکم رکھنے کے لئے مسلسل جد و جہد کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے مومن کی زندگی مسلسل جد و جہد کی زندگی ہوتی ہے۔ یہی وہ مجاہدانہ سرگرمیاں اور سپاہیانہ کوششیں ہیں جن کے بعد عبد مومن کو جنت ملتی ہے۔ جو سمجھتے ہیں کہ جنت یونہی اور آسانی سے مل جاتی ہے، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں کہا گیا ہے کہ۔

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۲۱۴: -پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا؟ حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا، جو تم سے پہلے ہو چکا ہے، انہیں جنگیں اور تکلیفیں پہنچی اور خوب جھنکائے گئے۔ کافروں کا منشا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی جو اہل ایمان ہیں، پکار اٹھیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ مگر خبردار صبر اور ہمت سے کام لو۔ رسول ﷺ کے ذریعہ تم نے سن لیا کہ صبر کرنے والوں کے لئے اللہ کی مدد قریب ہے اور ضرور آئے گی (ایمان والے اللہ کی مدد سے کبھی مایوس نہیں ہوتے) اس لئے وہ مدد کی امید پر ہی مشکل

کام کرتے ہیں جس سے دین کو تقویت ہے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۱۴۲: -کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جد و جہد کرنے والوں کو اچھی طرح ظاہر کیا ہی نہیں، اور وہ ثابت قدم رہنے والوں کو ظاہر کرے گا۔

سورۃ حٰم سجدہ (۴۱) آیت ۳۰: -جن لوگوں نے اقرار کیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے، پھر اپنے اقرار پر ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے نازل ہوں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

اللہ کو رب کہنے کے بعد اس پر قائم رہنے کا مطلب کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے:-

سورۃ نور (۲۴) آیت ۵۵: - جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا۔ اور ان کے دین کو، جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، مستحکم و پائدار کرے گا۔ اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۹: -یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کا رب ان کو ان کے ایمان کے سبب کامیابی کی راہ کھول دے گا اور ایسی جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۱۳: -تم سے پہلے کتنی امتیں گزر چکی ہیں جب انہوں نے ظلم کی راہ اختیار کی تو ہم نے انہیں ہلاک کر ڈالا۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے لیکن وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے مجرموں کو ہم اسی طرح ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں۔

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۱۴: -پھر ان لوگوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے تم کو ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۲۶: -جن لوگوں نے بھلائی کا راستہ اختیار کیا ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید یہ کہ ان کے چہروں پر سیاہی اور ذلت نہ چھائے گی وہ جنت کے حقدار ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۲۷: -جن لوگوں نے برے کے کام کئے ان کی برائی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا جیسی برائی

انہوں نے کی ہوگی اور ان کے چہروں پر ذلت اور رسوائی چھائی ہوگی اور اللہ سے انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا ان کے چہروں پر اس طرح کالک چھا جائے گی، جیسے اندھیری رات کا ایک ٹکڑا ان پر اڑھا دیا گیا ہو وہ لوگ دوزخی ہیں، دوزخ ہی میں رہیں گے۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۱۳۷: -جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے گئے ان کو اللہ نہ تو بخشے گا اور نہ سیدھا راستہ دکھائے گا۔

سورۃ یونس (۱۰) آیت ۱۳۸: -ان منافقین کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۹۰: -مگر جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔

(۲۸)

توبہ کس شرط پر قبول ہوتی ہے؟

ذیل میں درج ہے:-

سورۃ اعراف (۷) آیت ۱۵۳: -اور جنہوں نے گناہ کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

سورۃ النحل (۱۶) آیت ۱۱۹: -پھر جو لوگ نادانی سے (جان بوجھ کر نہیں) برائی میں پڑ گئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور نیک ہو گئے تو اس کے بعد تمہارا رب یقیناً بخشنے والا رحمت کرنے والا ہے۔

سورۃ طٰہٰ (۲۰) آیت ۸۲: -اور جو توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھے راستے پر چلے، اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔

سورۃ الشعراء (۲۶) آیت ۷۰: -مگر ہاں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سورۃ الشعراء (۲۶) آیت ۷۱: -اور جو شخص گناہ کرنے سے توبہ کر لیتا ہے اور نیک کام کرنے لگتا ہے تو وہ اللہ کی طرف حقیقت میں پلٹ آتا ہے۔

سورۃ العنکبوت (۲۹) آیت ۲: -کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لے آئے ہیں وہ چھوڑ دئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی،

سورۃ العنکبوت (۲۹) آیت ۳: -اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں، ہم نے ان کو بھی (مصیبت میں مبتلا کر کے) آزمایا تھا (اور ان کو بھی آزمائیں گے) سو اللہ ان کو ضرور ظاہر کرے گا جو سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔

سورۃ العنکبوت (۲۹) آیت ۴: -کیا وہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے۔ کیسا غلط فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

سورۃ الاحزاب (۳۳) آیت ۵: -لے پالکوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے، اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو دین میں وہ تمہارے بھائی اور دوست ہیں اور جو بات تم سے غلطی سے ہو گئی سو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہوگی جسے تم دل کے ارادے سے کرو، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (گویا بخشش کے ارادے سے برے کام کرے جاؤ، سو معافی نہیں)۔

سورۃ تحریم (۶۶) آیت ۸: -مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو (توبۃ نصوحا) امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو جنت کے باغوں میں داخل کرے گا۔ جس کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ اس دن اللہ رسول ﷺ کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا۔ بلکہ ان کا نور ان کے اعمال کا جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ظاہر کئے تھے، اور ان کا ایمان (روشنی کرتا ہوا) چل رہا ہوگا اور وہ اللہ سے التجا کریں گے کہ اے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر دے، اور ہمیں معاف فرما۔ بے شک اللہ ہر چیز کا قانون بنانے والا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں جنت کا داخلہ بتایا گیا ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے لئے کتنے سخت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور توبہ کرنے کے بعد ایمان پر جم جانا اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا ہے تب توبہ قبول ہوتی ہے، یہ نہیں کہ گناہ کرے جاؤ اور توبہ کرے جاؤ تو اللہ معاف کر دے گا اور اگر گناہ نہ کئے تو اللہ ختم کر دے گا اور کسی ایسے گروہ کو لائے گا جو گناہ کرے گا اور توبہ کرے گا، پھر گناہ کرے گا توبہ کرے گا اور یہی سلسلہ چلے گا، کیا اس کو اللہ قبول کرتا ہے؟ ہرگز نہیں! مگر افسوس ہمارے یہاں روایات میں ایسا طریقہ درج ہے جو

بہت آسان کام ہے اور اس آسان کام سے جنت ملے گی، جب آسان کام سے جنت مل جائے گی تو کون ایسا آدمی ہوگا جو ان مشکل کاموں میں اپنے کو لگائے گا؟ کوئی بھی نہیں لگائے گا۔ ذیل میں وہ مروجہ اور مفروضہ آسان کام درج ہیں:-

(۱) نبی ﷺ نے فرمایا:- مصافحہ کرنے والے کو الگ ہونے سے پہلے اللہ بخش دیتا ہے۔

(۲) وضو کرنے سے تمام گناہ دھل جاتے ہیں۔

(۳) وضو کرنے کے بعد کلمہ شہادت پڑھنے والے کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔

(۴) مسلم شریف کی حدیث ہے کہ جو شخص مؤذن کے جواب میں آذان کے الفاظ دہراتا ہے، لیکن حی الصلوٰۃ اور حی الفلاح کے جواب میں لاحولا ولا قوۃ الا با اللہ کہتا ہے تو یہ شخص جنت میں جائے گا۔

(۵) طبرانی کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم جلتے رہتے ہو۔ یعنی آگ کے کام کرتے رہتے ہو، لیکن جب صبح کی نماز پڑھ لیتے ہو تو وہ تم کو ٹھنڈا کر دیتی ہے، یعنی دوزخ سے دور کر دیتی ہے۔ پھر ظہر تک وہی کام کرتے ہو، لیکن ظہر کی نماز تم کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں اپنے درمیانی اوقات کے گناہوں کو مٹا کر ٹھنڈا کر دیتی ہیں۔ جب تم سو رہے ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ یہاں تک کہ نیند سے جاگو (اور اگر رات کو دوزخ کے کام کرتے رہو تو صبح کی نماز انہیں ٹھنڈا کر دے گی)۔

(۶) ترمذی کی روایت ہے کہ چالیس دن تک تکبیر اولی کے ساتھ نماز با جماعت ادا کرنے والا دوزخ اور نفاق دونوں سے بری کر دیا جاتا ہے۔

(۷) بخاری اور مسلم دونوں میں ہے کہ جب امام سورۃ فاتحہ ختم کرتا ہے اور 'ولا الضالین' کہتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں۔ مقتدیوں میں سے جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ادا ہوئی اس کے تمام گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔

(۸) بخاری اور امام مالک کی ایک حدیث میں ہے کہ جب امام 'سمع اللہ لمن حمدہ' کہہ کر رکوع سے سر اٹھائے تو تم 'ربنا لک الحمد' کہا کرو۔ جو بندہ یہ کلمہ کہتا ہے تو اس کے تمام گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔

(۹) مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص علاوہ فرض کے دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھ لے اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے۔

(۱۰) ترمذی کی روایت ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد بیس رکعت نفل پڑھنے والے کے لئے جنت میں گھر بنا دیا جاتا ہے۔

(۱۱) ابوداؤد میں ہے کہ ظہر کے فرض سے پہلے جو شخص چار رکعتیں پڑھتا ہے، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔

(۱۲) مسلم کی حدیث ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے جمعہ کے لئے آیا اور خاموش بیٹھ کر خطبہ سنا تو اس کے گناہ نہ صرف جمعہ سے جمعہ تک بخش دئے جاتے ہیں بلکہ تین دن کے اور زائد گناہ بھی بخش دئے جاتے ہیں۔

وظائف سے جنت:-

دین اور دنیا کا کوئی معاملہ پیش آجائے، اس کے لئے نہ کسی محنت کی ضرورت ہے، نہ ہاتھ پاؤں ہلانے کی حاجت۔ بس ایک وظیفہ پڑھ لیجئے، مطلب حل ہو جائے گا۔ انہی وظائف سے جنت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً:-

(۱۳) نسائی کی حدیث ہے کہ جس نے صبح اور مغرب کی نماز کے بعد سات مرتبہ" اللھم اجر نی من النار " (یا اللہ مجھے دوزخ سے نجات دے) پڑھ لیا تو دن اور رات میں کسی وقت بھی مر جائے وہ جنت میں جائے گا۔

(۱۴) تسبیح فاطمہ ہر نماز کے بعد پڑھنے والے کے تمام گناہ بخش دئے جاتے ہیں، چاہے کتنے بھی ہوں۔

(۱۵) اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں مرتا ہے تو وہ شہید ہے۔ مسافر کی موت پر جنت لڑکیوں کی پرورش پر جنت، بچے فوت ہو جائیں تو جنت۔

(۱۶) زانیہ عورت نے ایک پیاسی کتیا کو پانی پلا دیا تو اس کو جنت ملی۔

(۱۷) امام بیہقی کی ایک روایت ہے کہ رمضان کی ہر رات میں چھ لاکھ دوزخی آزاد کئے جاتے ہیں اور رمضان کی آخری شب میں تمام گزشتہ تعداد کی مثل دوزخ سے آزاد کئے جاتے ہیں۔ گویا تین کروڑ اڑتالیس لاکھ اس حساب سے کوئی بھی مسلمان دوزخ میں نہیں جائے گا، کیا یہ ممکن ہے؟ اور اس طرح مسلمانوں کو عمل سے دور کر دیا گیا ہے۔

(۱۸) مسلم کی روایت ہے کہ عرفہ کا روزہ رکھنے سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں، اور محرم کی دسویں کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ اس سے آئندہ ایک سال کے گناہوں کا بھی کفارہ ہو جاتا ہے۔

(۱۹) سانپ اور گرگٹ مارنے پر ثواب۔

جنت ضعیفوں اور کمزوروں کے لئے ہے، مصیبتیں گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں، حتیٰ کہ بیماری بھی، بخار آنے سے جنت ملتی ہے، جو اندھا ہو گیا اس کو جنت ملے گی، خلوت گزینی پر جنت۔ نماز جنازہ میں چالیس آدمی شریک ہو جائیں تو مرنے والا جنتی، میت کو دو۔ تین آدمی بھی اچھا کہہ دیں تو اللہ بخش دیتا ہے۔ اور یہ سب بھی نہ ہو تو:-

(۲۰) بیہقی کی روایت ہے کہ ایک بندے کو ارشاد ہوگا آگ میں داخل ہو جا۔ وہ دوزخ کے کنارے پہنچ کر ادھر ادھر دیکھنے لگے گا اور کہے گا کہ خدا کی قسم مجھے خدا سے اچھی امید اور بھلائی کا گمان ہے۔ ارشاد ہوگا اسے لوٹا لاؤ! میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں۔

مذکورہ بالا اصلاح و بہبود کے کام اگر آدمی نیک نیتی سے کرے گا بشرطیکہ قرآن کے بھی احکام کی پابندی بھی ہو تو کوئی قباحت بھی نہیں، مگر مصیبت تو یہ ہے کہ ان کو ایسا لکھا گیا ہے گویا یہی حقیقت ہیں۔ جنت کے حصول کے لئے ہیں۔ قرآن میں درج احکام کی ضرورت نہیں۔

مختصراً یہ ہیں طریقے۔ اس جنت کو حاصل کرنے کے جس کے متعلق قرآن نے کہا تھا کہ اس کی راہ میں ایسے جانگداز مراحل آتے ہیں کہ اور تو اور خود رسول کے رفقائے کار بھی گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگ جاتے ہیں اور رسول ان کو دلاسہ دیتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں اللہ کی مدد قریب ہے (سورۃ بقرۃ آیت ۲۱۴)۔

یہ جنت نتیجہ تھی اس انقلاب عظیم کا، جس کی رو سے دنیا کے ہر مفاد پرست گروہ کے ہاتھوں سے اقتدار چھن، کر تمام اختیارات قانون الہی کے ہاتھ میں آجاتے تھے۔ اور کوئی انسان نہ کسی دوسرے انسان کا محکوم رہتا تھا نہ محتاج۔ اس انقلاب میں نہ قیصر کی شوکت باقی رہتی تھی، نہ کسریٰ کی سلطنت۔ نہ نظام خانقاہیت کی روباہیوں کو اذن فریب دہی مل سکتا تھا، نہ احبار و رہبان (علماء مشائخ) اپنی سیادت وقیادت قائم کرنے کی اجازت۔ یہ نظام ان تمام مفاد پرست جماعتوں کے خلاف اعلان جنگ تھا، اس لئے انہوں نے اسلام کے ہاتھوں شکست کھائی تو اپنی شکست کا بدلہ لینے اور اس مسلم قوم کو مغلوب کرنے کے لئے اس قسم کی روایات وضع کر کے عام کر دیں۔ یہاں تک کہ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم ایسے ہو جاؤ کہ گناہ تم سے سرزد نہ ہوں تو خدا تمہیں زمین سے ہٹا دے اور تمہاری جگہ ایک دوسرا گروہ پیدا کر دے، جس کا شیوہ یہ ہو کہ گناہوں میں مبتلا ہو اور پھر خدا سے بخشش

ومغفرت کی طلبگاری کرے۔ (مسلم عن ابو ہریرہ)

جیسا کہ اللہ کا فرمان یہ ہے کہ دین کا منتہائے مقصود جنت کا حصول ہے۔ اس کے لئے ایک مسلمان کو ساری عمر مجاہدانہ زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ جماعت مومنین کے یہی وہ اعمال حیات ہیں جو خود ان کے معاشرے میں اور اس کے بعد، عالمگیر انسانیت میں انقلاب عظیم برپا کرتے ہیں۔ اب آپ ہی سوچئے کہ جب مسلمانوں کو اس بات کی تعلیم دی جائے کہ اگر انہوں نے گناہ نہ کئے تو اللہ ان کی جگہ دوسری قوم لے آئے گا جو گناہ کرے گی۔ تو اس قوم کے معاشرے کی حالت کیا ہو گی۔ اور اگر وہ نیک اعمال کرنے کے لئے تیار بھی ہوں تو انہیں حصول جنت کی اس قدر آسان ترکیبیں بتا دی جائیں، تو ان میں مجاہدانہ حرارت کہاں باقی رہے گی؟ اللہ رحم کرے۔ تھوڑی دیر کے لئے اگر غور کیا جائے تو حقیقت سامنے آجائے گی، وہ یہ کہ ہمارے دشمنوں نے جو ہمارے ہاتھوں مغلوب ہو گئے تھے، انہوں نے ہمیں اپنے جال میں پھنسا لیا اور قرآن سے دور کر دیا۔ اس کام میں امام طبری کا سب سے بڑا کردار ہے، جو کہ ایرانی تھا۔ اس نے قرآنی دین کی جگہ مجوسی مذہب قوم کے سامنے رکھ دیا جس کو قوم نے قبول کر لیا، اور اس قبولیت کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے کہ ہم پر ذلت طاری ہو گئی۔ اس ذلت کو اگر دور کرنا ہے تو آنا پڑے گا اس تعلیم پر جس کو قرآن نے ظاہر کیا ہے، جو ذیل میں درج ہے:-

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۵۳:- (اے محمد!) میرے ان بندوں سے کہہ دو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ اللہ تو سب گناہوں کو (توبہ کے بعد) بخش دیتا ہے۔ بے شک وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۵۴:- تم سب اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اس کی فرمانبرداری کرتے جاؤ اس سے پہلے کہ تمہارے پاس عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۵۵:- اور اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو، اس نہایت اچھی کتاب کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے نازل ہوئی ہے پیروی کرو۔

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۵۶:- کہ کوئی نفس کہنے لگے کہ اس کوتاہی پر افسوس ہے جو میں نے اللہ کے قانون کی پیروی کے بارے میں کی، اور میں تو ہنسی ہی کرتا رہا۔

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۵۷:- یا یہ کہے کہ اگر اللہ کا قانون مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا۔

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۵۸:-یا جب عذاب دیکھ لےتو کہنے لگے کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہوتو میں نیکوکار ہو جاؤں۔

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۵۹: -(اس وقت اللہ فرمائے گا) کیوں نہیں! میری آیات تیرے پاس پہنچ گئی تھیں، مگر تو نے گھمنڈ میں آکران کو جھٹلایا اور تو کافر بن گیا۔

یہ رہا قرآن اور روایات کی روشنی میں حصول جنت۔ بھائیو! آج ہم کو یہ غور کرنا ہے کہ جو طریقہ قرآن نے بتایا ہے وہ درست ہے یا جو طریقہ روایت نے بتایا ہے وہ درست ہے؟ دونوں میں بہت فرق ہے۔ وہ یہ کہ قرآن اپنے جاننے والوں کو نیک اور مومن بنا کر جنت میں داخلہ کی سند دیتا ہے۔ مگر روایت میں نیک اور مومن بننے کی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی، ہر گنہگاران اعمال کو کرے، جو روایات نے تیار کئے ہیں، پس جنت مل جائے گی، مگر یہ ایک دھوکا ہے اور ایسا دھوکا، جس سے قوم کا باہر آنا محال نظر آرہا ہے۔ اس وجہ سے قوم کے زیادہ افراد گناہوں میں ملوث ہیں، اور ذلیل ہو رہے ہیں۔ ایسی ذلت جو آخری حد پر ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم کو فریب سے نکال کر حقیقت کو تسلیم کرنے والا بنائے۔ (تقبل)

یونیورسٹی سے شائع ہونے والا ماہنامہ تہذیب الاخلاق ماہ مئی ۲۰۱۲ء کے قرآن نمبر میں ایک مضمون ''آدم وحوا اور عیسی کی پیدائش قرآن کریم اور روایات کی روشنی میں'' ص ۵۲ لغایت ۶۷ کبیر الدین فوزان صاحب کا شائع ہوا تھا یہ مضمون (مقالہ) ڈارون کی تھیوری کو صحیح اور قرآن کی واضح آیات کی دلیلوں کو غلط انداز میں مسترد کر رہا ہے۔ اول تو اس مقالہ کو تہذیب الاخلاق جیسے موقر اور علمی ماہنامہ میں شائع ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر شائع کرنا ہی تھا تو صحافیانہ دیانتداری کے تحت، اس مقالہ کی تنقید پر آنے والے تمام مضامین کو اگلی اشاعت میں شائع کرنا چاہیے تھا۔

فوزان صاحب کا مقالہ پڑھنے کے بعد ۲۶ مئی ۲۰۱۲ء کو میں نجم الدین صاحب کے ساتھ اصلاحی صاحب سے تہذیب الاخلاق کے دفتر میں ملا اور کہا کہ یہ مقالہ قرآن کی واضح آیات کے مطابق نہیں ہے۔ تب ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے کہا کہ اس کا جواب لکھ کر دو، اگلے شمارے میں شائع ہو جائیگا۔

موصوف کے کہنے پر مذکورہ مقالہ کے جواب میں، میں نے ایک مبسوط مضمون ''الجواب'' عنوان سے مدیر صاحب کو ان کے راحت کدہ پر پیش کیا تھا، جس کو انھوں نے بغور ملاحظہ کیا اور اس پر کہیں کہیں اپنے قلم سے نشانات بھی لگائے۔ ان نشانات لگانے پر میں ان کا مشکور ہوں۔ میں موصوف سے تہذیب الاخلاق کے دفتر میں دوبارہ ملنے گیا تو انھوں نے میرے مضمون کو نا قابل اشاعت کہہ کر واپس کر دیا۔

فوزان صاحب کا مقالہ چونکہ قرآن کی واضح آیات کا انکار کر رہا ہے، اس لیے اس کی تردید وتنقید میں نہ معلوم کتنے مضمون مدیر صاحب کے پاس آئے ہوں گے۔ مگر اصلاحی صاحب اگلا شمارہ، جو قرآن نمبر ماہ اگست میں شائع ہوا، اس کے اداریہ میں یہ فرما رہے ہیں کہ فوزان صاحب کا مقالہ شائع ہونے پر میرے اوپر طلبہ، اساتذہ اور اسکالرز نے برملا ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور مجھے اس مقالہ کی تردید میں کوئی مدلل اور مسکت مضمون ملا ہی نہیں۔

موصوف کی یہ بات درست نہیں ہے۔ ثبوت میں ایک جواب تو میں اپنا ہی پیش کر رہا ہوں اور بھی آئے ہوں گے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف فوزان صاحب کے نظریات کی آنکھیں بند کر کے تائید کر رہے ہیں۔ راقم مدیر کے اس اداریہ کے الفاظ جو اوپر درج ہیں، اس خط کے ہم رشتہ کر رہا ہے۔ اور دستی طور پر پیش کیا ہوا مضمون جو موصوف نے واپس کر دیا تھا، اس کو اپنی آنے والی کتاب میں اس غرض سے شامل کر رہا ہوں کہ قارئین مطالعہ کر کے خود فیصلہ کریں کہ یہ مضمون اس لائق ہے یا نہیں کہ فوزان صاحب کے مقالہ کا 'رد' ہو سکے،

جواب خدمت میں پیش ہے۔

الجواب: **آدم وحوا اور عیسیٰ کی پیدائش**

جناب کبیر الدین فوزان قاسمی صاحب کا ایک مقالہ ''آدم وحوا اور عیسیٰ کی پیدائش قرآن کریم اور روایات کی روشنی میں'' ماہنامہ تہذیب الاخلاق قرآن نمبر مئی ۲۰۱۲ء میں صفحہ ۵۲-۶۷ تک شائع ہوا ہے اس مقالہ میں حضرت آدم اور حوا کی پیدائش کے بارے میں بڑی تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آدم وحوا کے بارے میں جو تفصیل قرآن کریم میں درج ہے، وہ حقیقت نہیں۔ بلکہ جو موصوف نے لکھا ہے، وہی درست ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ کے بارے میں مقالہ نگار کا خیال ہے کہ وہ باپ سے پیدا ہیں۔ اور ان کو صلیب پر قتل کر دیا گیا۔ ذیل میں ان کے مقالہ سے کچھ اقتباسات نقل کر رہا ہوں:-

صفحہ ۵۴: -مفسرین کرام نے نفس واحدہ سے مراد آدم اور زوجہا (اس کا جوڑا) سے مراد اس کی بیوی یعنی حوا لیا ہے۔ یہ ان حضرات کی اپنی رائے ہے اور اپنی رائے کی تائید میں انہوں نے جو آیات پیش کی ہیں ان کے مفاہیم اور معانی بھی خود ان کے بیان کردہ ہیں (مگر اس اسرائیلی روایت سے ماخوذ رائے کے درست ہونے کے ٹھوس دلائل نہیں ہیں کہ پہلے انسان آدم ہیں، جسے اللہ تعالی نے براہ راست مٹی سے پیدا کیا اور انہی کی پسلی سے ان کی بیوی حوا پیدا کی گئیں)۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ قرآن جب انسان کو مخاطب کرتا ہے تو اس خطاب میں صفحہ ۵۵: -اگلے پچھلے اور عورت مرد سب انسان شامل ہوتے ہیں اس کے پیش نظر آیت ''يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً'' (کا معروضی مطالعہ کیا جائے تو اس سے صریح اور صاف طور پر نہ آدم کا پہلا انسان ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی اہلیہ محترمہ حوا کا خود انہی کی پسلی سے پیدا ہونا) جس کا ذکر تک قرآن نے کہیں نہیں کیا ہے۔ (غور کیا جائے ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو'' سوال یہ ہے کہ کیا آدم اور حوا ''لوگوں'' (الناس) میں شامل نہیں ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو کیا وہ دونوں اپنے پروردگار سے ڈرنے کے حکم سے مستثنیٰ اور غیر مکلف قرار دیے جا سکتے ہیں؟ یا کیا یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ان کا کوئی پروردگار نہیں، جس سے وہ دونوں ڈرتے ہوں؟) اگر ان میں سے کوئی بات درست نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے، تو پھر لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ ''الناس'' (لوگوں) میں آدم اور حوا بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد متصلاً قرآن کہتا ہے ''جس پروردگار نے تم سب لوگوں کو ''نفس واحدہ'' ایک جان سے پیدا کیا'' (یعنی بلا استثناء

آدم وحوا سمیت تمام لوگوں کو نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس واحدہ کوئی ایسی چیز ہے، جس سے سارے انسان پیدا کیے گیے، جس میں خود آدم وحوا بھی ہیں، یعنی نفس واحدہ اور آدم ایک چیز نہیں، بلکہ دو مختلف اور متغائر چیزیں ہیں۔ آدم انسان ہیں اور نفس واحدہ وہ شئے ہے، جس سے خدا نے آدم سمیت سارے انسانوں کو پیدا کیا)، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے 'لقد خلقنا الانسان من سلالة من طين (المومنون:۱۲)'' بے شک ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے سلالہ سے پیدا کیا یا (خلق الانسان من طين ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين ''(السجدہ ۷:۸)'' اور انسان کی تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا، اس کے بعد اس کی نسل کو ایک ذلیل پانی سے بنایا'')۔ (يَا أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى ٥ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى) (القیامۃ ۳۷:۳۹)۔ کیا انسان اس منی کا قطرہ نہیں تھا جسے رحم میں ڈالا جاتا ہے؟ پھر علقہ بنا، پھر اسے خلق کر کے ٹھیک ٹھاک کیا، پھر اس سے عورت اور مرد کا جوڑا بنایا۔''

ان تمام آیتوں میں نوع انسانی کی تخلیق کا ذکر ہے جس میں آدم وحوا اور سارے انسان شامل ہیں۔ یہ کہیں پر نہیں کہا گیا ہے کہ سارے انسان قطرہ منی سے پیدا کیے گئے سوائے آدم اور حوا کے) یا یہ بھی نہیں کہا گیا ہے کہ گیلی مٹی کے سلالہ سے صرف آدم پیدا کیے گیے، اور بقیہ انسان ذلیل پانی کے سلالہ سے وغیرہ)۔ قرآن میں انسان کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے۔ یاایھاالناس انا خلقکم من ذکر و انثی۔ (اے لوگو! بے شک ہم نے تم سب کو ایک نر اور مادہ سے پیدا کیا)۔ اگر واقعی آدم ہی پہلے انسان ہوتے اور حوا پہلی عورت اور ان کی اہلیہ ہوتیں، تو یہ موقعہ ایسا تھا کہ یوں کہا جاتا کہ ''اے لوگو! ہم نے تم سب کو آدم اور حوا سے پیدا کیا'' مگر دیکھا جائے کہ قرآن نے یہ کہنے سے کہ ''ہم نے انسان کو آدم سے پیدا کیا، مکمل طور پر پرہیز کیا ہے''۔ اسی طرح کسی جگہ یہ بھی کہا جاتا کہ ہم نے انسان کو نطفہ سے، منی سے، ذلیل پانی کے سلالہ سے پیدا کیا، سوائے آدم کے۔ مگر پورے قرآن میں ایک جگہ بھی صریح الفاظ میں آدم کو پہلا انسان قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اگر حقیقت میں آدم پہلا مرد اور حوا پہلی عورت ہوتی، تو پھر کیا حرج ہوتا اگر یہ کہا جاتا کہ اے لوگو! ہم نے تم سب کو آدم وحوا سے پیدا کیا۔

جس بات کے کہنے سے قرآن نے احتیاط برتا اور اجتناب کیا ہے آخر اس کو ماننے اور عقیدہ بنانے پر کیوں زور دیا جاتا ہے؟ اور خصوصاً مسلم علما اور مفسرین ایک اسرائیلی روایت کو درست منوانے پر کیوں اصرار کرتے رہے ہیں؟ میری سمجھ سے باہر ہے۔ اب آیئے آیت زیر بحث یعنی 'الذی خلقکم من نفس

واحدۃ " کی طرف یہاں بھی خدا نے صراحتاً یہ نہیں کہا ہے کہ "خلقکم من آدم "(تم لوگوں کو آدمؑ سے پیدا کیا)"خلقکم من رجل واحدہ "(تم لوگوں کو ایک مرد سے پیدا کیا) خلقکم من بشر واحدہ (تم لوگوں کو ایک بشر سے پیدا کیا)اس لیے نفس واحدہ سے آدمؑ مراد لینا اور اس کی بنا پر آدمؑ کو پہلا انسان سمجھنا مفسرین کی اپنی ذاتی رائے ہے خدا کا قول نہیں۔لہٰذا ہم مفسرین کی ذاتی رائے کو نہ تو قرآنی بیان قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی اسے بالکل درست تسلیم کرنے کے پابند ہیں۔

صفحہ۵۷:-"اگرچہ مفسرین نے "نفس واحدہ سے آدمؑ اور زوجھا سے ان کی بیوی حوا مرد لیا ہے۔اور آدمؑ کو پہلا مرد اور حوا کو پہلی عورت قرار دیا ہے،اور یہ تسلم کرتے ہیں کہ نسل انسانی کا آغاز انہی دونوں سے ہوا۔مگر یہ نظریہ محل نظر ہے،کیونکہ اگر حقیقت یہی ہوتی تب تو یقیناً یوں کہا جاتا کہ "ان دونوں سے کل مردوں اور عورتوں کو پھیلایا" مگر قرآن نے ایسا نہیں کہا؟

صفحہ۵۹:-"غرض یہ مماثلت کی مذکورہ تینوں صورتوں کو نہ مسلمان مانتے ہیں اور نہ عیسائی تسلیم کرتے ہیں اور قرآن نے صراحتاً نہ یہ کہا ہے کہ آدمؑ پہلے انسان ہیں جنہیں خدا نے براہ راست مٹی سے پتلا بنا کر پیدا کیا" نہ یہ کہا ہے کہ حضرت عیسٰی بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔اسی طرح یہ بھی نہیں کہا ہے کہ حضرت حوا،آدمؑ کی پسلی سے پیدا کی گئیں۔

صفحہ۶۳:-"سب سے پہلے نہ کوئی ایک فرد مٹی سے بنایا گیا تھا نہ اس کی پسلی سے عورت نکالی گئی تھی،نوع انسانی سطح ارض پر زندگی کے سلسلہ ارتقاء کی آخری کڑی ہے۔جس کا ملخص یہ ہے کہ خدائے خالق کائنات کی اسکیم کے مطابق غیر ذی حیات مادہ اور پانی کے امتزاج (یعنی قرآن کے الفاظ میں طین لازیب سے زندگی کا اولین جرثومہ (Life Cell) ظہور میں آیا،جو جوش نمو سے دو حصوں میں بٹ گیا۔اس کا ایک حصہ نر کی خصوصیات کا حامل تھا اور دوسرا مادہ کی۔اس سے زندگی آگے بڑھنی شروع ہوئی،اور جرثومہ سے کیڑوں مکوڑوں کی شکل میں سامنے آئی۔وہاں سے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آبی حیوانات اور پھر خشکی کے جانداروں کی صورت میں جلوہ پیرا ہوئی۔اس سے آگے حیوانات کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ اپنے ارتقائی مراحل طے کرتا پیکر انسانی میں نمودار ہو گیا۔"

صفحہ۶۷:-وہ متعدد ایسے اسفار پر مشتمل ہے جن کا موسیٰ کے عہد سے کوئی تعلق نہیں ہے اور خود یہودی دانشوروں اور علمائے تورات کی روایات کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔اس کے باوجود آدمؑ وحوا کی تخلیق سے متعلق اس کی روایات کو "وحی الٰہی" سمجھ کر ہمارے مفسرین کرام نے اپنی تفاسیر میں جگہ دے دی اور ان کی روشنی میں اور

ان کے حوالہ سے قرآنی آیات کی تفسیر کر ڈالی۔مگر ان کی اس غلطی کو آج بھی ہمارے علمائے دین غلطی ماننے کے بجائے اس بات پر اصرار کر رہے ہیں کہ خدا نے واقعی آدمی کی تخلیق کے لیے مٹی کا پتلا بنایا تھا۔پھر اس میں جان ڈالی تھی۔اور حوا کی تخلیق یوں ہوئی کہ آدمؑ کی ایک پسلی کو بغیر آپریشن کے الگ کر لیا اور اسے کلوننگ کے ذریعہ حوا کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔اگر یہ حضرات اس اساطیری عقیدہ کو صرف اپنے لیے ماننا ضروری سمجھتے تو چنداں حرج کی بات نہیں تھی۔مگر ان کی زبردستی اور فکری دہشت گردی یہ ہے کہ الٹا ان ہی لوگوں کو گمراہ قرار دیتے ہیں جو اس غیر قرآنی بلکہ دیو مالائی عقیدہ کو نہیں مانتے۔

صفحہ۶۲-۶۳:-"یہ افسانہ ساری دنیا میں عام اور مقبول ہو کر حقیقت کی شکل اختیار کر چکا تھا کہ آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل عرب کی سرزمین میں نبی آخر زماںؐ مبعوث ہوئے اور آپؐ نے وحی کی زبان سے اعلان فرمایا کہ انسانی تخلیق کی ابتداء کا یہ تصور ذہن انسانی کا تراشیدہ ہے"

نوٹ:-نبیؐ کا وہ اعلان کہاں ہے)؟اس کی نشان دہی ہونا ضروری تھا مگر نہیں کی،کیوں؟ کیا اس ہوائی اعلان کو کوئی عقل مند انسان مان لے گا؟"

مذکورہ بالا درج اقتباسات جناب فوزان صاحب کے مقالہ سے لیے گیے ہیں جن کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ موصوف نفس واحدہ آدمؑ کو تسلیم نہیں کرتے،اور نہ ہی نفس واحدہ سے نسل انسانی کی شروعات تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی آدمؑ کو پہلا انسان مانتے ہیں،اور نہ آدمؑ کی پیدائش مٹی سے مانتے ہیں۔اور یہ کہ نفس واحدہ سے آدمؑ وحوا سمیت تمام انسانوں کو پیدا ہونا مانتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ ان واقعات کو قرآن سے بھی خارج مانتے ہیں کہ قرآن نے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے اور خود ہی یہ بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا،اور اس کی نسل کو نطفہ سے۔یہ کیا تضاد ہے؟اور یہ بھی تسلم کر رہے ہیں کہ نسل انسانی ایک نر اور ایک مادہ سے شروع ہوئی۔موصوف نے اپنی عمارت کی بنیاد ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر قائم کی ہے،اور اس کے زیر اثر قرآن کو بھی جھٹلا رہے ہیں۔اور اپنے ساتھ اس جرم میں محمدؐ کو بھی شامل کر رہے ہیں۔

قارئین کرام خود مقالہ کا مطالعہ کریں گے تو ان پر بھی یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ موصوف کا نظریہ قرآن کے مطابق ہے یا قرآن کے خلاف؟ ذیل میں قرآن کی وہ آیات پیش ہیں جن میں حضرت آدمؑ کی پیدائش اور نسل انسانی کی شروعات درج ہے۔ملاحظہ کرنے کی مہربانی کریں:-

سورۃ الحجر(۱۵) آیت ۲۶:-اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا۔

سورۃ الحجر(۱۵) آیت ۲۷:-اور جنوں کو اس سے پہلے دھویں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔

سورۃ الحجر(۱۵) آیت ۲۸:-اور اے رسولؐ! جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں سڑے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے،ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

سورۃ الحجر(۱۵) آیت ۲۹:-جب اس کو درست کر لوں اور اس کو اپنے علم سے سنوار دوں اس کو علم والا بنا دوں تو اس کو برتر تسلیم کر لینا،مدد کرنا یعنی سجدہ کرنا۔

سورۃ ص(۳۸) آیت ۷۱:-جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔

اللہ نے ایک بشر اکیلا ہی پیدا نہیں کیا بلکہ جوڑے سے پیدا کیا۔

سورۃ یٰسین(۳۶) آیت ۳۶:-وہ اللہ پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کی خبر نہیں،سب کے جوڑے بنائے۔

سورۃ الذاریت(۹۵) آیت ۴۹:-اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تا کہ تم غور و فکر سے کام لو۔

آدمؑ وحوا کو جوڑے سے بنانے کے بعد اللہ نے آدمؑ کا نام لے کہا کہ:-

سورۃ بقرہ(۲) آیت ۳۵:-اور ہم نے کہا اے آدمؑ!تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور یہاں جو چاہو کھاؤ،مگر اس شجر کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں ہو جاؤ گے۔

سورۃ السجدہ(۳۲) آیت ۷:-جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی۔

سورۃ؟(۳۲) آیت ۸:-پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی۔

سورۃ المومن(۴۰) آیت ۶۷-وہی ہے جس نے پیدا کیا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے۔

سورۃ الحجرات(۴۹) آیت ۱۳:-لوگو!ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

سورۃ مریم(۱۹) آیت ۶۷:-کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے اس کو(اپنی قدرت سے) پیدا کر چکے ہیں جب کہ وہ کچھ نہ تھا؟

کچھ نہ تھا کا مطلب یہ ہے کہ انسان بننے سے پہلے کیڑا مکوڑا گھاس پھونس،کائی،گوریلا،بن مانس،لنگور،اور بندر وغیرہ نہ تھا بلکہ عدم سے وجود میں آیا جس کو مٹی سے بنایا گیا اور جب اس کو بنایا تو اس کی کیا حالت تھی،اس کی معلومات بھی قرآن نے دی ہے:-

سورۃ الدہر(۷۶) آیت ۱:-بے شک انسان پر ایک ایسا وقت گذرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا یعنی کوئی شد بد نہ تھی۔

مذکورہ بالا آیات میں آدمؑ یعنی پہلے انسان کی پیدائش کو بتایا گیا اور پہلے انسان کا نام اللہ نے آدمؑ بتایا۔ذیل میں نفس واحدہ اور حوا کی پیدائش کے بارے میں ملاحظہ ہو کہ نفس واحدہ کیا ہے اور "حوا کی پیدائش کس سے ہوئی؟ فوزان صاحب کی یہ بات درست ہے کہ حوا کی پیدائش آدم کی پسلی سے نہیں ہوئی جس کی تصدیق قرآن کرتا ہے آیات پیش ہیں،آیت لکھنے سے پہلے ایک ضمیر مونث کے بارے میں کچھ لکھا جا رہا ہے۔

سورۃ طلاق(۶۵) آیت ۱۲:- **اللہ الذی خلق سبع سموت ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن یتعلموآان اللہ علی کل شئی قدیروان اللہ قد احاط بکل شئی علما۔**

ترجمہ:-(کہو) وہ اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ان کے مثل ہی زمین بنائیں ان میں (اللہ کی طرف سے) احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تا کہ تم لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر چیز کے اندازے قانون مقرر کرنے والا ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

اس آیت میں زمین آسمان کو ضمیر مونث جمع سے پکارا گیا ہے(ھــــن) اس جیسی غیر ذی عقل کو ضمیر مونث سے پکارا جاتا ہے اتنا لکھنے کے بعد ذیل میں آیت زیر بحث درج ہے:-

سورۃ نساء(۴) آیت؟۔ **یاایھاالناس اتقوربکم الذی خلقکم من نفس واحدہ وخلق منھما زوجھا وبث منھما رجالا کثیراونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا۔**

ترجمہ:-لوگو اپنے رب (کی نافرمانی) سے ڈرو جس نے تم کو اکیلی جان نفس واحدہ سے پیدا کیا (اور جس مٹی سے نفس واحدہ پیدا کیا) اسی جنس مٹی سے ("ھــــا" سے) اس کا وہ جوڑا (حوا) کو پیدا کیا اور (صرف) ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیے۔اور اس اللہ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو جس کے نام سے سوال کرتے ہو اور قرابت داری کے معاملہ بدسلوکی سے پرہیز کرو یاد رکھو اللہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

نوٹ:-فوزان صاحب کو ضمیر (ھـمـا) نظر نہیں آئی،جس میں صاف ہے ان دونوں سے مرد وعورت دنیا میں پھیلائے،کیا قرآن کا اس طرح انکار درست ہے؟

مفسرین نے حوا کو آدمؑ کی پسلی سے جنت میں پیدا ہونا لکھا ہے۔کیا یہ درست ہے؟ جب کہ آدمؑ و حوا کو اللہ نے ایک ساتھ پیدا کر کے جنت میں داخل کیا؟ اوپر آیات درج ہیں۔

آیت میں "خـلـق مـنـھـا زوجـھـا" ہے۔اگر آدمؑ کی پسلی سے حوا پیدا ہوتیں تو ضمیر مذکر "منـہ" آتی نہ کہ "ھا"۔اس سے ثابت ہوا کہ پسلی والی روایت غلط ہے۔صحیح کیا ہے؟ وہ یہ کہ سورۃ طلاق کی

آیت میں زمین،آسمان کے لیےضمیر مونث جمع آئی ہے،اس لیےان کی قسم سے جو چیزیں بھی ہوں گی وہ ضمیر مونث سے پکاری جائیں گی۔اور"منھا"میں ضمیر مونث واحد ہے،تو ثابت ہوا کہ اس کا تعلق آدمؑ سے نہیں، بلکہ اس مٹی سے ہے،جس سے آدمؑ کو پیدا کیا۔اور اسی سے حوا کو پیدا کیا۔اس لیے حوا کو آدمؑ کی پسلی سے پیدا ماننا غلط ہے۔

اللہ نے قرآن میں بتادیا کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا،اور یہ بھی علم دے دیا کہ ایک انسان اکیلا پیدا نہیں کیا، بلکہ جوڑے سے پیدا کیا۔تو دوسری جگہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ یہ بتادے کہ حوا پسلی سے پیدا کی گئیں؟ اگر ایسا ہوتا تو قرآن میں تضاد پیدا ہو جاتا،مگر قرآن میں تضاد نہیں آیت درج ہے۔

سورۃ نساء(۴) آیت۸۲:-کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟اگر یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا،تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔

سورۃ ق(۵۰) آیت۲۹:-میرے یہاں بات بدلتی نہیں،اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔

ان دو آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن میں اختلاف نہیں ہے۔جو ایک جگہ بات کہی گئی ہے وہی دوسری جگہ بھی ہے۔یہ نہیں ہوسکتا کہ اب کچھ کہا اور کچھ وقفہ کے بعد کچھ کہا۔ایسے ہی اللہ کی بات کا طریقہ نہیں بدلتا۔اس لیے اللہ نے جب یہ کہا کہ مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں،تو اللہ نے جب بھی پہلا بشر پیدا کیا، نفس واحدہ،وہ مٹی سے ہی پیدا کیا،جوڑے کے ساتھ یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ مٹی کی بات کہہ کر اللہ پہلے انسان کو فوزان صاحب کے قول کے مطابق مختلف مراحل سے گذار کر بندر بناتا اور پھر بندر سے انسان کو پیدا کرتا۔ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔اس لیے اللہ نے پہلا بشر مٹی سے بنایا،جس کو سورۃ نساء آیت ایک میں نفس واحدہ کہا گیا،اور سورۃ بقرۃ آیت ۳۵ یا دوسری آیات میں اس کو آدمؑ کے نام سے پکارا گیا۔مگر افسوس ہے کہ فوزان صاحب کو پہلے انسان کا جس کو نفس واحدہ کہا گیا ہے قرآن میں نام نہیں ملا۔اور یہ بھی کہا کہ کیا آدمؑ حوا انسان نہیں تھے؟ جو وہ اللہ سے نہ ڈرتے ہوں، یقیناً وہ انسان تھے،بندر نہ تھے۔یہ اعتراض ضد کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ایسے اور بھی اعترض کئے ہیں،جن کا ذکر کرنا کچھ ضروری نہیں۔قارئین خود پڑھ کر فیصلہ کریں گے۔ان کا جواب بھی مضمون بالا میں مضمر ہے۔

موصوف نے سورۃ قیامہ(۷۵) کی آیات ۳۷-۳۸-۳۹ لکھی ہیں،پھر جو سوال کیا ہے،وہ بھی پیش ہے:-

انسان اس منی کا قطرہ نہیں،جسے رحم میں ڈالا جاتا ہے؟ پھر علقہ بنا پھر اسے خلق کر کے ٹھیک ٹھاک کیا،پھر اس

سے عورت اور مرد کا جوڑا بنایا۔

موصوف یہ بتائیں وہ پہلا مرد کونسا تھا؟ جس نے رحم میں پہلی بار منی کا قطرہ ڈالا۔کیا موصوف کو قرآن کی آیت سے معلوم نہ ہوا کہ وہ قطرہ کون ڈالتا ہے؟اور دستور زمانہ بھی شاہد ہے کہ وہ قطرہ مرد ہی یعنی نر، مادہ کے رحم میں ڈالتا ہے۔ایسے ہی پہلے مرد(نفس)واحدہ آدمؑ نے وہ قطرہ منی ڈالا۔اس آدمؑ نے جو مٹی سے بنا تھا،جس کو نفس واحدہ کہا گیا ہے۔اور آدمؑ وحوا کو چھوڑ کر سارے انسان قطرہ منی سے ہی بنتے ہیں(حضرت عیسیٰؑ کو چھوڑ کر)،جن کی تصدیق کے لیے فوزان صاحب نے بھی آیات لکھی ہیں کہ انسان کی شروعات مٹی سے،اور پھر قطرہ منی سے ہوئی۔موصوف کو اپنا لکھا بھی یاد نہیں رہا۔اللہ رحم کرے۔

موصوف پھر بھی یہی رٹ لگا رہے ہیں کہ یا یہ بھی نہیں کہا گیا کہ گیلی مٹی کے سلالہ سے صرف آدمؑ پیدا کیے گیے اور بقیہ انسان ذلیل پانی کے سلالہ سے۔یہ تصدیق بھی موصوف خود کر رہے ہیں اور ایک بات کو بار بار لکھ رہے ہیں کیوں؟ پھر موصوف ایک رٹ اور لگا رہے ہیں کہ مگر دیکھا جائے کہ قرآن نے یہ کہنے سے کہ ''ہم نے انسان کو آدمؑ سے پیدا کیا مکمل طور پر پرہیز کیا ہے''یہ بھی قرآن کو جھٹلانے کے مترادف ہے کیا قرآن میں سورۃ نساء کی آیت ایک اور سورۃ الحجرت کی آیت ۱۳ نہیں پڑھی جس میں کہا گیا ہے۔ان دونوں نر اور مادہ سے بہت سے انسان پھیلا دیے اور اس نر کا نام آدمؑ بھی بتادیا۔

فوزان صاحب کو ایک بات کے بار بار دھرانے کی عادت ہوگئی ہے جب ان سب کا جواب اوپر آیات میں لکھا،اور جن کو موصوف نے بھی لکھا ہے،پھر ان سے اعتراض کیوں؟اب وہ آیات پیش ہیں جن میں پہلا انسان آدمؑ بتایا گیا ہے،شاید فوزان صاحب کی عقل میں آجائے۔اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق آدمؑ کو بنایا ان کو علم والا بنایا اور پھر فرشتوں کے سامنے پیش کردیا۔

سورۃ بقرہ(۲) آیت۳۱:-اور اللہ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

سورۃ بقرہ(۲) آیت۳۲:-ان سب نے کہا کہ اے اللہ!تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے۔پورے علم وحکمت والا تو ہی ہے۔

سورۃ بقرہ(۲) آیت۳۳:-اللہ تعالیٰ نے آدم سے فرمایا تم ان کے نام بتادو جب انہوں نے بتا دیے تو فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں۔اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

سورۃ بقرہ(۲) آیت۳۴:-اور آدم کے لیے فرشتوں سے سجدہ کرادیا۔

ان آیات میں صراحتاً ہے کہ پہلے انسان آدمؑ تھے،جس کی تصدیق آیات قرآنی سے ہو رہی ہے۔میں یہ سمجھ پایا ہوں کہ موصوف کا یہ مقالہ لکھنے کا مقصد ڈارون کے نظریہ ارتقا کو منوانا ہے اور آیات قرآن کا انکار کرنا ہے۔کیا ایسی سوچ مناسب ہے؟ ہرگز نہیں!اللہ ہم سب کو قرآن کے انکار سے محفوظ رکھے،اور قرآن پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا انحراف حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور ان کی موت کے بارے میں ہے۔اس انحراف میں بھی قرآن کی آیات کو جھٹلایا گیا ہے۔کیا لکھا ہے؟ پیش ہے:-

صفحہ۵۹:-یہ بات اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ آدمؑ کو مٹی کے پتلے سے پیدا کیا جانا اور ان کو پہلا انسان ہونے کا عقیدہ یہودیوں میں صدیوں سے رائج اور راسخ تھا۔حضرت مریمؑ بھی دین موسوی کو ماننے والی ایک پاک دامن اور خدا ترس انسان تھیں، جو یہودی احبار کے من گھڑت اور خلاف فطرت قانون اور بے جا رسم کے مطابق شادی نہیں کرسکتی تھیں۔مگر وہ اس بے جا رسم اور پابندی کو درست نہیں مانتی تھیں۔چنانچہ ان کی منگنی خفیہ طور پر یوسف نجار نام کے شخص سے ہوگئی۔گویا نکاح منعقد ہوگیا تھا،اور ان میں ازدواجی تعلق بھی جائز طور پر قائم ہوگیا تھا۔البتہ اس کا اظہار کرنا دونوں کے لیے خطرہ اور موت کو دعوت دینا تھا،کیونکہ یہ شادی بغاوت تھی، لہٰذا وہ دونوں خفیہ طور پر یہودی عبادت خانہ سے فرار ہوگئے۔اور جب حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوگئی،تو یہ مشتہر کرنا پڑا کہ حضرتؑ بن باپ کے پیدا ہوئے۔ورنہ اگر یہ پتہ چلتا یا ثابت ہوتا کہ حضرت مریمؑ نے راہبہ ہونے کے باوجود بغاوت کر کے یوسف نجار سے شادی کی تھی،تب تو دونوں پھانسی پر لٹکا دیے جاتے۔

صفحہ۶۱:-پھر قسطنطنیہ کے پیٹریرک نسطوریولس سامنے آئے۔جنہوں نے کہا کہ مسیح کی دو الگ شخصیتیں یا دو اقنوم ہیں۔انسانی اقنوم مسیح اور الٰہی اقنوم۔

اور یہ کہ مریم کو کنواری سے یا الٰہ سے موسوم کرنا جائز نہیں ہے۔بلکہ وہ انسان ہیں،جنہوں نے مسیح کو انسانی شخصیت کے ساتھ جنم دیا اور مسیح انسان کی طرح صلیب پر وفات پائے۔(راقم کے خیال سے مسیح کی صلیب پر وفات پانے کی بات صحیح ہے۔فوزان)

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قرآن کیا معلومات فراہم کرتا ہے؟ پیش ہے:-

پیدائش

سورۃ آل عمران(۳) آیت۴۲:-پھر وہ وقت آیا جب فرشتوں نے کہا تھا کہ اے مریم!یقیناً اللہ نے تجھے

برگزیدہ کیا ہے اور تجھے پاک بنایا ہے اور تجھے دنیا بھر کی تمام عورتوں پر ترجیح دے کر منتخب فرمایا ہے۔

سورۃ آل عمران(۳) آیت۴۴:-(پھر وہ وقت بھی آیا اللہ کے قانون کے مطابق) جب فرشتے نے کہا کہ اے مریم!اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کے ذریعہ(ایک لڑکے کی)بشارت دیتا ہے۔اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا اور وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا۔اللہ کے مقرب بندوں میں ہوگا۔

سورۃ آل عمران(۳) آیت۴۶:-گہوارے مہد یعنی چھوٹی عمر اور بڑی عمر میں لوگوں سے(اچھی)بات کرے گا اور وہ ایک مرد صالح ہوگا۔ہر عمر میں عقل مندی کی بات کرے گا۔

سورۃ آل عمران(۳) آیت۴۷:-(سن کر)بولی ہائے میرے رب!میرے لیے لڑکا کہاں سے ہوگا؟ حالانکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔کہا،ایسا ہی ہوگا۔اللہ پیدا کرتا ہے جو اس کے قانون میں ہوتا ہے،جس کو وہ چاہتا ہے۔جب وہ کسی کام کا فیصلہ کردے تو وقت آنے پر اس کے متعلق فرمادیتا ہے کہ ہوجا،وہ ہوجاتا ہے۔

سورۃ آل عمران(۳) آیت۴۸:-اور اللہ اسے لکھنا سکھائے گا اور اپنی حکمت بھری کتاب تورات اور انجیل سکھائے گا۔

سورۃ مریم(۱۹) آیت۱۶:-اور کتاب قرآن میں مریم کا بھی ذکر کرو۔جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہوکر ایک شرقی مکان میں چلی گئی۔

سورۃ مریم(۱۹) آیت۱۷:-تو انہوں نے ان لوگوں کی طرف سے پردا کرلیا تھا۔اس وقت ہم نے اس کی طرف اپنا ایک فرشتہ بھیجا،وہ اس کے سامنے اچھے خاصے آدمی کی شکل میں کھڑا ہوا۔

سورۃ مریم(۱۹) آیت۱۸:-مریم بولی اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے،تو میں اللہ کے نام سے تجھ سے پناہ مانگتی ہوں۔

سورۃ مریم(۱۹) آیت۱۹:-اس نے کہا میں اللہ کا بھیجا ہوا(فرشتہ)ہوں۔ایک پاکیزہ بیٹے کی بشارت دوں۔

سورۃ مریم(۱۹) آیت۲۰:-مریم بولی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو جب کہ کسی مرد نے مجھے چھوا ہی نہیں، اور میں بدچلن بھی نہیں ہوں۔

سورۃ مریم(۱۹) آیت۲۱:-فرشتے نے کہا ایسے ہی ہوگا۔تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ کام میرے لیے آسان ہے۔ہم اس لڑکے کو تمام انسانوں کے لیے ایک نشانی بنادیں گے اور رحمت کا ظہور ہوگا،اور یہ کام ہر حال میں ہوکر رہے گا۔یہ طے شدہ ہے۔

سورۃ مریم (۱۹) آیت ۲۲: -پس مریم حاملہ ہوگئی اور اس حالت میں لوگوں سے الگ ہوکر دوسرے مقام پر چلی گئی۔

سورۃ مریم (۱۹) آیت ۲۷: -پھر وہ لڑکے کو گود میں لیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی وہ لوگ کہنے لگے اے مریم! تو نے برا کام کیا۔

سورۃ مریم (۱۹) آیت ۲۸: -اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدچلن تھی۔

سورۃ مریم (۱۹) آیت ۲۹: -تو مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا، وہ بولے کہ ہم اس سے کہ گود کا بچہ ہے کیونکر بات کریں۔

سورۃ مریم (۱۹) آیت ۳۰: -بچے نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ بے شک اس کی قضا وقدر ہی میں میرے لیے یہ فیصلہ ہے کہ وہ مجھے کتاب اور نبوت سے نوازے گا۔

سورۃ مریم (۱۹) آیت ۳۱: -اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا۔

مذکورہ بالا آیات میں صریحاً بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا کیا گیا، اور ہم کو اللہ کے اس فرمان پر یقین کرنا چاہیے، تب ہی ہم مسلم ہیں۔ لیکن فوزان صاحب نے اس حقیقت سے انکار کیا اور کہا کہ مریم نے چھپ کر خفیہ طریقہ سے یوسف نجار سے شادی کی، اور اسی سے بچہ پیدا ہوا۔ یہ عقیدہ تو صریحاً قرآن کے خلاف ہے، اور قرآن کا انکار ہے۔ مسلم کے لیے کسی بھی حالت میں قرآن کا انکار مناسب نہیں ہے۔

اس شادی کو خفیہ بتایا گیا ہے تو کیا اس شادی کا پتہ اللہ کو بھی نہ ہوا کہ مریم کی شادی یوسف نجار سے ہوگئی؟ دنیا میں ہر کام اللہ کی جانکاری میں ہوتا ہے، پھر اللہ کے علم میں یہ شادی کیوں نہ آئی اور کیوں نہ یوسف نجار کا پتہ چلا، اگر پتہ چل جاتا تو یقیناً عیسیٰ ابن مریم نہ کہتا بلکہ عیسیٰ ابن یوسف کہتا۔ کیا یہ ممکن ہے؟ اور موصوف لاعلمی کا الزام اللہ پر بھی لگا رہے ہیں (نعوذ)۔ دوسری بات یہ کہ آیت میں ہے کہ حضرت کہتے ہیں کہ اس نے مجھے والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے۔ اگر عیسیٰؑ کے باپ ہوتے، تو وہ ضرور دونوں کے خدمت گزار ہوتے۔ یہاں فوزان صاحب نے حضرت عیسیٰؑ کو باپ کا نافرمان ثابت کردیا، کہ باپ ہوتے ہوئے باپ کی خدمت نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے؟

غالباً فوزان صاحب کی دلیل یہ ہوسکتی ہے کہ بغیر مرد و عورت کے ملے بچہ پیدا ہونا ممکن نہیں۔ ہاں یہ

بات درست ہے۔ لیکن اللہ کی قدرت کاملہ بھی تو کچھ ہے۔ تاہم اگر قرآن کو تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو اس اعتراض کا جواب بھی مل سکتا ہے۔ آج کا دور ایک سائنسی دور ہے اور سائنس ہر روز ہر لمحہ ایک عجیب بات پیش کررہی ہے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۵۴: -اور کفار نے عیسیٰؑ کو قتل کرنے کی تدبیر کی اور اللہ نے اس کو بچانے کے تدبیر کی اور اللہ سب سے اچھی تدبیر کرنے والا ہے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۵۵: -جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰؑ میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں (یعنی تمہارے درجے بلند کرنے والا ہوں) اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر غالب کرنے والا ہوں۔ قیامت کے دن تک، پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے، میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا۔

سورۃ النساء (۴) آیت ۱۵۶: -اور ان کے دلوں پر یہ مہر ان کے کفر کی وجہ اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب لگی۔

سورۃ النساء (۴) آیت ۱۵۷: -اور یہ کہنے لگے کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کو جو اللہ کا رسول کہتا تھا، قتل کردیا، (لیکن ایسا نہیں ہے) نہ تو انہوں نے قتل کیا، نہ سولی پر چڑھا کر ہلاک کیا، بلکہ وہ شبہ میں پڑ گئے۔ (ان کے لیے مشکل ہوگیا اس کا سمجھنا) اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا، وہ بھی شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس بھی گمان اور ظن کے سوا کوئی یقینی علم نہیں ہے۔

بہرحال یہودیوں نے عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا۔ فوزان صاحب نے عیسیٰؑ کی صلیب پر موت اور باپ یوسف نجار سے پیدا ہونا لکھ کر قرآن کا مذاق اڑایا ہے۔ مذکورہ بالا عبارت میں جناب کبیرالدین فوزان صاحب کے مقالہ کا جواب دیا گیا ہے، موصوف کے خیالات اجنبی ہیں، قرآن ان کی تائید نہیں کرتا۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ موصوف کے مقالہ اور اس کے جواب کو غور وفکر کے ساتھ مطالعہ کریں۔ اگر میں نے کہیں غلطی کی ہے تو اصلاح کرنے کی مہربانی کریں۔ شکریہ۔

مدیر تہذیب الاخلاق جناب ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کی خدمت میں بغرض شامل اشاعت۔

والسلام

عارض سکندر احمد کمال

(۲۹)

قرآن میں امت واحدہ کا تصور

رہبران قوم کی طرف سے اکثر یہ سننے کو ملتا ہے کہ مختلف مسالک سے فرار ممکن نہیں، کیونکہ یہ بہت پرانے ہوگئے ہیں، اور قوم ان پر عمل پیرا ہے۔ گویا یہ حق ہیں۔ بس اتنا کام کرنا ہے وہ یہ کہ ان مسالک کے ماننے والوں میں جو شدت پیدا ہوجاتی ہے، اس کو کم کیا جائے اور ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہوئے سب کو حق پر تسلیم کرتے رہیں۔ یعنی رواداری برتیں۔ کیا یہ ممکن ہے؟ ان حضرات کا یہ فرمان ان کا اپنا ذاتی خیال تو ہوسکتا ہے۔ قرآن اس کی تصدیق نہیں کررہا۔

مشاہدہ تو اس کو غلط بتا رہا ہے وہ یہ کہ مختلف فرقے والے ایک دوسرے کو قتل کررہے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ وہ کافر ہیں۔ جہنم کے کندہ ہیں اور میں ناجی ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور روایت بھی ہے کہ ''اختلاف امتی رحمت' ' یعنی نبیؐ نے فرمایا میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ اس اختلاف امت کو درست بتانے کے لیے بہت بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر یہ مختلف مسالک نہ ہوتے تو مجھے بڑا افسوس ہوتا اس لیے کہ اتفاق ہونے پر صرف نبی کی ایک سنت پر ہی عمل ہو پاتا، باقی اختلافی عمل فراموش ہوجاتے۔ اس لیے اختلاف میں نبی کی ہر سنت پر عمل ہورہا ہے۔ یہ رحمت ہے۔

مگر عملی زندگی میں یہ اختلاف امت، رحمت نہیں زحمت ہے۔ یہ اختلافات صرف شوریٰ (پارلیمنٹ) میں رحمت ہیں، جہاں پر کوئی مسئلہ پیش ہو اور شوریٰ میں شوریٰ کے لائق رکن اس مسئلہ کے بارے میں اپنی رائے خلوص کے ساتھ قرآن کی روشنی میں پیش کریں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہر رکن کی رائے مختلف ہو، اور ان مختلف آراء پر بحث ہوکر کوئی صحیح حل سامنے آجائے، اور اس حل پر سب کا اتفاق ہو۔ اتفاق ہونے کے بعد شوریٰ سے باہر آکر اس پر عمل ہوگا، شوریٰ کے باہر اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ جو اختلاف کرے گا وہ مجرم ہوگا۔ شوریٰ کے اندر اختلاف کی اجازت ہے، باہر تو اتفاق سے کام ہوگا۔ اس اتفاق پر جو شوریٰ میں طے ہوگیا۔ اس لیے اختلاف شوریٰ کے اندر رحمت ہے، باہر شرک ہے، زحمت ہے۔

اور یہ بھی لکھا ملتا ہے کہ ''خطائے بزرگاں گرفتن خطاست'' بزرگوں سے اگر کوئی لغزش

ہوجائے تو اس پر اعتراض نہ کرو گرفت نہ کرو بلکہ اس کو درست تسلیم کرو، یہ کہتے ہوئے کہ بزرگ کے قول کو ہم سمجھ نہیں پائے، یہ ہماری کوتاہی ہے، کم عقلی ہے۔ ویسے بزرگ کا قول درست ہے، بس مان لو۔

اور ہم نے ان کے اختلاف کو مان لیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ اختلاف امتی رحمت۔ اس روایت سے ہر فرقہ برحق ہوجاتا ہے۔ مگر فرقے والے اس بات کو کبھی گوارہ نہیں کرسکتے کہ سب کو برحق مانا جائے۔ اس لیے سب برحق بھی اور سب باطل بھی۔ لیکن اس طرح بات بن نہیں رہی تھی۔ اس میں ایک کمی نظر آرہی تھی۔ یعنی سب حق پر؟ یہ کیسے ہوسکتا تھا؟ اس لیے ایک روایت اور سامنے لائی گئی۔ جس میں محمدؐ سے منسوب کیا گیا کہ میری امت میں ۷۳ فرقے ہوں گے اور ان میں سے ایک ناجی ہوگا، باقی ۷۲ دوزخی۔ اس چور دروازے کو چوپٹ کھول دیا، ایک فرقے کی استثنا سے۔ بس پھر کیا تھا، ہر فرقہ اپنے کو ناجی اور دوسرے کو دوزخ کا کندہ مانتا ہوا مگن ہے۔ ''کل حزب بما لدیھم فرحون'' اس استثناء نے وہ گل کھلائے کہ امت کا شیرازہ منتشر ہوگیا، ساری عزت خاک میں مل گئی، حکومت گئی، قتل عام ہورہا ہے، عزت محفوظ نہیں ہیں، جانے کیا کیا ہوا، اور جانے کیا کیا ہوگا؟

تھوڑا رک کر اس فارسی کے مصرے کا مطلب بھی جان لیا جائے جو میں نے سمجھا ہے۔ اللہ کرے قارئین بھی ایسا ہی سمجھ لیں، اور نہیں سمجھتے ہیں تو جھگڑا کچھ نہیں 'لکم دینکم ولی دین'۔

خطائے بزرگاں گرفتن خطاست کا مطلب یہ ہے کہ اگر بزرگوں سے کوئی لغزش ہوجائے تو اس کو درست مان کر اس پر عمل نہ کیا جائے، اس کو نہ پکڑا جائے، اس لغزش پر عمل کرنا خطا ہے۔ بلکہ قرآن کی طرف رجوع کیا جائے۔ وہاں سے حل لیا جائے۔ اللہ کہتا ہے کہ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اولی الامر کی، اگر کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو واپس کرو اللہ اور رسول کی طرف۔ یعنی شوریٰ میں یہ قرآن کا حل ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جاتا تو آج مختلف فرقے نہ ہوتے۔ اور اختلاف کا نام ونشان نہ ہوتا۔ ہوتا کیسے؟ اللہ نے ہی اختلاف کو ختم کردیا تھا، نبیؐ اور کتاب کے ذریعہ۔

سورۃ بقر (۲) آیت ۲۱۳: -ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی کی بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی گئی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہوگئے تھے ان کا فیصلہ کرے۔ اختلافات ان لوگوں نے کیے، جنہیں حق کا علم دیا جاچکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایت پانے کے بعد اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ آپس میں بغض اور ضد کے

تحت زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے انہیں اللہ نے اپنے اذن (قانون) سے حق کا راستہ دکھا دیا، جس حق میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا، اللہ راہ راست دکھا دیتا ہے اس کو، جو خود چاہتا ہے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۱۰۳:۔اور ایمان والو! اللہ کی کتاب کو سب مل کر مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اور آپس میں افتراق کر کے فرقے فرقے نہ ہو جانا اور اللہ کی رحمت کو یاد کرو جو تم پر کی گئی ہے (ایک وقت وہ تھا) جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پھر تم اللہ کی مہربانی کے ساتھ بھائی بھائی بن گئے (تمہاری حالت یہ تھی کہ) تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر اس نے تمہیں آگ سے بچا لیا۔ اللہ اس طرح تمہارے لیے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تا کہ تم ہدایت پاتے رہو۔

مذکورہ بالا آیات میں یہ ظاہر ہوا کہ اللہ نے نبیوں کے ذریعہ ہمارے اختلافات کو ختم کر دیا، اور بتایا کہ اختلاف کرو گے تو کیا ہوگا۔

سورۃ انفال () آیت ۴۸:۔اور اللہ اور رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا تنازع نہ کرو اگر ایسا کرو گے تو تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔ صبر سے کام لو اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔

مذکورہ بالا آیات نے یہ بتا دیا کہ سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو پکڑ لو اس کے مطابق عمل کرو۔ سب کے سب انفرادی طریقے سے نہیں، ان آیات کے مطابق اسلامی زندگی اسی صورت میں بسر ہو سکتی ہے جب پوری امت ایک ہی طریقے پر چل رہی ہو۔ اگر اس میں مختلف فرقے ہو گئے اور ہر فرقہ نے ایک جدا مسلک کی پیروی کر لی، تو یہ دین حنیف باقی نہیں رہ سکتا۔ دین حنیف اللہ کا پسندیدہ راستہ ہے اور فرقوں سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ فرقہ بنانے پر اللہ کیا کہتا ہے۔

سورۃ انعام (۶) آیت ۱۵۹:۔ جو لوگ اپنے دین میں فرقے بنائیں گے اور بہت سے فرقے ہو جائیں گے (اے محمدؐ) ان سے تمہارا کوئی کام نہیں (یعنی وہ تمہاری امت میں نہیں ہیں) ان کا کام اللہ کے سپرد ہے، پھر جو جو وہ کریں گے وہ ان کو سب بتائے گا۔

سورۃ روم (۳۰) آیت ۳۱:۔اس اللہ کے دین کی طرف دل سے متوجہ ہو جاؤ اور اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈرو اور نماز قائم کرو۔ اور ان مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

سورۃ روم (۳۰) آیت ۳۲:۔جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اس میں مگن ہے (ہر فرقہ اپنے کو حق مان کر مگن ہے اور کہتا ہے کہ بس میں حق پر ہوں

اور جنتی ہوں دوسرے باطل اور دوزخی ہیں)۔

جس روایت میں ایک فرقے کی استثناء ہے، یہ کھیل اس کا ہے۔ اور اسی روایت نے یہ بھی یقین دلا دیا ہے کہ فرقے ہونے کی بات رسولؐ نے فرما دی ہے، جو سچ ہے۔ اس لیے فرقے مٹ نہیں سکتے فرقوں کو مٹانے کی کوشش بے کار ہے۔ گویا ایک نفسیاتی جنگ چل رہی ہے، جس کا کوئی علاج نہیں۔ لیکن قرآن سے ثابت نہیں کہ رسولؐ نے اس طرح فرمایا ہے۔ انہوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ آپؐ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس کے ادھر ادھر کچھ ٹیڑھی لکریں کھینچیں اور کہا یہ سیدھی لکیر تو اللہ کی ہے، اور یہ ٹیڑھی لکیریں شیطان کی ہیں، اس لیے سیدھی لکیر پر چلنا۔ اگر ٹیڑھی پر چلو گے تو شیطان کے چکر میں آ کر سیدھی راہ بھول جاؤ گے اور گمراہ ہو جاؤ گے۔

یہ ہے رسولؐ کا فرمان۔ نہ کہ ۷۳ فرقے ہونا۔ لکیروں والی روایت قرآن کی آیت کی تشریح ہے، جو درست ہے، اور ۷۳ فرقوں والی روایت اس کے خلاف۔ اور خلاف بات رسولؐ نہیں فرما سکتے تھے۔ اس لیے یہ روایت موضوع ہے۔ قوم پریشان ہے کہ کس کو مانے۔ قرآن کہتا ہے کہ میرے اندر ہر اختلاف کے دور کرنے کی صلاحیت ہے، جس صلاحیت سے نبیؐ نے اختلافات کو دور کیا تھا اور اللہ نے انسانوں کو متحد کر دیا تھا۔ ان کے دل متحد ہو گئے تھے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے قوم کے رہبر یہ کہتے ہیں کہ مسلک ختم نہیں ہو سکتے، ان کی شدت کو کم کیا جا سکتا ہے۔ کیا اس قول کو تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ یہ ان رہبروں کا اپنا خیال ہے۔ اگر ان کا خیال درست ہے تو اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کی وہ صلاحیت جس سے فرقے ختم ہو گئے تھے، نبیؐ کے ذریعہ سے وہ ختم ہو گئی ہے (نعوذ)۔ کیا اس بات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ قرآن اپنی اس صلاحیت کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ پیش ہے۔

سورۃ آل عمران (۳) آیت ۱۰۱:۔ایمان والو! تم کس طرح انکار کرو گے (اختلاف کرو گے) جب کہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے (حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ (یعنی اللہ کی کتاب ۳-۱۰۳) کو مضبوط پکڑے گا، وہ بلاشبہ سیدھی راہ کی طرف چلا دیا گیا۔

اس آیت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جب تک امت میں رسول اور قرآن موجود ہوں گے، فرقے پیدا نہیں ہو سکتے اور امت گمراہ نہیں ہو سکتی ہے۔

اس سے ہمارے سامنے ایک اور رسول آ گیا، وہ یہ کہ رسول اللہ کی موجودگی (یعنی زندگی) تک امت کو فرقوں سے بچے رہنا تھا، لیکن آپؐ کے بعد فرقوں سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہیں تھی کیونکہ کفر اور

فرقوں سے محفوظ رہنے کے لیے قرآن اور رسول دونوں کی موجودگی ضروری ہے اور جب ان میں سے ایک جزو رسول باقی نہ رہا تو فرقہ بندی اور کفر سے محفوظ رہنے کا امکان باقی نہ رہا۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ تم نے بات کو صحیح طور پر سمجھا نہیں، تم اس خیال میں ہو کہ ''رسول کی موجودگی'' سے مراد یہ ہے کہ جب تک محمد تم میں موجود ہیں، اس وقت تک یہ شکل باقی رہے گی، جب وہ وفات پا جائیں گے تو پھر رسول موجود نہیں رہے گا اور اختلاف اور کفر ہوگا۔ یہ سوچ غلط ہے۔ یہ سلسلہ رسول کی طبعی زندگی یا رسول بشر سے مشروط نہیں ہے۔ محمد آخری نبی ہیں۔ ان کا انتقال ہو چکا، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ان کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ کافر ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی مطلب نہیں، جیسے غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا، وہ کافر ہے۔ محمدؐ کے انتقال کے بعد بھی یہ اتحاد قائم رہے گا۔ چنانچہ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴ میں یہ کہہ کر اس کی صراحت کر دی گئی ہے ''اور جو محمد ہیں وہ یقیناً اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت رسول گزر رہے ہیں، بھلا اگر یہ مر جائیں یا قتل کر دئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ (یعنی مرتد ہو جاؤ گے) اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا نقصان نہیں کر سکے گا، اور اللہ اچھا بدلہ دے گا اچھی محنت کرنے والوں کو''۔

اس سے بات بالکل واضح ہو گئی، یہ کہ **فیکم رسولہ** سے مراد رسول اللہ کی طبعی زندگی نہیں، آپ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور جاری رہے گا۔ رسول سے مراد بشر رسول کے علاوہ اور کیا ہے، اس کی وضاحت ایک دوسری آیت سے ہو رہی ہے۔

سورۃ الزخرف (۴۳) آیت ۴۵:۔(اے محمد!) ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بشر بھیجے تھے وہ تو زندہ نہیں ہیں، مگر جو کتابیں ان کے ساتھ ارسال کی تھیں، وہ موجود ہیں۔ ان سے پوچھ لو، یعنی پڑھ کر دیکھ لو۔ کیا ہم نے اپنے علاوہ کوئی اور معبود مقرر کیا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے؟۔ (اس آیت کا ترجمہ سابق میں دوسرا ہے، پڑھ کر دیکھ لو)

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسولوں کے ساتھ ارسال کی ہوئی کتابیں بھی رسول ہیں۔ اس لیے محمدؐ کے انتقال کے بعد اب قیامت تک امت کے پاس قرآن کی شکل میں رسول موجود رہے گا، جو محمدؐ نے اللہ سے لے کر امت کو دیا ہے اس بات کی تائید درج آیات بھی کر رہی ہیں کہ کتاب بھی رسول ہے (سورۃ یونس آیت ۹۴، سورۃ انبیا آیت ۲۴ سورۃ الزمر آیت ۷۱، سورۃ الدخان آیت ۱۳) وغیرہ۔

جب رسول اللہؐ وفات پا گئے تو امت میں کہرام مچ گیا۔ شدت جذبات میں بعض لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہو گیا کہ جس نظام کو رسول اللہؐ نے قائم کیا تھا، اب وہ ختم ہو گیا۔ اس نظام کو قائم کرنے کے لیے

(**فیکم رسولہ**) شرط تھی، اس غلط فہمی کو حضرت ابو بکرؓ نے اپنی تقریر میں پوری طرح سے بتا دیا، واضح کر دیا کہ **فیکم رسولہ** کا مطلب کیا ہے۔ لوگوں کی سمجھ میں بات آ گئی اور فوراً ہی نبیؐ کے مقرر کیے ہوئے جانشین حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے حالات کو سنبھال لیا، اور ان پر ظاہر ہوا کہ کسی کے جانشین کی موجودگی خود اس کی موجودگی ہوتی ہے۔ اس طرح امت میں قرآن (جو رسول ہے) اور رسول کا جانشین بدستور رہتا ہے۔ مگر افسوس آج ہمارے ہاتھ سے رسول یعنی محمدؐ اور قرآن جو رسول ہے اور رسول کا جانشین خلیفہ تینوں کا دامن چھوٹ گیا اور ہم نے ان سے انحراف کر کے فرقے بنائے اور مشرک ہو گئے اور ایک امیر کی جگہ پر جو حقیقی سنت ہے، بہت سے امیر بنائے۔ ایک حکومت کی جگہ بہت سی حکومتیں ہیں۔ اور آج ہمارے اندر اتنے اختلافات موجود ہیں جن کا شمار نہیں اور ہر ایک اپنے کو حق مان رہا ہے۔ لیکن یہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام صرف قرآن میں ہے، جس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، ہر فرقے کو ختم کر کے ایک ہونے کے لیے آج بھی قرآن ہم کو بلا رہا ہے، کیونکہ قرآن میں وہ صلاحیت ہے کہ قوم کو ایک کر دے۔ جیسے پہلے کیا تھا۔ اگر اس قرآن کی پکار پر ہم عمل کر لیں تو پھر ہماری قسمت بدل جائے۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اب قرآنی نظام کے قیام کا کوئی امکان نہیں، تو اسے کم از کم اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا نہیں رکھنا چاہیے کہ ہماری موجودہ زندگی اسلامی زندگی ہے، فرقوں کی موجودگی میں اسلامی زندگی نہیں ہو سکتی ہے۔ مجھے یہ احساس ہے کہ ہم اس حقیقت کو سامنے لانے کے لیے با آسانی تیار نہیں ہوں گے، ہم اسے کبھی تسلیم نہیں کرنا چاہیں گے کہ فرقوں کو ختم کر دیا جائے، ہم کو یہ بتا رکھا ہے کہ بغیر فرقوں کے اسلامی زندگی بسر نہیں ہو سکتی۔ ہمارے نزدیک قابل قبول یہی عقیدہ ہوگا کہ تمام فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ حق پر ہے، اس عقیدہ سے ہم کو یہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ جس فرقہ سے میں تعلق رکھتا ہوں وہ حق پر ہے۔ لہٰذا اس کے مطابق زندگی اسلامی ہے۔ جو نظریہ ہم سے یہ اطمینان چھینتا ہے وہ ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ ہم کو اس کے خلاف غصہ آئے گا۔ لیکن ہمارا یہ غصہ خود قرآن کے خلاف ہونا چاہیے، جو فرقہ بندی کو شرک قرار دے رہا ہے، فرقہ والوں کو امت محمدؐ سے خارج کر رہا ہے نہ کہ اس کے خلاف، جو قرآن کی اس تعلیم کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ یا تو ہم یہ کہیں کہ یہ قرآن کی تعلیم نہیں اور اگر ہم اس کی تردید نہیں کر سکتے تو پھر ہمارے ناراض ہونے سے قرآنی حقیقت بدل نہیں جائے گی۔

یاد رکھیے جب تک ہم اس تلخ حقیقت کو گوارہ نہیں کر لیتے کہ فرقہ بندی کی زندگی قطعاً اسلامی زندگی نہیں ہو سکتی ہے قرآن کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر نہیں آ سکتے۔ صراط مستقیم صرف ایک ہے۔ جب امت

فرقوں میں بٹ جائے اور مختلف مسالک اختیار کر لے تو پھر صراط مستقیم کسی کے سامنے نہیں رہتا۔ سورہ انعام آیت ۱۵۳ میں ہے جو کہ اس طرح بیان ہے:- اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اس پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا کہ اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے۔

رسول اللہ نے اس آیت کی وضاحت کی ہے لکیر کھینچ کر۔ بات پھر وہیں آ گئی کہ:-

(۱) فرقے صرف اسلامی نظام سے جو قرآن میں ہے، مٹ سکتے ہیں۔

(۲) اسلامی نظام کے معنی ہیں ایک ایسے معاشرہ کا قیام جو قرآنی اصولوں کے مطابق وجود میں آئے اور جس کا تمام کاروبار قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔

(۳) اس معاشرہ کی طرف سے جو قوانین نافذ ہوں گے ان کا اطلاق معاشرہ کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہوگا۔ اس میں نہ کوئی فرقہ ہوگا، نہ کسی فرقہ کی الگ فقہ ہوگی، نہ مختلف تراجم و تفاسیر ہوگی۔ قرآن سب کا ضابطہ حیات ہوگا۔ یہ کب ہوگا؟ جب ہم اللہ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے فرمانبردار بن جائیں گے، تو اللہ کا انعام ہوگا۔ یعنی امن و حکومت دنیا میں اور جنت آخرت میں۔

یہ اللہ کا انعام ہے، جس کا وعدہ اللہ نے اپنے ضابطہ حیات کی پابندی کرنے والوں سے کیا ہے۔ اگر کوئی پوری طرح سے پابندی نہیں کرتا تو اس کے لیے بہت راستے ہیں، جدھر چاہے چلا جائے۔ اللہ تو کہتا ہے کہ پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ یہ نہیں چلے گی کہ کچھ اسلام کی مانو اور کچھ اپنے نفس کی۔ اللہ کا مطالبہ پورے کا پورا داخل ہونے کا ہے۔

لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ جس ضابطہ حیات قرآن پر عمل کرنے سے مومن بنتے ہیں، جس پر اللہ کا وعدہ انعام دینے کا ہے، شاید موجودہ مسلمان جلدی سے تیار نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سب فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور کوئی فرقہ اپنی فقہ چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتا، ہر فرقہ اپنے کو برحق مان رہا ہے دوسرے کو باطل۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم موجودہ مسلمانوں میں نہ ایسا نظام قائم ہو سکتا ہے نہ فرقے مٹ سکتے ہیں، مگر فرقوں کا مٹنا، ناممکن نہیں ہے۔ البتہ مشکل ضرور ہے۔

مذکورہ بالا تحریر سے یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اسلامی نظام اس قوم میں قائم ہو سکے گا، جو مندرجہ بالا اصولوں کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام لائے گی۔ خواہ وہ موجودہ مسلمانوں میں سے ہوں، خواہ پہلی بار اسلام لائے ہوں۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو بھی جو "ایمان لانے" کو کہا ہے اس سے یہی مراد ہے، ارشاد ہے۔

سورۃ نساء (۴) آیت ۱۳۶:- اے ایمان کے دعویدارو! اب یقینی ایمان لے آؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس

کتاب پر جسے اللہ نے اپنے رسول (محمدؐ) پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز قیامت سے انکار کرے گا وہ صراط مستقیم سے بھٹک کر دور جا گرا۔

یہ از سر نو ایمان لانا درحقیقت فرقہ وارانہ زندگی کو خلاف اسلام تسلیم کر کے قرآنی نظام کے قیام کی طرف پیش قدمی کے لیے پہلا قدم اٹھانا ہے، ہر قسم کے اختلافات کو ختم کر کے اس اسلام کو قبول کرنا ہے، جو قرآن میں درج ہے۔ جو شرک اور کفر سے پاک ہے اور اگر اس طرح کا ایمان نہ لایا گیا تو اللہ کے عذاب سے بچنے کی کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ قرآن پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے، پیش ہے:-

سورۃ الزمر (۳۹) آیت ۵۵:- اور پیروی کرو اس بہترین چیز (کتاب) کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب اچانک آ جائے اور تم کو اطلاع بھی نہ ہو۔

اس طرح کی پیش قدمی بڑی دشوار گزار ہے، لیکن اس کے سوا احیاء اسلام کی کوئی صورت نہیں۔ اگر ہم اپنی موجودہ غیر اسلامی زندگی کو اسلامی کہہ کر اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں تو اس سے ہماری زندگی اسلامی نہیں ہو جاتی۔ اسلامی زندگی کے لیے امت واحدہ جس میں کوئی فرقہ نہ ہو، بنیادی شرط ہے۔ اور یہ صرف قرآنی تعلیم میں ممکن ہے۔ اللہ کرے ہم اس قرآنی نظام کو قبول کر لیں۔ (تقبل)

(۳۰)

کیا حق کو چھپانا درست ہے؟

اس بارے میں اللہ نے کیا حکم دیا ہے؟ حق کو چھپانے کی کیا سزا مقرر کی ہے؟ ایسی حالت میں اگر کوئی حق کو چھپاتا ہے، کیا وہ مسلم ہے؟ آیات قرآنی پیش خدمت ہیں:-

سورۃ بقرہ (۲) آیت ۱۵۹:- جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں دراحالانکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لئے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۶۷:- اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ کافروں کو کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔

سورۃ مائدہ (۵) آیت ۳:- آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین غالب کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں اور تمہارے لئے اسلام دین کو پسند کیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ حق کا چھپانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایسا کبیرہ گناہ، جس کے ارتکاب پر اللہ اور سب لعنت کرنے والوں کی لعنت ہوتی ہے۔ اور نبیؐ کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ جو بھی نازل ہو رہا ہے وہ فوراً عوام تک پہنچا دیں، اگر نہ پہنچایا تو رسالت کا حق ادا نہ ہوگا۔ اور حکم دیا کہ کسی کا خوف نہ کرو تمہاری مدد کے لئے اللہ کافی ہے۔

اس حکم کے ہوتے ہوئے نہ تو نبیؐ ہی کچھ چھپا سکتے تھے اور نہ ہی کوئی انسان جو مومن ہے چھپا سکتا ہے۔ دین نبیؐ پر مکمل اور غالب ہو گیا۔ مکمل ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ بھی نبیؐ پر نازل ہوا تھا، اس کو نبیؐ نے پہنچا دیا، اور دین کا غلبہ مکمل ہو گیا، اس کے بعد اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی۔

روایات میں کیا ہے؟ دیکھا جائے:-

(۱) بخاری جلد اول، کتاب العلم، صفحہ ۱۴۳، حدیث ۱۱۴:- حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب رسولؐ

کی بیماری بڑھ گئی تو فرمایا کہ لکھنے کا سامان لاؤ میں تمہیں ایک دستاویز لکھوا دوں اسکے بعد تم نہیں بھٹکو گے۔ حضرت عمرؓ بولے کہ رسولؐ پر بیماری کا غلبہ ہے ہمارے پاس اللہ کی کتاب کافی ہے۔ لوگوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گئی اور شور مچ گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے یہاں سے چلے جاؤ، یہاں لڑنا جھگڑنا کیا معنی۔ ابن عباسؓ (اس حدیث کی روایت بیان کر کے) باہر نکلے اور ہائے مصیبت وائے مصیبت جو رسولؐ کو کتاب لکھوانے میں آڑ بن گئی۔

(۲) بخاری، کتاب العلم، باب علم کا یاد رکھنا، صفحہ ۱۴۴، حدیث ۱۱۸:- حضرت اعرجؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے بہت زیادہ حدیثیں روایت کیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر آپؓ نے یہ آیات پڑھیں "جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی ہوئی باتوں اور ہدایات کو چھپاتے ہیں" (انا التواب الرحیم تک پڑھا)۔

(۳) بخاری، کتاب العلم، باب علم کا یاد رکھنا، صفحہ ۱۴۵، حدیث ۱۲۰:- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے دو تھیلے (علم کے) سیکھے۔ ایک کو میں نے عام کر دیا، دوسرے کو اگر ظاہر کر دوں تو لوگ میرا نرخرہ کاٹ ڈالیں (امام بخاری فرماتے ہیں کہ نرخرہ وہ حصہ جسم ہے جہاں سے کھانا اترتا ہے)۔

نوٹ:- آخر وقت میں نبیؐ نے کاغذ قلم طلب کیا ایک ایسی حقیقت لکھوانے کے لئے جس کے ہوتے ہوئے امت گمراہ نہ ہو، جو اس وقت تک نبیؐ نے نہیں بتائی تھی۔ لیکن عمرؓ نے نہیں لکھنے دی اور نبیؐ اس حقیقت کو دنیا سے اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ کیا اس بات پر یقین کیا جا سکتا ہے؟ اگر ہاں تو نبیؐ نے اللہ کے اُس حکم کی خلاف ورزی کی (نعوذ)، جس میں ہے کہ جب وحی آئے تو اس کو جوں کا توں پہنچا دو، اگر نہ پہنچایا تو حق رسالت ادا نہ کیا۔ اس حکم کے ہوتے ہوئے یہ ممکن ہی نہیں کہ نبیؐ اس کی خلاف ورزی کریں۔ اس لئے یہ روایت موضوع (گڑھی ہوئی) ہے۔

اگر اس کو درست مانا جاتا ہے تو پہلے تو نبیؐ ہی رسالت سے خارج ہوتے ہیں (نعوذ) دوسرے حضرت عمرؓ نبیؐ کی مخالفت کر کے اطاعت رسولؐ سے خارج ہوتے ہیں۔ اور دین تو نبیؐ کی وفات کے تقریباً ڈھائی تین مہینے پہلے مکمل و غالب ہو گیا تھا، پھر اس تکمیل کے بعد کیا رہ گیا تھا جو اب پہنچانا تھا۔ غور کرو حقیقت کیا ہے؟ تو وہ سامنے آ جائے گی۔ اس طرح کی روایات کے اوپر یقین کرنے کا مطلب ہے نبیؐ اور دوسرے صحابہؓ کی کردار کشی۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ حق کو چھپانے والوں پر اللہ کی لعنت ہے ۔تو ایسی حالت میں بھی نبیؐ کوئی بات نہیں چھپا سکتے تھے ۔

تیسری بات یہ کہ ابو ہریرہؓ سے جو پہلی روایت ہے اس میں حق کو چھپانے کو بُرا بتایا گیا ہے لیکن دوسری روایت میں ایک تھیلا ظاہر کیا گیا ہے اور دوسرا تھیلا چھپایا گیا ہے ۔گویا آدھا علم دین غائب کر دیا گیا ۔تو آج ہمارے پاس بظاہر ادھورا دین ہے ۔اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ ادھورا دین نبیؐ کی طرف سے ہی ہے (نعوذ) ۔اس بارے میں یہ بھی لکھا ملتا ہے کہ نبیؐ نے دین کی حقیقت کو یعنی اس آدھے دین کو صرف حضرت علیؓ کو ہی بتایا تھا ۔گویا نبیؐ نے انصاف نہیں کیا (نعوذ) ۔کیا یہ ممکن ہے؟ ہرگز نہیں ! دین کی پوری حقیقت کو نبیؐ نے قول اور عمل سے ظاہر کر دیا اور وہ قرآن میں لکھا ہے ۔اس کے علاوہ نہیں ہے ۔

چوتھی بات ابو ہریرہؓ والی ہے کہ انہوں نے ایک تھیلے کو چھپا ڈالا ڈر کی وجہ سے ۔تو ابو ہریرہؓ نے ڈر کی وجہ سے کچھ غلط بیانی بھی کر دی ہو گی پھر ان کی کس بات پر یقین کیا جا سکتا ہے ۔ان سب باتوں پر غور کرنے سے یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ہمارے دین میں عجمی ملاوٹ ہو گئی ہے ،اور دین جو قرآن میں ہے وہ عجمی مذہب میں تبدیل ہو گیا ہے اور ہم کو اسکا ادراک بھی نہیں ہو پا رہا ہے ۔جسکی وجہ سے مختلف فرقہ وجود میں آ گئے اور ہم مشرک ہو گئے ۔قرآن کی شہادت سے ہم مشرک ہی ثابت ہو رہے ہیں ۔قرآن کی جن آیات میں اختلاف کرنے والوں کو قرآن نے مشرک بتایا ہے ،محمدؐ کی امت سے خارج کیا ہے ،وہ ہیں سورۃ انعام ۱۵۹ ،سورۃ روم ۳۱-۳۲)اور بھی بہت سی آیات ہیں ۔اس اختلاف کی وجہ سے ہی آج ہم ذلیل ہیں ۔اللہ کی مدد ہمارے شامل حال نہیں ہے ۔اللہ رحم کرے (تقبل) ۔

(۳۱)

کیا قبر میں مردے سنتے ہیں؟

مشہور تصدیق شدہ عقیدہ یہ ہے کہ مردے قبر میں سنتے ہیں کیونکہ وہ زندہ ہیں ۔اور جو قبر میں زندہ ہیں ،ان پر عذاب بھی ہو رہا ہے ۔سلام کا جواب بھی دیتے ہیں ۔اس عقیدے کی تصدیق کے لئے قرآن سے معلوم کرنا ہے ۔کیا یہ درست ہے یا غلط؟

سورۃ نمل (۲۷) آیت ۸۰ :- بے شک آپ نہ مُردوں کو سنا سکتے ہو اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو ۔

سورۃ روم (۳۰) آیت ۵۲ :- بے شک آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو ۔جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ہوں ۔

سورۃ فاطر (۳۵) آیت ۲۲ :- اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے ۔اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں ۔

سورۃ المومنون (۲۳) آیت ۱۴ :- وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے ۔

سورۃ المومنون (۲۳) آیت ۱۵ :- اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مر جانے والے ہو ۔

سورۃ المومنون (۲۳) آیت ۱۶ :- پھر قیامت کے دن بلا شبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے ۔

سورۃ المومنون (۲۳) آیت ۱۹ :- یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے گی تو کہے گا کہ اے رب مجھے دنیا میں پھر واپس کر دے ۔

سورۃ النجم (۵۳) آیت ۴۷ :- اور یہ کہ اس کے ذمہ دوبارہ پیدا کرنا ہے ۔

سورۃ التغابن (۶۴) آیت ۷ :- ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے ۔آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے ۔پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دئے جاؤ گے اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے ۔

سورۃ البروج (۸۵) آیت ۱۳ :- وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے وہی دوبارہ زندہ کرے گا ۔

سورۃ المومنون (۲۳) آیت ۱۰۰ :- اس دنیا میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں ۔شاید میں نیک کام کروں ۔حکم ہو گا

ہرگز نہیں ! یہ تو ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے وہ ہرگز واپس نہ ہو گا اب سب ان (مرنے والوں کے) پیچھے ایک حجاب برزخ ہے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک ۔

نوٹ :- دو چیزوں کے درمیان حجاب اور آڑ کو برزخ کہا جاتا ہے دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان جو وقفہ ہے ۔اسے یہاں برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔کیونکہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی کا آغاز اس وقت ہو گا جب تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا ۔یہ درمیان کی زندگی برزخ کی زندگی ہے ۔انسان کا یہ وجود جہاں بھی اور جس شکل میں بھی ہو گا بظاہر وہ مٹی میں مل کر مٹی بن چکا ہو گا ۔یا راکھ بنا کر ہواؤں میں اڑا دیا ،یا دریاؤں میں بہا دیا گیا ہو گا یا کسی جانور کی خوراک بن گیا ہو گا ۔مگر اللہ تعالیٰ سب کو ایک نیا وجود عطا فرما کر میدان محشر میں جمع فرمائے گا ۔یہ تفسیر مولانا محمد جونا گڑھی کے ترجمہ پر مولانا صلاح الدین یوسف کی تحریر کردہ ہے (صفحہ ۹۵۹ سورۃ المومنون) ۔

مذکورہ بالا درج آیات اور تفسیر سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ مردے قبروں میں نہ سنتے ہیں اور نہ جواب دیتے ہیں ۔بلکہ مرنے کے بعد جسم قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے ۔اور روح عالم برزخ میں رہتی ہے ،حشر کے دن تک ۔میدان حشر میں حساب کتاب کے لیے اللہ کو جمع کرنا ہو گا تب دوبارہ زندہ کرے گا اور سب انسان اپنے جسموں کے ساتھ حشر میں جمع ہونگے ۔اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عذاب قبر بھی نہیں ہے ۔کیوں کہ قرآن سے ہی یہ ثابت ہے کہ دو زندگی اور دو موت ہیں ۔اگر عذاب قبر کو تسلیم کیا جاتا ہے تو تین زندگی اور تین موت ثابت ہو جاتی ہیں ۔جب کہ قرآن میں دو زندگی اور دو موت ہی ہیں ۔جو سچ ہے ۔کیوں کہ قرآن میں تضاد نہیں ۔

عذاب قبر کو قرآن منع کرتا ہے ۔پھر رسول کیسے فرما دیتے کہ عذاب قبر حق ہے اور ہوتا ہے؟ اگر ایسا فرمایا ہے تو کیا محمد ﷺ اللہ کے فرمان کو تسلیم نہیں کرتے تھے گویا مخالفت کر کے مقابلہ کرنے پر آمادہ؟ جب کہ یہ مقابلہ ممکن نہیں ہے ۔محمد ﷺ صد فی صد قرآن کی پیروی کرنے والے تھے ۔

قرآن کے بعد روایات کو دیکھا جائے کہ اس سے کیا ثابت کیا جاتا ہے ،کیا وہ قرآن کے مطابق ہے یا خلاف؟

بخاری جلد اول ،کتاب الجنائز ،باب ۸۵۰ صفحہ ۵۰۹ مردہ جوتوں کی آہٹ سنتا ہے ۔حدیث نمبر ۱۲۵۱ :- انسؓ روایت کرتے ہیں ،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۔انسان جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے ۔اور لوگ مڑنے لگتے ہیں تو وہ جوتوں کی آہٹ (بخوبی) سنتا ہے ۔دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں ۔اسے بٹھا کر اس سے کہتے ہیں

اس شخص محمد (ﷺ) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے میں گواہ ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کے بندے اور رسول ہیں اسے کہا جاتا ہے دوزخ میں اپنی جگہ دیکھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کے بدلے میں جنت عطا فرما دی ،رسول ﷺ فرماتے ہیں وہ یہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے اور کافر یا منافق کہتا ہے مجھے (چنداں) معلوم نہیں میں تو وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے اس سے کہا جائے گا نہ تو تو نے جانا اور نہ سمجھا پھر لوہے کے ہتھوڑے اس کے کانوں کے درمیان مارے جاتے ہیں اور وہ چیختا ہے اس چیخ کو انسانوں اور جنوں کے علاوہ آس پاس کی تمام چیزیں سنتی ہیں ۔

بخاری جلد اول ،کتاب الجنائز ،صفحہ ۵۱۷ حدیث نمبر ۱۲۷۱ :- ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں رسول ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے ،جنھیں عذاب دیا جا رہا تھا ۔آپ نے فرمایا ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے ۔لیکن کسی خاص جرم کی وجہ سے نہیں ان میں ایک تو پیشاب کے چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا تھا ۔اور دوسرا چغل خور تھا پھر ایک سبز شاخ لی ،اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک قبر پر رکھ دیے ۔لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کس مقصد کے لیے ہیں؟ رسولؐ نے فرمایا ،جب تک یہ سر سبز رہیں گی شاید ان کے عذاب میں تخفیف رہے ۔

نوٹ :- گویا یقین نہ تھا ۔پھر ایسا کام کرنے سے کیا فائدہ اور اگر اس کام سے فائدہ ہے تو اس میں شک سے کیا فائدہ؟ ۔اس لئے ان کو عذاب سے بچانے کے لئے ان کی قبر پر ہرے بھرے درخت لگتے رہنے چاہئے ۔

جلد اول بخاری کتاب الجنائز ،صفحہ ۵۲۱ ،حدیث ۱۲۷۹ :- ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے اس کنویں میں جھانکا ،جہاں مقتولین بدر پڑے تھے ۔فرمایا کیا تم نے خدا کا وعدہ سچا پایا ،آپؐ سے کہا گیا کہ کیا آپ مُردوں کو پکارتے ہیں ،فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے ،(البتہ وہ جواب نہیں دے سکتے) ۔

اس روایت سے مختلف روایت ذیل میں درج ہے :-

کتاب الجنائز جلد اول ،بخاری ،صفحہ ۵۲۱ ،حدیث نمبر ۱۲۸۱ :- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا روایت کرتی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا بلا شبہ انھیں معلوم ہو جائے گا جو میں کہتا تھا وہ صحیح ہے یعنی ارشاد خداوندی ہے کہ "تم مردوں کو نہیں سنا سکتے" ۔

دونوں روایتوں میں زبردست تضاد ہے ۔کیا قبروں میں مردے سنتے ہیں؟ اس کتاب کا آخری مقدمہ ہے ۔ہمارے یہاں قرآن اور روایات میں اتنا زبردست تضاد ہے کہ اس کا شمار بھی مشکل ہے ۔اور اس

تضاد سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول کا راستہ الگ الگ ہے ۔اللہ کہتا ہے کہ اختلاف زحمت ہے ،مگر رسول کا فرمان ہے کہ اختلاف امت رحمت ہے ۔گویا رسول اللہ کے فرمان کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں ۔اور امت نے بھی رسول کے فرمان کو تسلیم کرلیا۔اور اس ماننے نہ ماننے سے ایسا لگ رہا ہے کہ اللہ اور رسول میں ایک جنگ ہو رہی ہے (نعوذ باللہ)۔جب کہ ایسا نہیں ہے ۔محمد ﷺ اللہ کے فرمان کے سو فی صد پابند تھے اس لئے نبی اللہ کے خلاف نہیں فرما سکتے تھے ۔جو بھی قرآن کے خلاف اللہ کے نبی سے منسوب کیا گیا ہے ۔وہ جھوٹ ہے ۔نبی کی کردار کشی ہے ۔اللہ ہم کو عقل دے کہ ہم ایسی موضوع روایات کو تسلیم نہ کریں ،اور قرآن کی کسوٹی پر ایسی ہر روایات کو پرکھیں ۔جو نبیؐ کے نام سے ہم تک پہنچ رہی ہیں ۔محمد ﷺ نے اپنے عمل اور قول سے ہمیں وہ بتایا جس کی تصدیق قرآن کر رہا ہے ،اور وہی دین ہے ،اور کچھ نہیں ۔(تقبل)